مولانا نوشاد احمد صاحب معروفی اور مولانا ضیاء الحق صاحب خیرآبادی کی سعی و کوشش سے یہ پی ڈی ایف فائل بنی ہے، قارئین کرام اپنی دعاؤں میں ان کو یاد رکھیں۔ یہ کتاب اسی سال قبل شائع ہوئی تھی اور اب کمیاب ہے

باسمہٖ سبحانہٗ

یادگارِ سلف

یعنی

تذکرہ قطب العالم حضرت مولانا سید محمد امین حسنی الحسینی

نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

مجدد تمام مائۃ رابع عشر المتوفی سنہ ۱۳۲۹ھ

از

نجم الدین اصلاحی

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی،

مطبع معارف اعظم گڈھ مین چھپی

سنہ ۱۹۳۸ء

قیمت: ۸؍

فہرست مضامین یادگار سلف

Scanned by CamScanner

انتساب

اس ناچیز تالیف کو جو خاندان قطبیہ کے آخری قطب کے تذکرہ سے نورانی اور میرے جذباتِ احترام وعقیدت کی ایک حقیر نذر ہی ہیں اسی مقدس خانوادۂ علم وارشاد کے ایک نامور اور قابل صد احترام فرزند عالیجناب مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کے نام نامی سے معنون کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں،

فقیر و خستہ بدرگاہت آمدم رحمے

کہ جز ولائے توام ہیچ نیست دستاویز

ناچیز

نجم الدین اصلاحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اس زمانۂ قحط الرجال میں جو جنس سب سے زیادہ کمیاب ہے وہ اتقیاء اور صلحاء کا وجود ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو علماء کا فریضۂ خاص تھا، وہ مسامحت اور مداہنت میں بدلتا جاتا ہے، ہم برائیاں دیکھتے ہیں، بدعات روزمرہ نظر سے گذرتی ہیں، مگر کبھی سوسائٹی کی تاثیر، کبھی مصلحتِ وقت کا خیال، کبھی بڑوں کی بڑائی، اور اکثر حبِ جاہ اور طمعِ دنیا کلمۂ حق کے اظہار سے باز رکھتا ہے، اور یہ ہمارے علما کی وہ کمی ہے جس سے بہت کم لوگ محفوظ ہیں، وَمَآ اُبَرِّیُٔ نَفْسِیْ،

ایسے وقت میں اگر ہمارے درمیان کوئی ایسی ہستی تھی جو اس وصف سے ممتاز تھی، اور جس نے اپنی پوری زندگی اسی نہج سے گذاردی کہ جہاں سے گذر ہوا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ قدم قدم پر ادا کرتے چلے، بدعات کا استیصال، برائیوں کا قلع و قمع، مراسمِ خبیثہ کا ابطال، مناظرہ قلمی و زبانی بحثوں اور قیل و قال سے نہیں، بلکہ خدا اور رسول کے حکم کے مطابق عملاً کیا، اور مسلمانوں کو اپنے زورِ حق اور کلمۂ حق کی قوت سے اس کے ماننے پر مجبور کیا،

کتاب اور سنت کی تعلیم صحیح عقائد کی تلقین، رسومِ جاہلیت کی تردید اور بدعاتِ سیئہ کے محو کرنے میں حضرت مولانا سید محمد امین صاحب رائے بریلوی کو جو حضرت مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی کے پیرومرشد حضرت مولانا سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہم کے خانوادہ سے تھے، بڑا امتیاز حاصل تھا مولانا کے حلقۂ ارشاد میں ملک کے دوسرے حصوں کے علاوہ ہمارے ضلع اعظم گڈھ کے دیہات بھی داخل تھے، وہ وقتاً فوقتاً مسلمانوں کے اصرار سے ان دیہاتوں میں تشریف لاتے تھے،

اور اپنے وعظ و پند اور نصائح دلگیر سے متاثر اور اپنے معتقدوں کو امر و فرمان اور حکم سے مرعوب حق بنا کر ان کی اصلاح کرتے تھے، اور حق یہ ہے کہ بڑا کام کرتے تھے، بہتوں نے اُن کی نصیحت سے فیض پاکر توبہ کی، اور بہت سے گھروں سے بدعات و مراسمِ فاسدہ کا ازالہ ہوا، اور کتنے دیہاتوں میں ان کی تلقین سے دین کی روشنی پھیلی،

۱۳۴۹ھ میں موصوف نے وفات پائی، اور ہدایت کا یہ نور آنکھوں سے اوجھل ہوگیا تو مرحوم کے لائق مرید و معتقد مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی نے اس کا تہیہ کیا کہ مرحوم کے سوانحِ حیات کو مرتب کریں اس کے لئے انھوں نے معلومات جمع کئے، کتابیں پڑھیں، اپنے پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان اور وطن میں جاکر اُن کے حالات دریافت کئے، ان کے مسودے ڈھونڈے، ان کے چھوڑے ہوئے کاغذات اور خطوط کا جائزہ لیا، اور خود اپنی آنکھوں سے جو دیکھا تھا، اور دوسرے ثقہ بزرگوں سے جو سنا تھا ان کو فراہم کیا، اور ان سب کو ملا کر یہ کتاب مرتب کی، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے گا،

مدرسۃ الاصلاح سرائمیر جس سے راقم کے دل کو گوناگوں تعلق ہے اور جسکی ترقی اور فائدہ مندی کیلئے ہر وقت دل سے دعا ہے، یہ تصنیف بھی اسی کا ایک فیض ہے، مدرسۃ الاصلاح کے فارغین نے اپنی تقریروں، اپنی تحریروں، اپنی علمی کوششوں اور قرآنی تحقیقوں سے مسلمانوں کو بہت کچھ فائدہ پہنچایا ہے، خوشی کی بات ہے کہ خلق اللہ کے نفع و خدمت کی اس راہ میں بھی اب ان کا قدم اٹھا ہے، جو علم و عمل کی راہوں میں سب سے زیادہ کٹھن ہے،

میں نے اس کتاب کو جستہ جستہ دیکھا ہے، مؤلف کی متانت تحریر، سنجیدگی، بیان کی خوبی اور معانی کی بلندی سے دل خوش ہوا، آج کل جب کہ مصنوعی تصوف کا دار دورہ ہے، حقیقی تصوّف جو "احسان و تقویٰ" کا نام ہے مفقود ہے، ضرورت ہے کہ آجکل کے نوجوانوں

میں خالص اسلام کا پیغام پہنچانے، اور اسلام کے حقیقی جوہر سے آشنا کرنے کے لئے اس قسم کی کتابیں لکھی اور پھیلائی جائیں، تاکہ اصلی تصوف کا چہرہ روشن ہو، اور دلوں میں ایمان کا نور چمکے، اور عمل میں اخلاص اور سچائی کی روح پیدا ہو،

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

محب الصالحین

سید سلیمان ندوی

۴ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

دریں کتاب پریشان بہ بینی از ترتیب ۔ عجب مدار کہ چوں حال من پریشان است

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ علی رسولہ الذی لا نبی بعدہ

اما بعد۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد امین نور اللہ مرقدہ المتوفی سنہ ۱۳۴۹ھ کی مختصر سیرت طیبہ سنہ ۱۳۱۵ھ میں جبکہ آپ بقید حیات تھے، آپکے شاگرد مولوی عبدالحق خاں موحد بریلوی نے مرحوم ذی نام ہدیۂ موحد تحریر فرمائی تھی جو مطبع نجومی بریلی میں چھپ کر شائع ہے جس مین مجمل حالات کے بعد طویل مدحیہ ترکیب بند میں معاندین دین متین کے بیجا اعتراضات اور غیر خوش آیند عداوت کا غمناک نظارہ باحسن وجوہ پیش فرما کر ان تمام شکوک وشبہات کا مدلل جواب دیا ہے، جو بعض لوگوں کو محض بربنائے جہل تقلید جامد محققین اہل علم سے سوء ظنی ہوتی رہی ہے، حالانکہ واجب التعظیم وہی گروہ ہوسکتا ہے جو اپنے حقیقی رہنما کے قدم بقدم چلا جائے، جو راستے کے نشیب وفراز اور خارزار جھاڑیوں، بلند ٹیکروں، اونچی اونچی پہاڑیوں کے سدراہ ہونے سے مرعوب نہ ہو، بہت سے لوگ اٹھتی ہوئی گرد کو بگولہ سمجھ کر اور آواز جرس کو خشک پتوں کی کھڑکھڑاہٹ خیال کرکے متوجہ نہ ہوئے، نتیجہ یہ ہوا کہ مسافروں کے قدیم دشمن جو ایسے مواقع کے پہلے سے متلاشی تھے، قریب کی گھاٹیوں سے نکل نکل کر سامان سفر پر

قابض ہوگئے، اور یہ اپنی ناتجربہ کاری کی بدولت بے سروسامان خطرناک صحرا میں مدتوں سے سرگرداں ہیں، نہ منزل مقصود کا پتہ ہے نہ شاہراہ منزل پر قدم، لیکن حضرت سیدؒ کی رفتار میں سستی اور حوصلہ میں کمزوری تازیست نہ آئی، چنانچہ آپ اپنے اسی راستہ پر پورے عزم اور کمال استقامت کے ساتھ جمے رہے، جو حضرات منعم علیہم کا طریقہ تھا، جس کی پیروی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ، ابوحنیفہ و مالکؒ، شافعیؒ و احمد بن حنبلؒ وغیرہ اکابر علمائے دین و سلف صالحین نے کرکے "رفعنا لک ذکرک" کی صداقت میں چار چاند لگا دیئے۔ ع

اتباع نبوی سے ہوئی طے راہ صواب — شرک و بدعت میں نہ الجھا کبھی دامن اپنا

الغرض علماء جو قوم کو بہت کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں، اس وقت دو مختلف صورتوں میں نظر آتے ہیں، بے عمل اور باعمل، عالم بے عمل گویا آفتاب بے نور اور گوہر بے آب ہے، اگر مطلق علم سے بلا عمل کی بزرگی ہوتی تو معلم الملکوت سے زیادہ بزرگ آج صفحۂ ہستی پر نہ ملتا، لوکان العلم دون التقی شرف لکان اشرف خلق اللہ ابلیس، اور نہ اللہ تبارک و تعالیٰ عمل کو قرآن حکیم میں ذریعہ نجات گردانتا نہ صدیق اکبرؓ مانعین زکوٰۃ پر خروج فرماتے اور نہ فاروق اعظمؓ تارکین حج پر جزیہ اور "ماھم بمسلمین ماھم بمسلمین" کا حکم لگاتے، کیا قرآن کی اصطلاح میں تکذیب آیات اللہ بے عملی کا نام نہیں ہے؟ سچ ہے صوفی، شیخ، مفتی اور فقیہ وغیرہ کہلانا کوئی مشکل بات نہیں ہے، ہاں خالص محمدی ہونا اور بحیثیت اسلام اختیار کرنا کبریت احمر ہے،

جس ذات گرامی اور جنید وقت کے حالات زندگی ہم نے لکھے ہیں، اس کا نیک عمل علم سے زیادہ قابل تعریف اور لائق اتباع ہے، کچھ اس لحاظ سے نہیں کہ میں اور میرا خاندان حضرت سیدؒ کا معتقد ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ حضرت موصوف کی ذات ستودہ صفات میں بیک وقت متعدد خوبیاں جمع تھیں جو مشکل سے کسی کو نصیب ہوتی ہیں، یعنی آپ میں علم کے ساتھ ساتھ عمل، تقویٰ، پارسائی

للہیت، خدا ترسی، زہد و قناعت، عزیمت و استقلال، شجاعت، جوش مذہب خدمت خلق اور اعلائے کلمۃ الحق، امر بالمعروف والنہی عن المنکر اور اتباع سنت و امحاء بدعت کا پورا پورا جذبہ موجود تھا مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی روحانی و مادی ترقی کا نہ صرف احساس تھا بلکہ ہزاروں اشخاص و رجال کو تاریکی سے نکال کر روشنی بخشنا اور پستی سے بلندی پر پہنچانا آپ کا وہ کارنامہ ہے، جو صدہا علماء کی مجموعی قوت و طاقت سے ناممکن معلوم ہوتا ہے، ؎

لیس للّٰہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

کون انصاف پسند اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے کہ مسلمانوں میں تبلیغ مذہب اور حضرت مجدد مائۃ ثالث عشر کے خیالات کی اشاعت اور اس تحریک کو ہر دلعزیز بنانے کی خدمت جس کامیابی کے ساتھ حضرت سیدؒ کے مواعظ اور آپ کی عملی اسلامی زندگی نے انجام دی، اس کا عشر عشیر بھی صدہا تصنیفات سے نہیں ہو سکتا، ؎

انچہ بایک سخن توان کردن با ہزاراں سپاہ نتوان کرد

"جس طرح آفتاب اپنی شعاعوں کو فضا میں منتشر ہونے سے روک نہیں سکتا، اسی طرح ایک اہل علم (اور صاحب عمل) بھی اپنے گرد و پیش کو منور کئے بغیر رہ نہیں سکتا" (فراہی) جن طبیعتوں میں سلامت روی اور قبول حق کی صلاحیت ہوتی ہے، خمار تشنہ کامی کی سعادت بقدر ظرف حاصل کر لیتی ہیں، یہی راز ہے جس کو صادق مصدوقؐ نے "الارواح جنود مجندہ" الخ فرما کر دنیا کے سامنے واضح کر دیا، حضرت سیدؒ کا مشن اور نصب العین وہی تھا جو مجددین ملت و مصلحین امت کا رہا ہے، یہی وجہ تھی کہ آپنے اپنی ساری زندگی نمود و نمائش ریا و سمعہ سے دور رکھی اور ہرگز یہ پسند نہیں کیا کہ دنیا کی نام نہاد شہرت و عزت سے اپنے دامن تقدس کو ملوث کریں،

سوانح حیات کی غایت و غرض | "علوم و فنون کی صف میں سیرت (بیاگرفی) کا ایک خاص درجہ ہے

ادنےسے ادنیٰ آدمی کے حالات زندگی بھی حقیقت شناسی اور عبرت پذیری کے لئے دلیل راہ ہیں
چھوٹے سے چھوٹا انسان بھی کیسی عجیب خواہشیں رکھتا ہے، کیا کیا منصوبے باندھتا ہے، اپنے چھوٹے سے دائرۂ عمل میں کس طرح آگے بڑھتا ہے، کیونکہ ترقی کے زینوں پر چڑھتا ہے، کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتا ہے، کیا کیا مزاحمتیں اٹھاتا ہے، تھک کر بیٹھ جاتا ہے، سستاتا ہے، اور پھر آگے بڑھتا ہے، غرض سعی وعمل، جد وجہد، ہمت وغیرت کی جو عجیب وغریب نیرنگیاں سکندر اعظم کے کارنامۂ زندگی میں موجود ہیں بعینہٖ یہی منظر ایک غریب مزدور کے عرصۂ حیات میں بھی نظر آتا ہے[1]،

حقیقت یہ ہے کہ بزرگانِ اسلام اور ائمہ دین کے تعجب خیز کارناموں کے اندر قوموں کے عروج وزوال کا فلسفہ موجود ہے، ہماری قوم کے ان نوجوانوں کو جن پر جدید علوم اور نئی تحقیقات کی روشنی چمکی ہے بزرگوں کے حالات زندگی تو الگ رہے آج ان کے ناموں سے واقفیت نہیں ہے، حالانکہ یہ قول کس قدر نتیجہ خیز ہے کہ "جس نے کسی کے حالات زندگی لکھے گویا اس نے اس کو زندہ کر دیا" یہ بہت بڑا کتمانِ حق وصداقت ہوتا، اگر حضرت سیّدؒ کے وصال کے بعد آپ کے حالات زندگی مخفی رہتے، سیرت اور سوانح نگاری مسلمانوں کا یہ وہ امتیازی وصف ہے کہ آج تمام دنیا اس مصوری پر حیران ہے، جنمیں ہزاروں واقعات عبرت پذیری ونتیجہ رسی کے موجود ہیں،

بہرحال اس سوانح میں میں نے عام سیرت نگاروں کی تقلید کرنا مناسب نہیں سمجھا بلکہ میرے نزدیک جو طریقہ بہتر نظر آیا اختیار کیا ہے، بدیں وجہ بعض علمی بحثیں بغرض افادۂ ناظرین کسی قدر تفصیل سے لکھ دی گئی ہیں تاکہ بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائیں، مثلاً تصوف پر جو اجمالی اشارہ کیا گیا ہے وہ اہل علم اور منصف کے نزدیک کافی ہے تاہم اگر مزید تحقیق کا کسی کو خیال ہو وہ اس فن کی امہات کتب کی جانب رجوع کرے، میرے پیش نظر قوت القلوب ابوطالب مکیؒ، رسالہ قشیریہ، مکتوبات امام ربانی مجدد

[1] سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۳ ،

الف ثانی، ریاض المرتاض اور تصوف اسلام ہے، اگر وقت نے مساعدت کی اور توفیق الٰہی شامل حال ہوئی تو آیندہ کسی فرصت میں تفصیلی مباحث پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا، اور بتاؤں گا کہ صوفیاے کرام کے نفوس قدسیہ کا اشاعت اسلام میں کیا حصہ رہا ہے۔ "خلافت راشدہ کے بعد جب نظام اسلامی میں بہت کچھ برہمی پیدا ہوگئی تو صوفیاے اسلام نے بھی اسی طریقہ کی پیروی میں جگہ جگہ خانقاہیں قائم کی تھیں، آج خانقاہ کا مفہوم اس قدر گر گیا ہے کہ یہ لفظ سنتے ہی انسان کے ذہن میں ایک ایسی جگہ کا تصور آجاتا ہے، جہاں ہوا اور روشنی کا گذر نہ ہو اور جہاں صدیوں تک جنتری کا ورق نہ پلٹے، مگر اصل میں یہ خانقاہ بھی اسی نمونہ کی ایک نقل تھی جسے سرکار رسالتمآب صلعم نے مدینہ میں قائم کیا تھا صوفیاے کرام جن لوگوں میں استعداد پاتے تھے، ان کو بیرونی دنیا کے گندے ماحول سے نکال کر کچھ مدت تک خانقاہ میں رکھتے تھے اور وہاں اعلیٰ درجہ کی تربیت دے کر انھیں اسی کام کے لئے تیار کرتے تھے، جس کے لئے پیغمبر عالم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تیار کیا کرتے تھے[لہ]" ان ہی خانقاہوں کے بواسطہ یا بلا واسطہ تربیت یافتہ لوگوں میں محمد بن قاسم ثقفی، خواجہ اجمیری، محبوب دہلوی، علاء الدین کلیری، شیخ جیلانی، قطب الدین محمد یحیٰی منیری، مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور بابا فرید شکر گنج و مسعود سالار غازی رحمۃ اللہ علیہم تھے، جن کی مساعی جمیلہ نے کفرستان ہند کو اسلامستان ہند بنا کر چھوڑا، وجہ یہ تھی کہ یہ سچے مسلمان اور مخلص تھے، لیکن آج جبکہ مسلمان چپہ چپہ میں پھیلے ہوئے ہیں تو ہر ہر قدم پر ناکامی کا سامنا ہے، ایسی حالت میں تمام مسلمانوں کو غور کرنا چاہئے کہ جب ان کا مذہب الہامی مذہب ہے تو اس مذہب کے رو سے ترقی اور عروج کے اسباب اور ذرائع کیا ہیں؟ پیغمبر دو عالم صلعم اور آپ کے سچے جانشینوں نے کون سا طریقہ اختیار کیا، اور خود قرآن نے اسباب عروج و زوال امم کا کیا فلسفہ و طریقہ بتایا ہے؟ تو سرسری طور پر بھی نظر کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ جد وجہد سعی و کوشش، عدل و انصاف، اتفاق و اتحاد، علم و عمل، ایثار اور قربانی وغیرہ یہی باتیں تو تھیں کہ مسلمان جہاں گئے

لہ ترجمان القرآن

اپنی تہذیب اور اپنا تمدن، اخلاق و معاشرت اور مذہب و ملت کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بٹھا دیا،
لیکن آج کا ہندوستانی مسلمان یہ ہے کہ خود اپنے بھائی کی عزت و ناموس کے درپے ہے، ذرا سی بات
خلاف مزاج ہو جانے پر زبان و قلم کی پوری طاقت کے ساتھ مسلح ہو کر ہنگامۂ گیر و دار و سب و شتم
برپا کر دیتا ہے، اس وقت نہ تو سورۂ فرقان کی آیات یاد رہتی ہیں نہ سورۂ حجرات کا اخلاقی درس
اور نہ حم السجدہ کی فلسفیانہ تعلیم ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ
ولی حمیم، خلاصہ یہ کہ جبتک مسلمان قرآن اور اسوۂ محمدی کے حرف بحرف متبع نہ ہونگے، محال ہے
کہ کامیابی کا خواب انھیں نظر آئے، یہ ایک قضاء مبرم اور سنت اللہ ہے جس میں تخلف کی گنجائش نہیں،

۱۹۳۰ء کی تین عدیم النظیر ہستیاں

یہی وہ سنہ ہے جس میں مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا جانکاہ حادثہ
پیش آیا، یہ حادثہ نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلامی کے لئے ایسا ناقابل
تلافی نقصان ثابت ہوا کہ پھر دوسرا محمد علی پیدا نہ ہو سکا، موصوف دین و مذہب، قوم اور وطن کے سچے
خادم تھے، دنیا کے کسی گوشہ میں اگر مسلمان پر کوئی مصیبت پڑتی تھی بے چین ہو جاتے تھے، قوم و ملت
کے صحیح رجحان سے واقف تھے، اور عشق محمدی میں اس درجہ فنا ہو چکے تھے کہ آخر کار رکنان قضا و
قدر کو غلام آباد ہند میں رکھنا پسند نہ آیا اور وہاں پہنچا دیا جو کسی انسانی دسترس سے ماوراء ہے، رحمۃ اللہ علیہ،

دوسرا وجود گرامی حضرت استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ کا ہے، آپ علوم قرآن کے امام
اور تقویٰ و طہارت، وفور عقل اور درستی عمل کے لحاظ سے آیۃ من آیات اللہ تھے، باوجود گوناگوں کمالات
علمی و عملی کے اس درجہ مخفی اور خلوت گزیں تھے کہ زندگی میں سوائے چند اہل علم کے کوئی واقف نہ ہو سکا،
اگر رحلت کے بعد بھی گمنامی کو راہ دیجاتی تو شاید اس سے بڑھ کر کفران نعمت کی کوئی مثال نہ ہوتی اور
یہ دین مولانا مرحوم کے تلامذہ پر باقی رہ جاتا، کہ دائرۂ حمیدیہ کے قیام نے اس ضرورت کو پورا کر دیا،
الحمد للہ علیٰ ذالک،

تیسرا وجود مقدس راس الموحدین امام المحققین حضرت مولانا سید محمد امین نور اللہ تربتہ کا ہے
سوانح ہذا آپ کے حالات میں ہے، افسوس جب قوم کے اندر سے ایسے باکمال ایک ہی وقت میں اٹھ
جائیں، پھر اس قوم کی بدبختی کی اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہو سکتی ہے، یہ وہ وجود تھے کہ ان میں سے ہر ایک
اقلیم علم وفضل کا بادشاہ، سیاست و مذہب کے راز سے واقف، مجدد اور حکیم امت تھا، مگر وا مصیبتاہ کہ
کہ ان میں سے کسی کی جگہ اب تک پر نہ ہو سکی، "اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ"

تحدیث نعمت اور اظہار تشکر

جب میں سیرت اور سوانح نگاری کی اہمیت کا اندازہ کرتا تھا تو مجھے اپنی کم مائگی، ناتجربہ کاری
اور تحریر کی خامی کی وجہ سے مایوس ہو جانا پڑتا تھا کہ خدایا یہ منتشر اور پراگندہ تحریریں
اور بعض طویل بیانات جو بظاہر اصول سیرت نگاری کے خلاف ہیں کہیں اکابر ملت کی اہانت کا باعث
تو نہ ہو جائیں کہ ناگاہ رحمت ایزدی ایک دوسری راہ سے عالم اسلامی کے مسلم الثبوت عالم حضرت
مولانا سید سلیمان صاحب ندوی متع اللہ المسلمین بطول بقائہ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، ممدوح
محترم از راہ ذرہ نوازی اپنے زریں کلمات بطور مقدمہ تحریر فرما دیتے ہیں، جس سے میری ناتجربہ کاری
اور بے بضاعتی کی تلافی اور زیور حسن قبول سے آراستگی کا ذریعہ ہاتھ آ کر مایوسی امید سے بدل جاتی ہے
اور اس چیز کو میں کتاب کی مقبولیت کے لئے فال نیک سمجھتا ہوں،

ناچیز جب اپنی پستی اور مولانائے ممدوح کی بلندی کا خیال کرتا ہے تو سخت کشمکش کے عالم میں
پڑ جاتا ہے، کہ کس طرح آپ کے شایان شان الفاظ میں شکریہ ادا کرے، آخر کار جو الفاظ کہ زبان اور
دل کی گہرائیوں سے نکلتے ہیں وہ یہی کہ اے رب کعبہ تو اس خیر مجسم کو تا دیر امت مرحومہ کی فریاد رسی
کے لئے قائم رکھ،

ان تمام باتوں کے بعد اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ

"ز ذات مقدس باعث فخر مسلمان ہو"

سوانح میں بعض خاندانی مشکلات ایسی تھیں جن پر مجھے کسی طرح قابو نہ ملتا اور نہ یہ گتھی سلجھتی لیکن قدرت نے حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو میرا خضر راہ بنایا، جن سے اس راہ کی تاریخی مشکلات کا خاطر خواہ حل ہو گیا، میرے لئے اس سے بڑھ کر تحدیث نعمت کا اور کیا موقع ہو سکتا ہے موصوف نے باوجود کثرت مشاغل جو وقت بھی مجھے عنایت فرمایا ہے، میں آپ کے اس موروثی اخلاق کا تہ دل سے ممنون ہوں اور میرے دل میں اس کا سچا احترام ہے، ادام اللہ فضلہ واجل قدرہ وضاعف اجرہ،

میرے یہاں اٹھنے بیٹھنے اور باہمی کثرت افادہ واستفادہ رکھنے والوں میں دو عزیز مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر ممتاز رہے، کفران نعمت ہوگا اگر اس موقع پر ان کا ذکر کئے بغیر میں اس داستان کو ختم کر دوں، ان میں سے ایک عزیز محترم مولوی صدر الدین اصلاحی سلمہ کی ذات ہے، جو اپنی خداداد ذہانت اور فطری صلاحیت کے اعتبار سے (چشم بد دور) آپ اپنی نظیر ہیں، اور جن کی عزت و محبت میرے دل کی گہرائیوں میں ہے اور آئندہ زندگی میں عزیز موصوف سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں،

عزیز کے متعلق بعض اکابر نے ابتدا ہی میں مضامین وغیرہ دیکھ کر خوش آیند مستقبل کی بشارت دی تھی، چنانچہ جب ۱۹۳۷ء میں مدرسہ سے فارغ ہو چکے تو متکلم اسلام مولانا سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی مدظلہ مدیر ترجمان القرآن کی جوہر شناس نظر نے دار الاسلام پٹھان کوٹ پنجاب بلالیا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ صحیح علم و عمل اور زندگی کے پاک مقاصد میں کامیاب فرما کر نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلامی کیلئے باعث فخر بنائے، باوجود طالب علمانہ مصروفیتوں کے اپنے فاضل اوقات میں میرا ہاتھ بٹایا، اطال اللہ عمرہ واجعلہ فوق کثیر من الناس،

دوسرے فاضل عزیز مولوی محمد عاصم اصلاحی سلمہ ہیں جو ۱۹۳۶ء میں مدرسہ سے فارغ ہونے کے

بعد بغرض تکمیل حدیث حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ شیخ الحدیث دیوبند کی خدمت میں
گئے ہوئے ہیں، فاضل عزیز اپنی متانت و اطاعت کیشی اور ٹھوس استعداد کی وجہ سے بہت سی قدیم روایات
اور خوبیوں کے حامل ہیں جو اب مدارس کے اندر مفقود ہوتی جارہی ہیں، عزیز موصوف میری زبانی حضرت
سیدؒ کے حالات سن سنکر بار بار کہتے رہے کہ ایسے باکمال بزرگوں کی سیرت ضرور لکھنی چاہیئے، ادھر حضرت
سیدانی صاحبہ اہلیہ حضرت سیدؒ کا حکم اور بہت سے احباب اور عزیزوں کا مزید اصرار نتیجہ یہ ہوا کہ اس
اہم ذمہ داری سے خدا نے مجھ کو عہدہ برآ ہونے کی سعادت بخشی، ناچیز ان تمام حضرات کی خدمات عالیہ میں
پرخلوص شکریہ پیش کرتا ہے، بالخصوص محترم مولوی سعید احمد صاحب نصیرآبادی اور جناب مولوی امین احسن صاحب اصلاحی
مدیر الاصلاح سرائمیر کی خدمت میں جنکے مفید مشورے میرے لئے شمع راہ تھے، اور ساتھ ہی دعا کرتا ہوں کہ انکے دلوں میں سلف کی
عظمت اور ان کی علمی و عملی خدمات کے حاصل کرنے کا شوق اور صحیح جذبہ پیدا ہو،

ماخذ یادگار سلف

حضرت سیدؒ کے حالات زندگی زیادہ تر آپکے برادر محترم جناب مولانا حکیم سید محمد متینؒ کی زبانی
پوری تفصیل کے ساتھ موصوف کی حیات ہی میں ناچیز نے معلوم کر لئے تھے، اگر آپ سے ملنے کی عزت نہ نصیب ہوئی
ہوتی تو مجھے یقین ہے کہ سوانح بالکل ناتمام رہجاتی، اور ہرگز مجھے کامیابی نہ ہوتی، حکیم صاحب مرحوم نے بہت
سے کاغذات اور حضرت سیدؒ کے مکاتیب وغیرہ عنایت فرمائے جو "یادگار سلف" کی روح ہیں، اس کتاب
کے آخر میں آپکے حالات مختصراً ذکر کئے گئے ہیں، آپکے انتقال کے بعد نصیرآباد جانا ضروری تھا، کیونکہ
بہت سے حالات ایسے تھے جن کا تعلق حضرت سیدانی صاحبہ مدظلہا کی ذات سے تھا، چنانچہ گیا، حضرت
سیدانی صاحبہ مدظلہا نے حضرت سیدؒ کی گھریلو زندگی اور آپکے معمولات پر کافی سے زیادہ معلومات نیز
تصانیف، مکاتیب اور مختلف کاغذات عنایت فرمائے، جس کے بعد مجھے کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہی

"کس منہ سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا"

خدایا اس مجسمۂ خیر و برکت کی خدمت و کفش برداری کی سعادت سے ہمیں دارین میں سرخرو فرما،

حالات و واقعات حضرت سیدؒ کی مزید توثیق جناب واجد خاں صاحب خادم خاص حضرت سیدؒ و شیخ بابو صاحب وغیرہ معتقدین نصیرآباد سے برابر ہوتی رہی، ناچیز ان تمام حضرات کی ذرہ نوازی اور حوصلہ افزائی کا بدل ممنون ہے، اللہ تعالیٰ ان حضرات کی کوششوں کا بہتر سے بہتر صلہ عنایت فرمائے

جہاں تک حضرت سیدؒ کے نفس حالات اور واقعات زندگی کا تعلق ہے اس کے لئے یہی مواد کافی سے زیادہ تھے، بقیہ جو مباحث علمی، تاریخی کتاب کے اندر آگئے ہیں ان کے متعلق مندرجہ ذیل کتابیں میرے پیش نظر رہی ہیں، قرآن مجید، مشکوٰۃ شریف وغیرہ، قوت القلوب، رسالہ قشیریہ، رسائل ابن تیمیہ، نزہۃ الخواطر، اسوۂ حسنہ فیما ثبت بالسنۃ، البصائر فی تذکیر العشائر، مکتوبات امام ربانی، قول الجمیل، ازالۃ الخفا قلمی، تقصار جیود الاحرار، ریاض المرتاض، مہر جہانتاب، نسب نامۂ خاندان قطبیہ قلمی فارسی، مکتوبات حضرت مولانا سید محمد امینؒ، تصوف اسلام، سیرۃ النبی، حیات مجدد الف ثانی، حیات ولی، سوانح احمدی، ہدیۂ موحد، گلشن طٰہ، گمراہ صوفی، سلک التحریر، تذکرۂ آزاد، سیرت بخاریؒ، رسالہ ترجمان القرآن، الاصلاح الرد الروافض، الفرقان وغیرہ،

اس موقع پر میں جناب حافظ **عبد الغفور** صاحب راجہ پور سکرور اور حافظ **محمد فاروق** صاحب موضع سرکنڈیڈیہہ ضلع سلطانپور جو سفر برما کے چشم دید گواہ ہیں، اور بالخصوص جناب محب اکرم مولوی **محمد ایوب** صاحب اصلاحی و عزیز محترم مولوی **نور الہدیٰ** صاحب اصلاحی کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا، جن کی انتھک کوششوں سے برما کے صحیح حالات کا کافی مواد ہاتھ آیا، کیونکہ نہ مجھے کبھی سفر برما کا اتفاق ہوا تھا اور نہ حضرت سیدؒ سے کبھی دریافت کا موقع ملا تھا، کسے معلوم تھا کہ "قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند" کی سعادت مجھ سیہ کار ہی کے حصہ مین آئے گی، بہرکیف سفر برما کے حالات جو میری دسترس سے باہر تھے، ان ہی بزرگوں کے ذریعہ حاصل ہوئے، میں ان حضرات کی خدمت

میں صمیم قلب سے اپنا ناچیز شکریہ پیش کرتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں "جزاهم الله احسن الجزاء"،

سوانح مرتب ہو کر عرصہ سے رکھی ہوئی تھی اور یہ ہمت نہ پڑتی تھی کہ پریس کے حوالہ کروں کیونکہ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جس میں قدم قدم پر مالی زحمتیں پیش نہ آتی ہوں، مجھ مفلوک الحال کے سامنے بھی یہ چیز آتی رہی، لیکن کبھی بھی یہ خیال نہ گذرا کہ سوانح غیر مطبوع رہ جائے گی، کہ مخدومی جناب شیخ **محمد سلیمان** صاحب مرزا پور مقیم رنگون جو ایک صاحب خیر اور زندہ دل بزرگ اور حضرت سید رح کے معتقدین میں ہیں، ۲۵ روپیہ کی رقم بغرض اشاعت سوانح روانہ فرمائی، ہمت بڑھی، اور کتاب یکم مئی ۱۹۳۸ء کو پریس کے حوالہ کر دی گئی، ابھی ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ معتقدین **خیر آباد** ۳۵ روپیہ کی نذر عقیدت لے کر شریک حسنات ہوئے، اور پھر پردۂ غیب سے برابر انتظامات ہوتے رہے، یہاں تک کہ "**یادگار سلف**" چھپ گئی، ناچیز ان تمام حضرات کی خدمت میں جنھوں نے سوانح کی اشاعت میں دامے درمے سخنے مدد فرمائی ہے، اپنا دلی شکریہ پیش کرتا ہے اور آخر میں دست بدعا ہے کہ خدایا جس طرح تو نے ان صفحات کو مرتب کرا دیا ہے، اسی طرح انھیں حسن قبول، اور کاتب سطور کو سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرما کہ یہی اس کی قلمی کوششوں کا ان حضرات کی بارگاہ سے بہترین صلہ ہے، ورنہ

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے،

والسلام علی من اتبع الهدیٰ

ننگ حیات
نجم الدین اصلاحی، } یکم جولائی ۱۹۳۸ء / ۱۳۵۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاندان

در فضل وکمال لاجواب است　　این خانہ تمام آفتاب است

قطب الاقطاب حضرت مولانا سید محمد امین حسنی الحسینی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندانی حالات، فضائل اعمال ومحاسن اخلاق اور ملی خدمات کا بیان کرنا یہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ جسے مختصر لفظوں میں ادا کیا جاسکے بلکہ اس کیلئے ایک دفتر درکار ہے، اجمالاً یوں سمجھنا چاہئے کہ قدرت کے ہاتھ جس جواں بخت پر اپنی بے ہمتا نوازشوں کا خزانہ کھولدیں اس کے طالع کی فیروزمندی اور بخت وسعادت کی ارجمندی بیان قلم وزبان کی کب مرہون منت ہوسکتی ہے، علم وعمل کا یہ انسانی فرشتہ جس خاندان عالی سے تعلق رکھتا تھا گویا آسمان سیادت وسعادت کے تارے توڑ توڑ کر ایک سلسلہ میں منسلک کر دیئے گئے تھے جن کی بلندی پر انسانی عظمت کے اوج وکمال کی بنیادیں رکھی جاسکتی ہیں

ذروۂ کاخ رفعتت رست ز فرط ارتفاع　　راہروان وہم را راہ ہزار سالہ باد

۱۲۰۵ء کا زمانہ تھا ابھی چند ہی روز ہوئے تھے کہ توحید کا علم سرزمین ہند کے سینۂ کفر وضلالت پر گڑا تھا، سلطان قطب الدین ایبک اسلامی قلمرو کا فرمانروا تھا کہ آپ کے مورث اعلیٰ ایک ہاتھ میں مشعل نور ہدایت اور دوسرے میں عزت وجاہ دنیوی لئے وارد ہندوستان ہوئے، سادات کا یہ محترم سلسلہ حضرت علامہ سیّد رشید الدین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تک منتہی ہوتا ہے جو بغرض اعلاء کلمۃ الحق وہدایت خلق، ارض مقدس مدینہ مطہرہ سے پورے خانوادہ کو لیکر بغداد آئے اور وہیں زندگی کی گھڑیاں ختم کیں، حضرت محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مقبرہ میں جو آپ کے عم زاد بھائی ہوتے تھے دفن ہوئے لیکن خلف الصدق شیخ الاسلام حضرت علامہ سید

قطب الدین محمدؒ جیسے دل و دماغ کا مجاہد اعظم دنیا میں چھوڑتے گئے، جن کی رگ رگ میں شجاعت و اولوالعزمی کی ہاشمی روح پھڑک رہی تھی، جس کے جذبات حیدری اتنے بے پایاں ہوں وہ بغداد کی تنگ نایوں میں کیونکر سکھ کی نیند سو سکتا، کارکنانِ قضا و قدر کا فیصلہ ازلی یہی تھا، کہ بغداد سے لیکر ہندوستان تک کی فضا اسی ناصیۂ جمالِ احمدی سے منوّر ہوگی وہ چند گز زمین کی وسعت پر کیونکر قانع رہ سکتا تھا، آخر کار یہ تیغ ربّانی نیام بغداد سے چمک کر نکلی تو کتنے ہی باغیانِ الٰہی کے خون میں تیرتی ہوئی رائے پتھورا والی قنوج کی سطوت امارت کے سینہ میں پیوست ہوکر رہی، ع "دشمن دل سیاہ تو غرقہ بخوں چو لالہ باد"

غازی موصوف نے اپنے جہاد کے واقعات خود ایک عربی رسالہ میں قلمبند فرمائے ہیں، جس کا ترجمہ اختصار کے ساتھ ہم پیش کرتے ہیں، فرماتے ہیں، "میں ۵۶۰ھ مطابق ۱۱۶۵ء میں پیدا ہوا، عمر کی چالیس منزلیں ختم ہوتے ہوتے تقریبًا ہندوستان کے سارے طول و عرض کا سفر ختم کرکے شہنشاہ کونینؐ کے آستانۂ قدس پر حاضری دی، روضۂ مطہرہ کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد بیت اللہ الحرام روانہ ہوا، فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد بموجب بشارت نبوی مع اہل و عیال غزنی آیا، اب یہاں سے خدا کا نام لے کر جہاد فی سبیل اللہ کی شمشیر حق ہاتھ میں لی اور اٹھارہ ہزار آہن پوش سوار و پیادہ لیکر سید فخرالدین قاضی شیخ احمد محتسب عثمانی، سیّد احمد، سالار خاں اور فیروز خاں و حمید خاں و بازید خاں سرداران کابل کی معیت میں دہلی کی طرف بڑھا، سلطان محمود غزنویؒ کے مسلسل حملوں نے راستہ صاف کر دیا تھا، کسی نے مزاحمت نہ کی، اسلامی پرچم کے سایہ میں بلا خوف و خطر دہلی پہنچ گیا، ۱۴ شعبان ۵۷۱ھ کو (بحرالانساب میں ۶۲۴ھ مرقوم ہے) حسب رائے سلطان قطب الدین رائے پتھورا والی قنوج پر فوج کشی کی بحمداللہ دوسرے ہی حملہ میں یہ مہم سر ہوگئی، پرستارانِ توحید کا بول بالا ہوا، راجہ نے راہِ فرار اختیار کی اور قلعہ قنوج سے نکل کر ۹ شعبان کو مقام کڑا واقع الہ آباد جا کر ٹھہرا، ہنگامی نظم و نسق کے لئے فوج کا کچھ حصہ تو وہیں چھوڑا اور باقی کو لے کر راجہ کا تعاقب کیا، کڑا میں ہمارے داخل ہونے سے پہلے ہی راجہ نے اہلِ شہر کو ما بہ نکبو

بھیج دیا اور خود پسماندہ فوج کو لے کر قلعہ بند ہوگیا، گولہ باری شروع کر دی گئی، زینہ لگا کر فوج اندرون قلعہ گھس گئی، پھاٹک کھول دیا گیا، قتل و خون کا بازار گرم ہوگیا، بالآخر راجہ نے اہل و عیال سمیت بھاگ کر مانکپور میں پناہ لی، فرزند رشید سیّد تاج الدینؒ نے ایک ہزار سواروں کیساتھ مانک پور کی پناہ گاہ پر یلغار کی اور اسے فتح کر لیا، مصیبت زدہ راجہ پر جائے عافیت تنگ آگیا، افتاں و خیزاں والی بنارس راجہ جے چند کے یہاں جاکر پناہ گزیں ہوا؛

لیکن اب مشیتِ ایزدی پوری ہو چکی تھی، اسے جو کام اس دلاور اسلامی سپاہی سے لینے تھے لے چکی، اسی دوران میں طبع مبارک ناساز ہوگئی، لہٰذا آگے بڑھنے سے مجبور ہو کر وہیں شہر کڑا میں سکونت اختیار کی، وفات کے بارے میں مورخین کا شدید اختلاف ہے، ملفوظات سید حامد بخاریؒ میں ہے کہ آپ نے ۶۰۸ھ میں وفات پائی، اور یہ سلطان ناصر الدین محمود بن شمس الدین التمش کی حکومت کا زمانہ تھا جو قطب الدین ایبک کا جانشین تھا، لیکن بحر الانساب میں سنہ ولادت ۵۸۱ھ اور سنہ وفات ۶۶۷ھ مرقوم ہے، آپ کا مزار زیر چھتری سنگین بمقام کڑا جو اب سلطان پور کے نام سے مشہور ہے، مرجع خلائق ہے،

حضرت مولٰنا سیّد محمد امینؒ کا سلسلۂ پدری سبطِ اکبر امام حسن علیہ وعلی آبائہ السلام پر منتہی ہوتا ہے، اس سلسلۃ الذہب کی پہلی کڑی جس نے ہندوستان کا رشتہ حبل اللہ سے استوار کیا یہی شیخ الاسلام امیر قطب الدین محمد المدنی کی ذات گرامی تھی، سلطان قطب الدین ایبک آپ کا مرید تھا، جیسا کہ صاحب نزہۃ الخواطر کا بیان ہے،

قال القاضی شہاب الدین عمر الزاولی الدولۃ آبادی فی ہدایۃ السعداء ان السلطان المذکور یجلسہ فی صدر المجلس ویقبل یدہ ویتبرک بہ انتہی، ھکذا[۴]

قاضی شہاب الدین عمر الزاولی دولۃ آبادی نے ہدایۃ السعداء میں بیان کیا ہے کہ سلطان مذکور آپکو صدر مجلس میں بٹھاتا اور آپکے دست مبارک کو چومتا و برکت حاصل کرتا تھا، یہی بیان قاضی ضیاء الدین برنی کا بھی ہے،

بیان القاضی ضیاء الدین البرنی فی تاریخہ

سے نزہۃ الخواطر قطعی

امیر قطب الدین محمدؒ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بھانجے تھے، باقاعدہ تعلیم سید عبدالرزاق بن سید عبدالقادر جیلانیؒ سے حاصل کی تھی اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے بھی استفادہ فرمایا تھا، چنانچہ حضرت شیخؒ کے وصال کے بعد حضرت شیخ نجم الدین کبریؒ سے بیعت کی، اور آپکے اجلۂ خلفاء میں ہوئے آپ کا تذکرہ قاضی عثمان بن محمد الجوزجانی وغیرہ نے ادب سے کیا ہے،

وجہ تسمیہ حسنی الحسینی حسنی مثنیٰ اپنے عم نامدار شہید کربلا امام حسین علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی فاطمہ صغریٰ سے منسوب تھے، اسی لحاظ سے اس خاندان کے لوگون کو حسنی حسینی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اہلبیت کرام کی طرح اس خاندان کے بزرگون نے بھی خلفاے بنی امیہ و بنی عباس کے ہاتھون خدا کی راہ مین تکلیفیں اٹھائی تھیں، چنانچہ حضرت محمد بن عبداللہ المحض جنکا لقب نفس الزکیہ تھا، جناب رسول اللہ صلعم کی پیشینگوئی کے مطابق حرم میں شہید کئے گئے، امام محمد نفس الزکیہ کے اور بنی اعمام افریقہ و عرب کے مختلف حصوں میں پھیل گئے اور ان کی اولاد میں بڑے بڑے ائمہ اور خدا پرست امرا پیدا ہوے، سنوسی شیوخ اور امراے مراکش و شرفاے مکہ و امراے عسیر انہی حضرات کی اولاد میں ہیں،

امتیاز خاص امیر قطب الدین محمدؒ کی اولاد میں اتنے اولیاء و علماء و مشائخ پیدا ہوے کہ کم خاندانون میں ہوئے ہوں گے آپ کے پوتے قاضی رکن الدین کے اوصاف حسنہ کا تذکرہ مؤلف تاریخ فیروز شاہی نے نہایت ادب و احترام سے کیا ہے، خواجہ کرگ اللہ عرف خواجہ کرک مجذوب برہنہ رہتے تھے، مگر آپ کو دیکھ کر بدن ڈھانک لیتے تھے اور کہتے تھے کہ

این یک کس است کہ مرا از و شرم می آید — صرف یہی ایک مرد کامل ہے جس سے مجھکو شرم آتی ہے،

آپ کی اولاد میں حضرت سید احمد پالتیؒ، حضرت سید محمد تقیؒ، حضرت سید محمد صالح فتحپوری، حضرت سید فضل اللہ گوشائیں وغیرہ اولیاے کاملین میں سے تھے، بہرحال ان ضمنی باتون کے ذکر کے بعد عرض کرنا یہ ہے کہ سلطان قطب الدین ایبک کے عہد سے لیکر سلطان سکندر لودی کے زمانۂ حکومت تک موضع کڑا اور آس پاس

کے دیگر مواضعات سادات قطبیہ کی جاگیریں رہے، از روئے تقسیم موضع کرّہ جو حضرت امیر کبیر سید قطب الدین محمدؒ کی بدولت استیلاء کفر اور استبداد شرک سے پاک ہو چکا تھا، سید محمد اسمٰعیلؒ کے حصہ میں آیا، چنانچہ جب راجہ کنت کی ہنگامہ آرائیوں نے فضائے امن و آشتی غبار آلود بنا دیا آپ خلفاء و مریدین سمیت اپنے پورے خانوادہ کو لاکر موضع کرّہ میں آباد ہوگئے، تاریخ ظہور قطبی کے اوراق سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر موصوف کی اولاد میں سے کچھ لوگ صوبہ بہار میں بھی بمقام بارہ دری جاکر آباد ہوئے ان کے وہاں تک پہنچنے کا سلسلہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ سید فضل اللہ قطبی بسلسلۂ مصاہرت مخدوم بندگی قطب بنیاے دل جونپوری اوّل اوّل جونپور تشریف لے گئے پھر وہاں سے منتقل ہوکر قصبہ بہار میں سکونت پذیر ہوئے، وہاں کا راجہ لاولد تھا ان بزرگان کرام کے ورود مسعود کی برکت اس کے خزاں رسیدہ باغ زندگی کے لئے پیام بہار لائی اور اس کی تڑپتی ہوئی آغوش تمنا ایک ہونہار فرزند سے پُر ہوگئی، راجہ کا دل آپ کے جوش اعتقاد سے بیتاب ہوگیا، اپنا پورا خاندان لیکر خدمت اقدس میں نذر عقیدت چڑھانے کیلئے حاضر ہوا، آپ کو وہ گوشائیں جی کے نام سے یاد کیا کرتا تھا، چنانچہ بعد کو آپ اسی نام سے مشہور ہوگئے آپکا سلسلۂ نسب درج ذیل ہے

سید فضل اللہ بن سید نصیر الدین بن سید حسن بن سید علی بن سید بڑا مجذوب بن سید قیام الدین بن سید صدر الدین بن سید رکن الدین بن سید امیر کبیر نظام الدین بن سید امیر کبیر قطب الدین محمد مدنیؒ

سید فضل اللہ قطبی کی اولاد نہایت باوقار اور صاحب اقتدار رہی، ان کی عزت و شوکت کے سامنے اونچی اونچی ناک رکھنے والے گردن جھکا دیتے، اطراف وجوانب کے شیوخ و سادات ان کی ہم نشینی کو باعث فخر اور ان کے ساتھ رشتۂ مصاہرت کو عزت و سعادت کی سند سمجھتے تھے، فرخ سیر شہنشاہ دہلی کے زمانۂ حکومت تک سادات بارہ دری اسی لقب سے ملقب رہے، سید قطب الدین خاں و سید غوث الاعظم خاں و سید محی الدین خاں شاہی تمغے جات اور جاگیروں سے سرفراز تھے ان کی سیادت کا یہ احترام تھا کہ بہادر شاہ اور فرخ سیر تخت شاہی سے اتر اتر کر سید فضل اللہ کی خانقاہ میں جاتے اور ان بوریہ نشین گداؤں کی

زیارت سے مشرف ہوتے اوران کی تعظیم وتکریم بجالاتے ۔ ؎

خسرو بکمندِ تو اسیر است بیچارہ کجا رود زکویت

سادات قطبیہ کی ایک شاخ مقام بارہ دری سے جاکر موضع مالتی پور میں متوطن ہوئی جب کبھی کوئی نیا حاکم کڑا میں مقرر ہوکر آتا تو پہلے پہل سادات مذکور کے آستانہ پر حاضر ہوتا، انھیں ساتھ لے کر بغرض تیمن اپنے دارالامارت میں اوران کی اجازت سے مسندِ حکومت پر بیٹھتا، اور پہلا کام یہ کرتا کہ فرداً فرداً تمام سادات کی خدمت میں نذر گذرانتا اس کے بعد اپنے فرائض منصبی میں مشغول ہوتا ۔ ؎

کلید گنج سعادت قبول اہلِ دل است مبادکس کہ دریں نکتہ شک و ریب کند

تیسری شاخ سادات قطبیہ کی کڑا سے اٹھکر موضع اچھوہ پرگنہ کڑا میں سکونت پذیر ہوئی یہ موضع قاضی سید حسن قطبی کی جاگیر میں تھا لیکن یہ توطن کچھ طبیعت کوراس نہ آیا موضع رسول پور سید عبدالرسول قطبی کی معافی میں تھا بایں وجہ اچھوہ اکثر سادات نے ترک کرکے موضع رسولپور میں اقامت اختیار کرلی چوتھی شاخ قصبہ نصیر آباد اور تکیہ اے بریلی میں آباد ہوئی سلسلۂ نسب ظہور قطبی میں اس طرح درج ہے سید قطب الدین ثانی بن سید صدرالدین بن سید زین الدین بن سید احمد بن سید علی بن سید قیام الدین بن سید رکن الدین بن سید امیر نظام الدین پسر کلاں سید قطب الدین محمد مدنیؒ

واقعات مذکورہ کی تفصیل بحرالانساب ومنبع السادات وتاریخ ظہور قطبی وملفوظات سید جلال بخاری وملفوظ سید حامد بخاری وتذکرۃ السادات وغیرہ سے منقول ہے،

کڑا سے جائس سلطان ابراہیم شرقی کے لشکرگاہ کا نام جیش تھا (جس کے معنی خود لشکر کے ہیں اور اسی مناسبت سے اس فوجی چھاؤنی کا نام جیش پڑگیا تھا) جو بعد میں کثرت استعمال اور ہندی لب ولہجہ کے تصرف کی وجہ سے جائس ہوگیا سلطانی سپہ سالار سید عمادالدین قلجی نے جب وفات پائی تو سادات قطبیہ میں سے سید محمد قطب الدین ثانی جو سید قطب الدین اوّل کی دسوین پشت میں تھے، سپہ سالاری کے منصب پر فائز ہوئے

چنانچہ ظہور قطبی کی عبارت ذیل اس امر پر شاہد ہے، کہ "امیر سید نظام الدین پسر کلاں سید قطب الدین احمد مدنی کہ از مقام کڑا بر خاستہ در جائس آمدند، سید علاء الدین پسر سید قطب الدین ثانی عالم و زاہد بود، بدریافت علم و زہد او شان سلطان ابراہیم لودی عہدہ قضاۃ پرگنہ نصیر آباد تفویض نمود از اں زماں سید علاء الدین مذکور در قصبہ نصیر آباد سکونت اختیار نمود" لیکن قاضی ابو المعالی نبیرہ پسر قاضی سید محمود صاحب کے بیان سے یوں ثابت ہے اور یہی صحیح ہے کہ سید علاء الدین بن سید قطب الدین ثانی کو سلطان ابراہیم شرقی نے پایۂ تخت جونپور میں بلا کر قلمدان وزارت بخشا، سلطان سید موصوف کا بیحد معتقد اور قدرداں تھا آپکے علم و تدبر اور کمال درجہ اولوالعزمی نے آپ کی سیادت میں چار چاند لگا دیا، آپ کی وفات دفعۃً جونپور ہی میں ہوئی، بادشاہ نے نعش مبارک کو جائس روانہ کیا، آپکا مزار سید عماد الدین قلچی عرف میر احضنا صاحب کے مزار سے متصل ہے۔

قاضی سید محمود اور جائس سے نصیر آباد

نصیر آباد ضلع رائے بریلی کا قدیم قصبہ ہے جو صدر سے ۱۶ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، سلطان ابراہیم شرقی نے ولی عہد نصیر الدین کے نام سے اسے آباد کیا تھا جس کے اندر اس نے ایک عالی شان قلعہ تعمیر کرایا تھا، سیّد محمد محمود بن سیّد علاء الدین جو کمالات علم و فضل میں آپ اپنی نظیر تھے، ۸۲۶ھ میں پرگنہ نصیر آباد میں قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، مقدمات دیوانی و فوجداری کے فیصلہ کرنے کیلئے شاہی اختیارات حاصل تھے، سلطانی قلعہ سکونت کے لئے اور تقریباً دو سو مواضعات بطور جاگیر مرحمت ہوئے، سید موصوف جائس سے نصیر آباد مع اہل و عیال تشریف لائے گو کسی قدر فوج بھی آپکے ہمراہ تھی لیکن قلعہ کی غیر معمولی وسعت کے سامنے یہ چند نفوس انسانی کیا حیثیت رکھتے تھے آبادی تھی لیکن ویرانہ کا دھوکا ہوتا تھا، وہ انسان جس نے ایک عظیم الشان لشکر کے غلغلوں میں ایام زندگی گذارے ہوں اس ساکن فضا اور خاموش ماحول میں کیونکر دلبستگی کی لذتوں سے لطف اندوز ہو سکتا تھا، اس وقت سادات نجمیہ قلعہ کے شرقی و غربی اطراف میں آباد تھے، انھوں نے محکمۂ دار القضا کے پیشکار کی معرفت عرضداشت گذرانی کہ قلعہ کے اندر آباد ہونے کا حکم دیا جائے آپنے پوری گرمجوشی اور

مسرت کیساتھ ان کی آرزوؤں کا خیر مقدم کیا، نہایت اعزاز و اکرام کیساتھ اندرونِ حصار قلعہ آباد کرکے آرام و آسایش کے جملہ سامان مہیا کئے، ربیع الآخر ۱۱۶۸ھ یوم پنجشنبہ بوقت عصر آپنے اس خاکدانِ آب و گِل کو خیرباد کہا، اور ایک پرفضا باغ میں دفن کئے گئے، جو آجکل قاضی باغ کے نام سے مشہور ہے، کسی عالی دماغ شاعر نے تاریخ وفات کس قدر موزوں اور کیسے پاکیزہ لفظوں مین نکالی ہے، ۵

گفت تاریخ وفاتش رضوان یافت محمود مقامِ محمود

نصیر آباد میں تشیع کی ابتدا

سادات نجمیہ آپ کی وفات ۱۱۶۸ھ تک تقریبًا مذہب اہلسنت ہی کے رشتہ میں منسلک رہے، لیکن شاہِ اودھ ابو المنصور خاں کی حکومت تفریق و ضلالت کا نیا پیام لائی، شیرازۂ ملت بکھر گیا، "الناس علیٰ دین ملوکھم" کی مکمل تصویر زمانہ نے دیکھ لی، مال و جاہ کی طمع اور تقرب شاہی کی لالچ نے تبدیل مذہب پر مجبور کیا، یہ پورا سلسلۂ سادات شیعہ بنگیا، صرف ایک محلہ میں جسمیں سید محمد محمودؒ آکر اقامت گزیں ہوئے تھے، اور جو محلہ قضیانہ کے نام سے مشہور رہے، سادات قطبیہ کی آبادی تھی، باقی میں یہی سادات نجمیہ آباد تھے، تشیع کی تیغ تیز نے دونوں خاندانوں کے رشتۂ ملت و اخوت کو منقطع کردیا اور وہی سادات نجمیہ جو سادات قطبیہ کے احسان پروردہ اور انکی گودوں میں پل کر پروان چڑھے تھے نشۂ تعصب سے بیخود ہوکر ان ہی کے درپئے ایذا ہوئے، دلآزاری اور ایذا رسانی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا گیا، ان کی قدیم و موروثی جائدادیں اور معافیاں ضبط ہوگئیں انھیں کیا معلوم تھا کہ آستین میں سانپ پال رہے ہیں، اور یہ گرگ ناسپاس خود اپنے ہی یوسف عزت و ناموس کا خون بہائیگا "تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ"

سادات قطبیہ برابر اپنی خودداری اور قدیم وضعداری، استقلال اور ثبات ایمانی کے ساتھ ان مصائب کا مقابلہ کرتے رہے، یہانتک کہ زمانہ نے پھر ایک مرتبہ کروٹ لی، ایک نئے انقلاب کی باد سموم آئی جس کی طوفان انگیزیوں نے سادات نجمیہ کے ایوان عزت و جلالت کو لرزہ براندام کردیا، یعنی سید محمد فاضل جو سادات قطبیہ سے تھے بمشاہرہ ایک ہزار روپیہ ماہوار نواب آصف الدولہ کے

مصاحب مقرر ہوئے، اہلسنت کا اقتدار بڑھا جنھوں نے گروہِ نجبیہ کے گڑے ہوے نشانوں کو اکھیڑ دیا، انکی ساری لن ترانیاں عجز و انکساری سے بدل گئیں، جب منھ کی کھا چکے تو آنکھیں کھلیں اور معافی نامہ لے کر حاضرِ خدمت ہوئے، لیک بعد از خرابی بسیار"

سید محمد محمود کے بعد ان کی اولاد برابر پرگنہ نصیرآباد میں عہدۂ قضا پر مامور ہوتی رہی جن کے اسمار درج ذیل ہیں، یہ عہدہ نمبرلہ سشن ججی گورنمنٹ تھا،

قاضی سید محمود، قاضی سید محمد، قاضی سید احمد، قاضی سید فتح عالم، قاضی سید ابو محمد، قاضی سید ابو المعالی، قاضی سید پیر علی، قاضی سید امین اللہ، قاضی سید محمد کامل، قاضی سید محمد عالم، قاضی سید محمد شامل، قاضی سید محمد قابل، قاضی سید محمد فاضل، قاضی سید قطب الدین احمد، قاضی سید امام الدین، قاضی سید نصیر الدین، قاضی سید فضل الرحمن

اس موقع پر یہ یاد رکھنا ضروری ہو کہ سید محمود کے دو لڑکے تھے، سید محمدؒ اور قاضی سید احمدؒ، مؤخر الذکر جو سادات قصبہ نصیرآباد کے مورثِ اعلیٰ ہیں، آپ کی اولاد بکثرت پھیلی، جو وقتاً فوقتاً سلاطینِ وقت کی نظروں میں عزت اور اقتدار حاصل کرتی رہی، آپکے دو لڑکے تھے، سید معظم اور سید محمد اشرفؒ، سید محمد اشرفؒ نے جب وفات پائی تو صفحۂ ارض پر کوئی مادی نشان اس نسل کے قائم رکھنے کا نہ تھا، لیکن سید محمد معظم کے دو لڑکے یعنی سید محمد اسحٰقؒ اور سید محمد فضیلؒ تھے، حضرت شاہ علم اللہؒ نقشبندی جو سادات تکیہ کلاں رائے بریلی کے مورثِ اعلیٰ ہیں، ان ہی سید محمد فضیل کے لڑکے تھے، آپ حضرت سید آدم بنوری کے اجل خلفاء میں سے تھے حضرت شاہ پیر محمد لکھنوی، ملا جیون، شاہ عبد الشکور مجذوب اور مولانا غلام مصطفےٰ جائسی اور دوسرے معاصر علماء و مشائخ آپ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے، آپ بادۂ طریقت کے سچے لذت آشنا اور اتباعِ کتاب و سنت کا ایک پیکرِ بے مثال تھے، سارا مال و اسباب اور املاک و جائداد خدا کی راہ میں لٹا دیا، جب دنیا اور دنیا کے تمام لوازمات سے جیب و دامن خالی کر لیا تو قلعہ رائے بریلی کے ایک گوشۂ تنہائی میں جا بیٹھے، لیکن جتنا ہی وہ کھنچے جا رہے تھے اتنا ہی ارادت کیشوں اور حق شناسوں نے اپنی طرف کھینچا، جب مریدین کی کثرت نے

مجبور کیا تو وہاں سے اُٹھ کر موضع لوہانی پور میں آئے، کنارِ دریا ایک مسجد تعمیر کرائی اور جمعہ و جماعت قا
کی، خلیفۃ المسلمین اورنگزیب عالمگیر آپ کا بیحد معتقد تھا، تاریخ ظہور قطبی میں مذکور ہے کہ جن دنوں شہنشا
عالمگیر مملکت دکن کے نظم و نسق میں مصروف تھا ایک رات خواب میں دیکھا کہ رسولِ کونین صلعم کو دفن کر
ہوں، صبح اٹھ کر ماہرین فن سے اس اہتم بالشان خواب کی تعبیر پوچھی، سبھوں نے متفق اللفظ ہو کر کہا
ہماری نظریں جن حدود تک پہنچتی ہیں وہاں تک کوئی متنفس شاہ علم اللہ کے ماسوا ان مقدس اوصا
سے متصف نظر نہین آتا، اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہی نے اس دنیائے بے ثبات سے کوچ فرما
ہے، بادشاہ نے اس تاریخ کو ذہن مین محفوظ رکھا، جب مانکپور کے واقعات حضور مین پہنچے ہیں تو معلوم ہو
کہ واقعہ یہی تھا، سبحان اللہ یہ ہے بخت کی سعادت اور کونین کی خسروی، اگر آنکھوں پر پردے نہ پڑے
ہوں تو دنیا دیکھ سکتی ہے کہ قدرت کبھی کبھی "العلماء ورثۃ الانبیاء" کی ایسی سچی تصویریں بھی دکھا
رہتی ہی، جنکے ہست و نیست کو وہ پیغمبر کی موت و حیات سے تعبیر کرتی ہے، اور سچ پوچھو تو وراثت و نیا
حقیقی کا مقام عالی اس سے نیچا ہو بھی نہین سکتا، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

سید محمد اسحٰق کو خدا نے تین فرزند عطا کئے جنکے فضل و کمال کی تفسیر ان کے نامون سے پوچھنی
(۱) سید تاج الدینؒ جن کی نسل کا سلسلہ سید محمد ناطقؒ تک منتہی ہوتا ہے، (۲) حضرت سید دیوان خواجہ احمدؒ
جنکی ولایت اور قطبیت آپ اپنی مثال تھی آپکے تفصیلی حالات ایک مستقل تصنیف میں درج ہیں جو حض
مولانا خواجہ احمدؒ کے کتب خانہ مین موجود تھی، (۳) علامہ سید ہدایت اللہؒ۔ یہ تاریخ عظمت و کبریائی
نامور ہیرو ہی جس پر عہد شاہجہانی کو بجا ناز ہو سکتا ہے، سادات قطبیہ کا یہ چشم و چراغ علم و فضل، متانت و سنجید
اور فہم و تدبر کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھا، ایک طرف علم و معرفت کے قابل رشک محاسن نے باطن کو سنوا
رکھا تھا، تو دوسری طرف دنیا اپنی رعنائیون اور عظمتوں کے ساتھ قدمون سے چمٹی رہی، شہنشاہِ ہند
(شاہجہان) نے ایک چھوڑ دو دو خلعتین مرحمت کر رکھا تھا، یعنی عدالت شاہی کے صدر الصدور یا قاضی القضا

بھی تھے اور وزیر اوقاف بھی، چنانچہ خلعتِ وزارت جسے شہنشاہ نے عنایت فرمایا تھا اب تک محفوظ تھا، جو شادی کے وقت نوشاہ کے سر پر تبرکاً و تفاؤلاً اڑھا دیا جاتا تھا، یہ رسم تفاول سب سے آخر میں حضرت حکیم سید محمد متینؒ کے ساتھ منائی گئی، پھر اسکی کہنگی، بوسیدگی اور فرسودگی اس حد تک پہنچ گئی کہ کسی کے سر پر رکھنے کے قابل نہ رہی، آخر جلا کر چاندی علیحدہ کر لی گئی تو پانچسو روپیہ قیمت لگی، شہنشاہِ عالمگیر کی ابتدائے حکومت تک زندہ رہ کر آپ راہیِ ملک بقا ہوئے، حضرت ممدوح کے بعض حالات تاریخ تیموریہ میں بحوالہ خافی خاں ملتے ہیں، لیکن وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر فرانسیسی مطبوعہ میں آپکے حالات کی پوری تفصیل موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ عہد شاہجہانی میں عدالت شاہی کے صدر الصدور بھی تھے اور وزیر اوقاف بھی، حکومت وقت نے صدر الصدور شاہجہانی وزیر اوقاف ملک ہندوستان نواب سید ہدایت اللہ خاں بہادر فیروز جنگ کا خطاب عنایت فرمایا تھا بعض فرامین سلطانی اب تک موجود تھے جنمیں مقام دستخط وزیر، سید ہدایت اللہ خاں مندرج تھا، اور توزک جہانگیری میں مختلف مقامات پر (۱۱ سنہ جلوس جہانگیر بادشاہ و ۱۷ سنہ جلوس و ۱۹ سنہ جلوس میں بنام فدائی خاں یعنی ہدایت خاں) کچھ عبارتیں ملتی ہیں جس سے آپ کی ابتدائی ملازمت وجلالت شان پر کافی سے زیادہ روشنی پڑتی ہے اگر دوسرے اڈیشن کی نوبت آئی تو انشاء اللہ تعالیٰ ان مقامات کی اصل عبارتیں مع ترجمہ تزک سے درج کر دیجائینگی، سر دست بخوف طوالت بہت سے مباحث کو نظر انداز کیا جاتا ہے، اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ سید محمد معظمؒ کے دو لڑکے تھے، ایک سید محمد اسحٰقؒ دوسرے سید محمد فضیلؒ، سید محمد اسحٰقؒ کے تین صاحبزادے تھے، ایک سید علامہ ہدایت اللہ خاں وزیر اوقاف شاہجہانی جنکی آٹھویں پشت میں حضرت علامہ سید محمد امین نور اللہ مرقدہٗ تھے، چنانچہ اسی سلسلہ کی نویں کڑی میں مشہور مصنف حضرت علامہ حکیم سید عبدالحئیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ تھے اور خوش قسمتی سے یہ نیابت مخدوم محترم جناب مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی مدظلہ العالی موجودہ ناظم ندوۃ العلماء کو حاصل ہے، دوسرے صاحبزادے علامہ سید دیوان خواجہ احمدؒ تھے جنکو خدمت ابدالیت سپرد تھی، ممدوح کی ساتویں

۵ گلشن ظ صفحہ ۹

پشت میں حضرت علامہ سید خواجہ احمدؒ تھے جنکا ذکر آگے آئیگا،

حاکم اودھ ابو المنصور خاں المتوفی ۱۱۶۷ھ حضرت علامہ دیوان خواجہ احمدؒ کا بے حد معتقد تھا، چنانچہ ایک قلمی شاہی فرمان جو مجھے دستیاب ہوا ہے، ناظرین کی دلچسپی کیلئے بجنسہ نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں

سلالۂ دودمان مصطفیٰ، خلاصۂ خاندان مرتضیٰ، مرکز دائرۂ صدق و یقین، محیط نقطۂ عز و تمکین، مخزن اسرار لاہوتیہ، مہبط انوار جبروتیہ، نخبۂ اولیاے کرام، نقبۂ اصفیاے عظام، ہادیِ سبل معرفت، سالک طرق شریعت مقبول دادار احد مولنا میر سید احمد زاد مجدہ بعد اظہار لوازم عجز و انکسار و ابراز مراسم خشوع و افتقار حال ضمیر لوح تنویر می گرداند کہ ایں ناکام گام سنج وادی آلام از گردش ایام مدتی در حضیض عزلت بسر بردہ ایدون معتصم بعروہ وثقاے عنایت آں خضر فنافی ارشاد و ہدایت و متشبث بہ اذیال عواطف آں مظہر توجہات بغایت گردیدہ و در بحر ناپیدا کنار حوادث و سرگردانی چوں سفینۂ لطمہ خور امواج طوفانی سرگشتہ و پریشاں ماندہ الحال بیاوری شرطہ توفیقات ایزدی بجودی تلطفات آں نوح فلک کرامت ذار سیدہ اگر تیر دعاے آں بزرگ در حق عاجز بر ہدف اجابت نشیند و شاہد حسن سعی سامی در پہلوے مرام ایں ناکام جا گزیند محتمل کہ از نکابت دوراں وارستہ فائز بمطالب دلخواہ گردد و یکبار از احمال نکال سبکدوش شود ملتمس آنکہ ہموارہ لب تشنگان بادیہ تمنا را از زلال ابدال تفقدات تر زبان امتنان فرمودہ باشند زیادہ نیر عنایت گستری دائما تابندہ باد،

فرمان گرامی کے اوپر شاہی مہر بھی ہے جو تقریباً کل ضائع ہو چکی ہے، صرف حوض میں محمد رسول اللہ صلعم اور کنارے پر ابو الفیض خاں ابو المغازی سلطان ابو المنظور خاں تحریر ہے جو ضائع ہونے سے رہ گیا ہے علامہ سید ہدایت اللہ خاںؒ کے حقیقی بھائی حضرت علامہ دیوان خواجہ احمدؒ کا ذکر ابھی گذر چکا ہے سید موصوف کے حقیقی چچا کے بیٹے حضرت شاہ علم اللہؒ نقشبندی تھے جو معزز ملازمت شاہی ترک کرکے

بڑے زبردست ولی اللہ اور صاحب کرامت گذرے ہیں آپکے ابن الابن سید محمد عدل عرف شاہ لعل قدس سرہٗ اکابر اولیاے ہند سے تھے جنکی بابت سادات کے تذکروں میں یہ عبارت درج ہے،

سید محمد عدل عرف شاہ لعل از مشاہیر اولیا بودند	سید محمد عدل عرف شاہ لعلؒ مشہور اولیاء اللہ میں سے تھے
نواب حافظ رحمت خاں حاکم بریلی معتقد ایشان بود	نواب حافظ رحمت خاں حاکم بریلی آپ کا معتقد تھا جس وقت
ہرگاہ شجاع الدولہ صوبہ دار اودھ بر ملک بریلی خروج	نواب شجاع الدولہ صوبہ دار اودھ نے ملک بریلی پر حملہ کیا،
نمود، نواب رحمت خاں رئیس بریلی بحضور شاہ لعل	نواب رحمت خاں رئیس بریلی نے حضرت شاہ لعلؒ کی
صاحب استدعاء دعاء نصرت خود نمود ایشاں بجواب	خدمت میں بغرض فتح و کامیابی دعا کے لئے استدعا کی آپ نے
ارقام فرمودند کہ شما راہ باطل می پوئید در حق شما دعا	اس کے جواب میں لکھا کہ تو نے خلاف راستہ اختیار کیا
نخواہم کرد، اتفاقاً آں مکتوب بدست ملازمان نواب	ہے، اس لئے تمہارے حق میں دعا نہیں کرسکتا، اتفاقاً
شجاع الدولہ رسید، نواب مذکور بنہایت معتقد آں	یہ خط نواب شجاع الدولہ کو ملازموں سے مل گیا نواب
جناب شدہ ہموارہ مداح بود،	آپ کا بے حد معتقد ہوگیا، اور ہمیشہ تعریف کرتا رہا،

حضرت مجدد مائۃ ثالث عشرؒ کا ظہور

حضرت شاہ علم اللہ نقشبندیؒ کی پانچویں پشت میں جناب امیر المومنین سید احمد مجددؒ شہیدؒ ہوئے، یہ سید خاندان کا سید، علم و عمل کا سید، عزیمت و استقلال کا سید، زہد و ورع کا سید علیہ الف الف تحیۃ وسلاما، محرم الحرام ۱۲۰۱ھ مطابق ۱۷۸۶ء کو رائے بریلی میں پیدا ہوا،

تاریخ ہند کا یہ نامور ہیرو ٹھیک اسی وقت عالم وجود میں آیا جب خاک ہند کا ذرہ ذرہ اسکی ضرورت محسوس کررہا تھا مسلمانان ہند کی مذہبی و معاشرتی تاریخ کا یہ وہ سیاہ ترین صفحہ تھا جس کی مثال حال و ماضی کا کوئی دور نہ پیش کرسکا، اسلام، ایمان، صداقت اور توحید کا گلا صوفیاے عبدۃ الطاغوت اور علماے عبدۃ الدنیا کی ہوس رانیوں اور نفس پرستیوں کے ہاتھ گھونٹا جارہا تھا، اعلاء کلمۃ اللہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے جذبات خانقاہوں اور مدرسوں میں پڑے سو رہے تھے، پیر پرستی و قبر پرستی فلاح دارین کا وسیلہ قرار پاچکی

تھی، افق ایمان پر بدعت کی گھنگھور گھٹائیں چھا گئی تھیں، بادشاہ و رعایا نام نہاد صوفیوں کے جال فتن
کے اسیر تھے، کتاب و سنت کا نام اور اس کے احکام محض کتابوں میں لکھے بند تھے، غرضیکہ کفر و بدعت اور فسق
و فجور کے بار سے ارض اسلامی کا ذرہ ذرہ چیخ اور چلا رہا تھا، متبعین سنت حقارت سے دیکھے جا رہے تھے کہ
حکیم مطلق نے اس مجدد ملت کو گرداب بلا سے نجات دلانے کیلئے ناخدا بنا کر بھیجا، اس مقدس وجود نے مجددیت
کے فرائض کو اس خوبی سے انجام دیا جس کی نظیر صرف قرون اولیٰ ہی میں مل سکتی ہے، آجکل مسلمانوں میں توحید و سنت
کا جس قدر جوش ہے آپ ہی کے خداداد علم و عمل کا ثمرہ ہے، افسوس چند خرد دماغ ملانوں کی حماقت سے مقام
بالاکوٹ بروز جمعہ وقت ظہر ۲۴ ذی القعدہ سنہ ۱۲۴۶ھ مطابق ماہ مئی ۱۸۳۱ء آپ کی شہادت کا جانکاہ حادثہ
پیش آیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، آپکے مشہور خلفاء میں جناب حضرت مولانا عبدالحئی برہان پوریؒ،
جناب حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ دہلوی، جناب حضرت مولانا سید محمد علی رامپوری، جناب مولانا سید اولاد
حسین قنوجیؒ، جناب مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ، جناب حضرت مولانا سخاوت علی جونپوری، جناب مولانا
جعفر علی بستویؒ، جناب حضرت مولانا کرامت علی صاحب ولایت بنگالہؒ، جناب مولانا محمد فصیح غازیپوریؒ،
جناب میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ، جناب پیر مرتضیٰؒ جناب نواب وزیر الدولہ سابق فرمانروائے ریاست
ٹونک صاحب ارشاد و صاحب سلسلہ ہوئے، جناب ممدوح نے ان حضرات کو ہندوستان کے گوشہ گوشہ
میں بھیجکر کفر و بدعت کی بیخ کنی کی، جناب میانجی نور محمد جھنجھانویؒ کے خلفاء میں جناب شیخ المشائخ حضرت
حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور جناب حضرت مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ جیسے بزرگ ہوئے، جن کے خلفاء میں
جناب مولانا رشید احمد گنگوہیؒ و جناب مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور قاضی محمد اسمٰعیل منگلوریؒ جناب مولانا
اشرف علی تھانوی مدظلہ و شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن نور اللہ مرقدہٗ وغیرہ اکابر ہند پیدا ہوتے رہے
حضرت سید احمدؒ مجدد شہید کے تفصیلی حالات کتاب نصائح وزیری مصنفہ نواب وزیر الدولہ والی ٹونک ریاست
ٹونک میں موجود ہیں، آپکے حالات میں مسلمان اور عیسائی مورخین نے عربی، فارسی اور انگریزی میں ضخیم کتابیں

لکھی ہیں، لیکن حضرت مجدد کے شایانِ شان ابتک کوئی ایسی کتاب موجود نہ تھی جو آپ کے حقیقی کارناموں اور ایک مصلح و ریفارمر کے صحیح نصب العین کو متعین کرتی، یہ دَین مسلمانوں پر باقی رہنا چاہتا تھا کہ خانوادہ قطبیہ کی ایک پس ماندہ ہستی یعنی جناب محبِّ اکرم مولوی سید ابوالحسن علی ندوی زاد مجدہ برادرِ صغیر حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی مدظلہ نے اس فرض اور ضرورت کو محسوس فرما کر "التذکرہ" نامی ایک جامع کتاب تصنیف فرمائی، جو من کل الوجوہ بے نظیر اور اہم تصنیف ہے، اور یہ حق اسی خاندان کو پہنچتا تھا، بمصداق "صاحب البیت ادری بما فی البیت" یعنی گھر والا گھر سے خوب واقف ہوتا ہے، بہرحال اس کتاب کا مطالعہ کرنا نہایت ضروری ہے۔

ریاست ٹونک اور خاندانِ قطبیہ

جناب نواب وزیر الدولہ امیر الملک محمد وزیر خاں نصرت جنگ بہادر حضرت سید احمد مجدد شہید کے خاص معتقد تھے، چنانچہ روایت ہے کہ آپ کی شہادت کے بعد جب آپ کے حرم محترم ٹونک کے قریب پہنچے تو نواب موصوف ان کے استقبال کے لئے بڑھے اور حضرت سیدانی صاحبہ کی پالکی کا بانس اپنے کندھے پر رکھ کر بہت دور تک آئے، بارہ ہزار کی جاگیر حضرت سید احمد شہید کی اہلیہ محترمہ کو عنایت کی اور عہدۂ میر منشی سے سید حمید الدین صاحب کو سرفراز فرمایا، سید موصوف نے کمال دقت نظری سے ریاست کا کام انجام دیا، آپ کے بعد آپ کے بھتیجے سید زین العابدین صاحب عرف عابد میاں منتظم مجلس شوریٰ ریاست کے اہلکار اعلیٰ بزمانۂ نواب محمد علیخاںؒ نواب ٹونک ما ۱۵۰ روپیہ ماہوار پاتے تھے، دوسرے بھتیجے سید نور الہدیٰ صاحب بخشی الملک بمشاہرہ ما ۱۵۰ ماہوار رہے اور مستزاد موضع مئو جمعی ۳۰۰۰۰ سالانہ جاگیر میں عطا ہوئے تھے جنکا خطاب "بدر الامرا بخشی الملک سید نور الہدیٰ خان بہادر ہیبت جنگ" تھا، سید عبد الرحمٰن صاحب ریاست ٹونک میں بمشاہرہ ۳۰۰ ماہوار کپتان فوج تھے، موضع ڈاڈرہ جمعی آٹھ ہزار جاگیر میں تھا، آپ کا خطاب "قطب الامرا بدر الملک سید عبد الرحمٰن خاں بہادر فیروز جنگ" بعد سید نور الہدیٰ صاحب ان کے صاحبزادے سید محمد عثمان صاحب بمشاہرہ ما ۱۵۰ بخشی الملک ملقب بشہامت جنگ ہوئے، اور بعد سید محمد عثمان صاحب آپ کے صاحبزادے سید احمد صاحب بخشی الملک ہوئے، سید نور الہدیٰ صاحب

بخشی الملک کے پسر خورد سید محمد ناظم پرگنہ منا ہرہ مارؔ ماہوار تھے، جن کو خطاب معتمد الملک حاصل تھا، غرضیکہ اس خانوادہ قطبیہ میں ایک ہی وقت میں مندرجہ ذیل علماء و فضلاء کرام جو علوم ظاہری و باطنی کے مرکز تھے موجود تھے۔

(۱) حضرت علامہ سید محمد علیؒ (۲) حضرت علامہ سید محمدؒ (۳) حضرت علامہ سید محمد ظاہرؒ (۴) حضرت علامہ سید محمد طٰہٰؒ (۵) حضرت علامہ حضرت سید خواجہ احمدؒ،

حضرت علامہ سید محمد امینؒ کے مورث اعلیٰ حضرت علامہ سید ہدایت اللہ خاں فیروز جنگ وزیر شاہ جہاں کے پوتے سید علامہ محمد تقیؒ آخر زمانہ شہنشاہ عالمگیرؒ میں نیز زمانہ معظم شاہ تک بہار عظیم آباد بنگال کے صوبہ دار تھے اور سید ہدایت اللہ خاں بہادر کے پسر خورد علامہ قاضی امین اللہ صاحب نبیرہ سید محمد فاضل عرف میر فاضلؒ بعد انحطاط سلطنت دہلی نواب آصف الدولہ لکھنو کے وزیر اوقاف دو تیقہ جات شاہزادگان بمشاہرہ الگ ماہوار فائز تھے، اور سید محمد یقین صاحب برادر عم زاد میر فاضل وزیر اودھ کے دیوان ریاست ناگپور بمشاہرہ اسمار ماہوار تھے جو سیدؒ کے حقیقی نانا کے باپ تھے اور صاحب صوبہ بنگال کے پرپوتہ حضرت سیدؒ کے والد ماجد تھے جو شجرۂ ذیل سے واضح ہے،

حضرت علامہ سید محمد طٰہٰ بن سید زین الدین احمد بن سید نور الدین احمد بن سید محمد صلاح بن سید محمد نقی صاحب صوبہ بنگال

حضرت علامہ سید محمد طٰہٰ ریاست ٹونک

افسوس ہے کہ حضرت علامہ سید محمد طٰہٰؒ کے مفصل حالات دستیاب نہ ہو سکے، حضرت علامہ حکیم سید فخر الدینؒ نے مہر جہاں تاب میں (جو اسلامی علوم و مذہبی و علمی تاریخ کی انسائیکلو پیڈیا ہے) آپ کے مختصر حالات بیان فرماتے ہیں، چنانچہ حضرت علامہ سید حکیم عبد الحئیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء نے بھی اسی کتاب سے نزہتہ الخواطر میں نقل فرمایا ہے، جس سے علامہ موصوف کی زندگی پر ایک حد تک روشنی پڑتی ہے اس لئے بغرض افادہ ناظرین دونوں کتابوں کی عبارتیں درج کر کے ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے،

محمد طٰہٰ بن زین العابدین بن نور الدین حسنی قطبی حنفی نصیر آبادی او وحی جد اعلیٰ و پدرم کیست کتب درسیہ بالتمام تحصیل کردہ و مستحضر داشت در زہد و تقلیل از دنیا و عمل بکتاب و سنت بر قدم راسخ بود

طمع دنیا زاید نداشت و بقدر کفاف و ضروریات قانع، مدتے با پدر بزرگوار فقیر در ناگود مناد و مصاحب بود و بہ تحریک پدرم چندے ملازم انگریزی مانده در قلیلے از صرف و اکثرے در نحو شیخ و استاذ فقیر است و چند رسائل منطقیه و اندکے از فارسیه و ترجمۂ قرآن از بدایت تا نہایت بخدمت وے رحمۃ اللہ علیہ خوانده ام، وفاتش در مولد و موطنش نصیرآباد بمرض دق و سل یکہزار و صد ہفتاد و چہار دہ اتفاق افتاد، (مہر جہاں تاب)

الشیخ الفاضل محمد طٰہٰ بن زین العابدین بن نور الدین الحسنی الحسینی النصیرابادی البریلوی احد العلماء المشہورین ولد ونشأ بنصیراباد وسافر للعلم فقرأ الکتب الدرسیۃ علی الشیخ عبد الحکیم اللکھنوی وعلی غیرہ من العلماء ثم سافر الی ناگو وجدی السید عبد العلی وکان من بنی اعمامہ فلازمہ مدۃ حیاتہ وکان زاہدا متقللا قانعا بالیسیر مع العمل الکثیر اخذ عنہ السید الوالد وقرأ علیہ ترجمۃ القرآن ورسائل النحو والمنطق مات سنۃ اربع وسبعین ومائتین والف، کما فی مہر جہاں تاب (از نزہۃ الخواطر جزء ۷)

مولانا سید حکیم فخر الدین فرماتے ہیں کہ آپکے جداعلی اور میرے والد ماجد ایک ہی سلسلہ کی کڑی ہیں، تمام کتب درسیہ کو شیخ عبد الحکیم لکھنوی اور دیگر علماء سے حاصل فرمایا اور محفوظ رکھا) زہد اور ورع میں یگانہ اور دنیا سے کم رغبت رکھتے تھے، کتاب و سنت پر مضبوطی سے قائم تھے، دنیا سے بقدر کفاف تعلق رکھتے تھے، اور اسی پر قانع تھے، ایک مدت تک فقیر کے پدر بزرگوار (حضرت مولنا سید عبد العلی نصیرآبادی خلیفہ حضرت سید احمدؒ) کے ہمراہ ناگود میں مصاحب و ملازم تھے، چنانچہ والد بزرگوار ہی کی تحریک سے چند دن ملازم گورنمنٹ رہے، علم صرف کی چند کتابیں اور نحو کی اکثر فقیر نے آپ ہی سے پڑھی تھیں، نیز چند رسائل منطق اور قدرے فارسی و ترجمۂ قرآن مجید کامل آپسے پڑھنے کی عزت حاصل ہی، آپکی وفات نصیرآباد میں بعارضہ سل و دق سنہ ۱۲۷۴ھ واقع ہوئی رحمۃ اللہ علیہ،

بہر حال آپ علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ ہوکر ریاست ناگود تشریف لیگئے اور وہاں بحیثیت منصف امیدوار رہی، پھر ریاست ٹونک کی طلبی پر ٹونک تشریف لائے اور عامل یعنی ناظم و سکریٹری پرگنہ سرونج ریاست ٹونک مقرر ہوئے، جیسا کہ فرمان مندرجہ ذیل سے واضح ہی،

نصرت جنگ
محمد وزیر خان بہادر
الملک
وزیر الدولہ امیر

شرافت مآب سیادت انتساب مولوی سید محمد طٰہٰ بعافیت باشند، بعد سلام مسنون واضح باد عرض ایشاں معروضہ پانزدہم ماہ شوال سنہ جلوس بجواب پروانہ سرکار متضمن واضح شدن از دفتر کچہری بدادن خرچ سواراں رسالہ ولیداد خان رسالہ دار ہنگام نوکری از کچہری و متعلق نبودن جائداد ماہواری سواراں مذکوراں از آنجا بملاحظہ درآمد نگارش می رود از ولیداد خاں رسالہ دار جواب ایں امر کہ گاہے...... پیش ازیں خرچ سواراں ایشاں از کچہری مرحمت شدہ اکنوں چگونہ می خواہند دریافتہ معروضدارند، فقط۔ سیوم دیقعدہ سنہ ۱۲۷۱ھ

ڈیڑہ سال تک قیام فرماکر بسلسلۂ رخصت مکان تشریف لائے اور علیل رہ کر عازم خلد بریں ہوئے آپنے تین اولادیں چھوڑی تھیں، (۱) سید حکیم مولنا محمد متینؒ، (۲) سید حافظ عبد الستار (۳) علامہ سید محمد امینؒ چنانچہ سوانح ہذا مؤخر الذکر کے حالات میں ہے، ہر دو برادران عالی کا ذکر بعد کو آئیگا،

نسب

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی   کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

د دیہال | حضرت علامہ سید محمد امین بن علامہ سید محمد طٰہٰ بن سید زین الدین بن سید نور الدین بن سید محمد صلاح بن سید محمد تقی بن سید عبد الرحیم بن صدر الصدور سلطانی وزیر اوقاف شاہجہانی علامہ سید ہدایت اللہ خاں بہادر فیروز جنگ بن سید محمد اسحٰق بن سید محمد معظم بن سید احمد بن قاضی القضاۃ سید محمد محمود بن سید علاء الدین ابن سید قطب الدین ثانی بن سید رکن الدین بن سید صدر الدین بن سید زین الدین بن سید احمد بن سید علی ابن سید قیام الدین بن سید صدر الدین بن سید رکن الدین بن سید نظام الدین بن سید قطب الدین مدنی بن سید رشید الدین مدنی بن سید یوسف مدنی بن سید علی مدنی بن سید حسن المقتدی بن سید حسن المکنی بابی الحسن

ابن سید جعفر فانی باللہ بن سید قاسم بن سید عبداللہ عارف باللہ بن سید حسن الورع النقیب الجواد بن سید عبداللہ اشتر بن سید ابو محمد صاحب النفس الزکیہ بن سید عبداللہ محض[لہ] بن سید حسن المثنیٰ بن سیدنا حسن بن امیرالمومنین امام المسلمین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ،

شجرۂ ہذا کی تیئیسویں[۲۳] کڑی سید نظام الدین کے متعلق بعض مورخین کا بیان ہے کہ آپکی شادی شاہ غزنی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔[ملہ]

ننہال حضرت سید محمد امین رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ حضرت خاتونِ جنت ایک مریم صفت ولیہ کاملہ تھیں خداوند قدوس نے امور خانہ داری اور تربیت اولاد کا بہترین سلیقہ بخشا تھا، آپ کی تربیت اور تلقینات کا خاص اثر حضرت سیّدؒ پر پڑا تھا، وجہ یہ تھی کہ عموماً والدین کو چھوٹی اور ہونہار اولاد سے بڑی دلبستگی اور نسبت ہوتی ہے، حضرت سیّدؒ دیگر بھائیوں میں سب سے چھوٹے اور اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نشانی تھے، خود حضرت سیّدؒ کو بھی آپ سے بڑی محبت تھی، چنانچہ والدہ مرحومہ کے وصال کے بعد حضرت سیّدؒ جیسے بے مثال پیکر صبر و استقامت کو جو جانگسل صدمہ ہوا ہے، اس کا اندازہ ان حضرات کو ہے جو اس وقت موجود تھے، آپ کی والدہ مرحومہ حضرت سید محمد امین عرف اگھامیاں کی صاحبزادی تھیں، سلسلۂ نسب درج ذیل ہے،

حضرت سید محمد امین عرف اگھامیان بن سید محمد تقین بن سید محمد شامل بن سید امین اللہ بن سید علامہ ہدایت اللہ خاں بہادر فیروز جنگ الخ

حضرت سیّدؒ کی والدہ کی وفات ۱۳۳۱ھ نصیر آباد ضلع رای بریلی میں ہوئی اور وہیں باغ قاضی میں مدفون ہیں، رحمۃ اللہ علیہا

ایک اہم بحث گذر چکا ہے کہ حضرت سیّدؒ بحیثیت حسب و نسب نہایت معزز و محترم شخصیت کے مالک اور نجیب الطرفین سید تھے، خواہ مادری سلسلہ ہو یا آبائی آپ کا نسب اختلاط سے بالکل پاک تھا، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا نسب کو اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی امتیازی خصوصیت اور فضیلت حاصل ہے یا نہیں؟ یہ ایک معرکۃ الآرا بحث ہے، جس پر مختلف اہلِ قلم اپنے اپنے ذوق اور اجتہاد کے مطابق خامہ فرسائیاں کرتے رہے ہیں، آج جبکہ اس عاجز نے حضرت سید کے حالات زندگی پر روشنی ڈالنے کا ارادہ کیا ہے مناسب معلوم ہوا

[لہ] موصوف کے نام کیساتھ محض کا لفظ اس لئے ہے کہ آپ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے حضرت سیدہ فاطمہؓ کی اولاد میں تھے۔
[ملہ] ہدیۂ موصد [illegible] ۱۲

کہ اس مسئلہ پر بھی کسی قدر روشنی ڈالی جائے، ناظرین سے استدعا ہے کہ اس بحث کو کامل صبر اور ضبط اور ساتھ ہی انصاف سے پڑھنے اور غور کرنے کی کوشش کریں گے،

یہ مسلم ہے کہ اسلام نے نجات اور عزت حقیقی کی بنیاد محض تقویٰ پر رکھی ہے، اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ، یعنی اصل میں انسان کا بڑا چھوٹا یا معزز و حقیر ہونا ذات پات اور خاندان و نسب سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت، مؤدّب اور پرہیزگار ہوگا اسی قدر اللہ کے ہاں معزز و مکرم ہے، ایک طویل اور مشہور حدیث کا فقرہ ہے، من بطأ بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ" جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو عمل میں سست ہے، اسکو نسب فائدہ نہیں دیسکتا، آنحضرت صلعم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے فاطمہ تو یہ نہ سمجھ رکھنا کہ رسول اللہ کی بیٹی ہونا تیرے لئے مواخذۂ اخروی سے نجات دیدے گا اور عمل کے متعلق پرسش نہ ہوگی، یقیناً ہوگی، اعملی اعملی قول فیصل ہے" دنیا کا میزان قسط جب کبھی اپنے مرکز سے ہٹا ہے اور نظامِ عالم تہ و بالا ہوا ہے تو تمام مفاسد سے پیشتر یہی فتنہ رونما ہوا کہ عزت و ذلت کا معیار تقویٰ اور اعمال صالحہ کے ماسوا کچھ اور ہی قرار پا گیا، انسان اس غرور باطل سے کبھی کبھی ایسا اندھا ہو جاتا ہے کہ کسی امر حق کے انکار کے لئے یہی کافی سمجھتا ہے کہ اس کے ماننے والے ادنی طبقہ کے اور پست لوگ ہیں،

وَمَا نَرَاکَ اتَّبَعَکَ اِلَّا الَّذِیْنَ ھُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ،

چنانچہ ضلالت کدۂ عرب کے اندر یہ وبا جس طرح پھیلی ہوئی تھی اس سے کون صاحب نظر ناواقف ہے، سارا عرب تفاخر بالانساب کا اکھاڑا بنا ہوا تھا، قبیلہ قبیلہ فخر نسب کی دکانیں سجا سجا کر نقد عزت حاصل کر رہا تھا، دنیا کے لاکھوں باشندے نَحْنُ اَبْنَآءُ اللّٰہِ وَاَحِبَّاءُہٗ" کے خواب گراں میں مست تھے لیکن جب آفتابِ حق کی شعاعیں چھٹکیں تو فخر باطل کی یہ ساری گھٹائیں چھٹ کر رہ گئیں، اور دنیا کو یہ بھولا ہوا سبق یاد آگیا کہ نہیں عزتِ حقیقی اور نجات اخروی محض تقویٰ اور اعمال صالحہ پر منحصر ہے، گو آج مسلمانوں کا کمال اسی میں ہے کہ ساری شقاوتوں کے ساتھ ساتھ دوا سے بھی دعوت دے کر بلالیں، خاندان کے

فخر کا بت بھی دنیا کے عہد جاہلیت کی ایک یادگار مشئوم ہے، اور اسلام نے انسان کے بہت سے بنائے ہوئے بتوں کیساتھ اس کو بھی توڑ دیا تھا، ساری نسبتوں کو ہٹا کر صرف ایک اپنی نسبت نوع انسانی کو عطا کی اور اس نسبت سے بڑھ کر اور کونسی نسبت ہوسکتی ہے جس کی ایک مسلمان کو تلاش ہو،

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا — بھلا اس سے بہتر کس کی بات ہے جس نے خدا کی جانب دعوت دی

وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ، — اور نیک کام کیا اور یہ کہتا رہا کہ میں حکمبردار ہوں،

انسان کیلئے معیار شرف جوہر ذاتی اور خود حاصل کردہ علم وعمل ہے نہ کہ اسلاف کی روایات پارینہ اور نسب فروشی کا غرور باطل، ہم کو ایسا ہونا چاہئے کہ ہماری نسبت سے ہمارے خاندان کو لوگ پہچانیں نہ یہ کہ اپنی عزت کے لئے خاندان کے شرف رفتہ کے محتاج ہوں [1]، لے مذکر،

بہرحال مسئلہ کا جو پہلو تشنۂ بحث ہے وہ یہ ہے کہ آیا بلند نسبی دنیوی عزت اور عرفی فضیلت میں معتبر ہے یا نہیں؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کا ایمان ہے کہ اسلام مساوات کا علمبردار ہے، یہ ایک اجمالی اتفاق و اجماع ہے جس کی تفصیل میں ارباب رائے مختلف ہوگئے ہیں، اسی اختلاف کا اثر ہے کہ ادنیٰ اور اعلیٰ نسبت کا باہمی تفاضل بھی معرض بحث میں آگیا اور بعض لوگوں نے مساوات کے مفہوم کو حد افراط تک وسعت دیکر ثابت کرنا چاہا کہ ذات پات کا فرق عزت عرفی پر بھی کچھ اثر انداز نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مساوات کا یہ مفہوم لینا دین اسلام کی حکمت سے انکار اور اس پر صریح ظلم ہے، ہمیں اس سے ہرگز انکار نہیں ہے کہ اسلام نے مساوات کی تعلیم دی، آنحضرت صلعم نے حجۃ الوداع کے عظیم الشان مجمع میں یہ اعلان ہمیشہ کیلئے فرما دیا، لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی الخ یعنی کسی عربی کیلئے عجمی پر یا عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، بلکہ تمام اولاد آدمؑ ہیں اور آدمؑ مٹی سے تھے

زیادہ تعمق کے بعد مساوات کی اصلیت یہی معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی تعزیرات میں امیر، غریب، حاکم محکوم، خویش و بیگانہ اور شیخ و سید کی کوئی تمیز یا تخصیص نہیں، قانون کا نفاذ جس سختی سے ایک کمترین

انسان پر ہوتا ہے اتنی ہی سختی کیساتھ ایک جلیل القدر امام اور حاکم وقت پر۔ اگر کسی رئیس سلطنت کا ولی عہد ایک گدائے بوریہ نشین کے گال پر طمانچہ مارے تو کوئی وجہ نہیں کہ انتقام کا ویسا ہی سخت طمانچہ کھانے کے لئے وہ اپنے کو تیار نہ رکھے یہی نکتہ ہے جس کی طرف آنحضرت صلعم نے اشارہ فرمایا ہے،

"بیشک تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک وتباہ ہوئے کہ انکی عادت تھی کہ جب کوئی بڑا آدمی ان میں چوری کرتا تو اسکو چھوڑ دیتے اور کوئی ضعیف وبیکس چوری کرتا تو اسپر (حد) یعنی سزا جاری کرتے تھے اور مجھے خدا کی قسم ہے کہ اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اسکا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں۔" (مسلم)

عدل ومساوات کی سچی تصویر جو ہونی چاہیئے یہی ہے۔ اس کے علاوہ دنیوی معاملات اور معاشرتی نظام میں نسب وخاندان کو ضرور دخل ہے جس طرح حسن یا دولت وغیرہ بہت سی چیزیں غیر اختیاری اور عطیۂ ربانی ہیں، اور خاص خاص بندوں کو نصیب ہوتی ہیں، یہ بھی خدا کی بخشی ہوئی ایک نعمت ہے جس کا شکریہ واجب ہے کہ یہ مفت کی عزت ہاتھ آئی، اسی حقیقت کی جانب حضرت امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد متع اللہ المسلمین بطول بقاءہ اشارہ فرماتے ہیں، "البتہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں سے جن کے ذریعہ وہ اس دنیا میں اپنے بندوں کو سعادت بخشتا ہے، ایک بڑی نعمت آباء صالحین کے لئے یہ ہے کہ اولاد صالح عطا فرمائے کہ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ اور وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا الایہ اور اولاد کے لئے یہ ہے کہ والدین صالح ہوں، سورۂ کہف میں صاحب موسیٰ علیہ السلام نے ایک گری ہوئی دیوار کو جنکو یتیموں کے دفینہ کی حفاظت کی تو فرمایا وکان ابوھما صالحا، اور حضرت یوسفؑ کی نسبت آنحضرت صلعم نے فرمایا انما الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم، اور یہ ظاہر ہے کہ کسی خاندان میں عرصے تک علم وصلاح کا باقی وجاری رہنا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ ان دونوں نعمتوں سے فیضیاب ہو، آباء کو اولاد صالح اور اولاد کو آباء صالح نصیب ہوں[۱]"

[۱] تذکرہ

بلاریب یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم ہے کہ حضرت سید محمد امین رحمۃ اللہ علیہ کو ایسے خاندان

میں پیدا کیا جس میں صدیوں سے سلسلہ علم وارشاد قائم وجاری رہا ہے اور جس کے اسلاف کرام کے اعمال صالحہ کا پاک ورثہ یکے بعد دیگرے اخلاف تک منتقل ہوتا آیا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جس کے اخلاف کو حق گوئی وحق پرستی اور طریق استقامت وعشقِ حق میں سرفروشی وجاں سپاری اور مغروران تاج وتخت وبندگان مال وجاہ کے مقابلے میں بے نیازی وسرگرانی ہمیشہ اپنے اسلاف کے ورثہ میں ملی تھی، اسی کو اپنا موروثی خزانہ اور اسی کو اپنا خاندانی تاج وتخت سمجھتے رہے ؎

ہرچند کہ نیست رنگ و بویم   آخر نہ گیاہ باغِ اویم

اگر یہی غرور نسب وخاندان ہے تو اس کے اعتراف میں حضرت سید علیہ الرحمہ کو کچھ باک نہیں تھا، بلا شبہہ اسلاف کے ورثہ علم وحق پرستی کو دنیا کی ہر نعمت سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، اور نہیں چاہتے تھے کہ کبھی اس نشہ سے آپ کا دماغ خالی ہو، ؎

سبک زجائے نگیری کہ بس گراں گہر است   متاع من کہ نصیبش مباد ارزانی

ناظرین کو سورہ طور کی آیت ذیل اس موقع پر پیش نظر رکھنا چاہئے جو اس بحث پر قول فیصل کا حکم رکھتی ہے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ   اور جو لوگ ایمان لائے اور انکی اولاد ان کے راستہ
اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ   پر ایمان کیساتھ چلتی رہی، پہنچا دیا ہم نے ان تک انکی اولاد
عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ، الآیہ (طور-۱)   کو اور گھٹایا نہیں ہم نے ان سے انکا کیا، ذرا بھی،

یعنی کاملوں کی اولاد اور متعلقین اگر ایمان پر قائم ہوں اور ان ہی کاملوں کی راہ چلیں، جو خدمات انکے بزرگوں نے انجام دی تھیں یہ بھی ان کی تکمیل میں ساعی ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو جنت میں اُن ہی کیساتھ ملحق کر دیگا گو ان کے اعمال واحوال، ان کے اعمال واحوال سے کمًّا وکیفًا فروتر ہوں، تاہم ان بزرگوں کے اکرام اور عزت افزائی کے لئے ان تابعین کو ان متبوعین کے جوار میں رکھا جائیگا اور ممکن ہے بعض کو بالکل انھیں کے مقام اور درجہ پر پہنچا دیا جائے جیسا کہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے اور

اس صورت میں یہ گمان نہ کیا جائے کہ ان کاملین کی بعض نیکیوں کا ثواب کاٹ کر اولاد کو دیدیا جائیگا نہیں، یہ محض اللہ کا فضل و احسان ہوگا کہ قاصرین کو ذرا ابھار کر اوپر کاملین کے مقام تک پہنچا دیا جائے، خلاصہ یہ کہ جس کو حق تعالیٰ کسی شریف اور بزرگ و معزز گھرانے میں پیدا کردے وہ ایک موہوب شرف و مجد ہے، چنانچہ جدید تحقیقات و انکشافات اس امر پر شاہد عدل ہیں کہ بہت سی چیزیں موروثی طور پر اشخاص و رجال کے اندر پائی جاتی ہیں اور اس سے بھی انکار نہیں کہ بسا اوقات خاندان کے موروثی اثرات خارجی اثرات سے بے نیاز کردیتے ہیں، اس لئے جس شخص کو حق تعالیٰ شرافت و نجابت حسب و نسب کی عزت سے سرفراز فرمائے اسے بمقابل دوسروں کے اور بھی اصلاح اعمال و تزکیۂ نفس و اخلاق حمیدہ کی طرف مائل ہونا چاہئے کیونکہ اول تو اس نعمت کا اقتضا اور شکریہ یہی ہے، دوسرے اکابر کی نسبت جتنی زیادہ ہو اتنی ہی اسکی ذمہ داریاں زیادہ ہیں، اس نسبت کی لاج رکھنے کے لئے بدنامی سے بچنا اور سچا مومن ہوجانا سب سے بڑی شرافت ہے،

ایک عام وبا معاملۂ نسب میں ایک بے اعتدالی یہ بھی ہے کہ بعض لوگ اپنا نسب آبائی چھوڑکر اپنے آپکو دوسرے نسب کی طرف منسوب کرتے ہیں، چنانچہ بعض اس کوشش میں ہیں کہ اپنے آپ کو انصاری ثابت کریں، بعض اس جد و جہد میں مصروف ہیں کہ اپنے کو قریش میں داخل کریں، بعض یہ چاہتے ہیں کہ اپنے کو شیخ صدیقی یا فاروقی یا عثمانی اور علوی ظاہر کریں یا سادات سے شجرہ مرتب کریں وغیرہ، ظاہر ہے کہ اس کا منشا بجز تکبر اور غرور جو فی نفسہ گناہ کبیرہ ہے اور کوئی وجہ نہیں ہوسکتی، نسب کا بدلنا خود بڑا گناہ ہے، احادیث صحیحہ میں اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں من ادعی الی غیر ابیہ وھو یعلم انہ غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرام، (متفق علیہ) " آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے" انسان کے گناہ کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ کسی نسب سے تبری کرے اگرچہ وہ نسب ادنی ہو اور ایسے نسب کا دعوی کرے جسمیں اسکا ہونا معروف نہیں" (رواہ احمد)

احادیث مذکورہ سے اس قدر سخت وعیدوں کے سننے اور سمجھنے کے بعد کیا کوئی مسلمان نسب

بدلنے اور اختلاف واقع ظاہر کرنے پر جرأت کریگا؟

غرضیکہ عادت اللہ ہمیشہ سے یوں ہی جاری ہو کہ جس کو مرجع خلائق بنانا اور منصب ارشاد پر متمکن کرنا منظور ہوتا ہے اس کو اعزاز خاندانی اور شرافت نسبی سے بھی ممتاز فرمایا جاتا ہو تاکہ بڑے بڑے طبقہ کے لوگ بھی اس کے اتباع سے عار و ننگ نہ محسوس کریں، گو مطلق قبول عند اللہ کیلئے شرافتِ نسب کی بالکل حاجت نہیں فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ الخ پھر جب پھونک ماریں صور میں تو نہ قرابتیں ہیں اُن میں اس دن

معزز خاندان میں پیدا ہونے کا ایک فائدہ یہ بھی ہو کہ ایسے شخص پر کسی کی وجاہت ظاہری کا بیجا اثر نہیں ہونے پاتا، بلکہ ایسا شخص نہایت آزادی سے دوسروں کی اصلاح کرسکتا ہو، زمانہ شاہد ہو کہ حضرت سید علیہ الرحمۃ پر بڑے سے بڑے اہلِ دول اور صاحب خدم و حشم کا کوئی اثر نہ پڑسکا، اور نہ متاعِ دنیا و دار و رسن کی کبھی پروا کی، استغنائے سلف کے واقعات تو کتابوں میں صدہا پڑھے تھے لیکن آنکھوں سے اسکی تصدیق صرف حضرت سیدؒ کو دیکھ کر ہوئی، جسکا ذکر آگے آئیگا، چونکہ حق تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ حضرت سیدؒ کو خلعتِ مجددیت سے سرفراز فرماکر خاندانی وراثت و نیابت کے منصب عطا فرمائے اس لئے ایک طرف عقل و فراست، علم و عمل سے نوازا تو دوسری جانب شرافت نسبی اور جاہ و ثروت خاندانی سے مالامال کر دیا، "یار ما ایں دارد و آں نیز ہم"، اس بحث پر مخالف اور موافق بہت کچھ لکھا جاسکتا ہو، لیکن عشق و محبت کی راہ اور تقویٰ و پارسائی کی سعادت ہی اصل وسیلۂ نجات ہے!

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ

ولادت

حکایت از رخِ آں یار دلنواز کنیم　　　بایں فسانہ مگر عمرِ خود دراز کنیم

۹ ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ کا زمانہ اور میلاد سرورِ کائنات صلعم کا متبرک دن (دوشنبہ) تھا کہ ٹھیک اسوقت جبکہ رات عالم کی ساری کائنات نور کے گہوارہ میں دے رہی تھی کارکنانِ قضا و قدر نے بھی یہ امانت ازلی پرگنہ نصیر آباد کے ایک مقدس خاندان کے دامن پر رکھدی، جسم مبارک کی ساخت، اعضا کا تناسب، چہرہ کا نور

پیشانی کا اُبھار کسی عظیم الشان مستقبل اور غیر معمولی حقیقت کا سراغ دے رہا تھا، عالم ظہور میں آنے سے پہلے ہی ہاتف غیب اشارہ کر چکا تھا کہ یہ مضغۂ گوشت آنے والے زمانہ میں کس شخصیت کا مالک ہوگا، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

آپ کے والد بزرگوار حضرت علامہ سید محمد طٰہٰ نور اللہ مرقدہٗ مقام سرونج ریاست ٹونک میں تھے، ایک شب بستر پر لیٹے خدا کی عنایات اور دنیا کی بے ثباتی کا تصوّر کرکے بارگاہِ صمدیت میں یہ دعا کی کہ "بارِ الٰہا اگر اپنے لطف عمیم کے حلقہ میں مجھے بھی لے لے اور کسی مقام خاص کی عزّت سے نوازے تو تیری رحمت سے بعید نہیں"۔ اسی کیفیت میں نیند طاری ہوگئی، دیکھا کہ ایک بزرگ صورت جن کے پُر جمال چہرے پہ نور برس رہا تھا، قریب آئے، ایک صندوقچہ دیکر فرمانے لگے کہ یہ امانت تجھے دیجاتی ہے، اسمیں انبیا علیہم السّلام کے تبرکات ہیں، اپنی پہلو میں امانت رکھا، صبح کو سیّد حکیم الدین صاحب و جناب محمد یحییٰ صاحب مرحوم کے سامنے یہ خواب بیان کیا، محمد یحییٰ صاحب نے جو ایک صاحبدل بزرگ تھے، یہ تعبیر بتلائی کہ عجب نہیں یہ ایسے فرزند کی بشارت ہو جس کے انوار ظاہری و باطنی سے عالم کی تاریکیاں مٹنے والی ہوں، اسی دوران میں ایک مجذوب خود بخود ٹہلتے ہوے آئے اور اپنے جذب کی کیفیت میں بار بار فرمانے لگے، یہ خواب تو صحیح ہے مگر تم نہ ہوگے، چنانچہ زمانہ نے دیکھ لیا کہ بعد کو اس تعبیر کی صداقت کیونکر حرف بحرف پوری ہوئی، ساتویں دن سنت اسلامی کے مطابق آپ کا عقیقہ ہوا، اعزّہ کا مشورہ تھا کہ اس ہونہار بچہ کو کسی شریف النسب دائی کی آغوش تربیت میں دینا چاہئے، مگر آپ کی والدہ محترمہ نے یہ سعادت دوسرے کو بخشنے نہ دیا، اپنے نور علین کے باغ زندگی کی آبیاری خود اپنے خون جگر سے کی،

زہے دولتِ مادرِ روزگار — کہ پورے چنیں پرورد در کنار

تعلیم و تربیت آپ کی ولادت کے ۴۰ روز بعد خدا نے والد محترم کا سایہ سر سے اٹھا لیا، جس وقت چراغ زندگی بجھنے کے قریب ہوا، والد بزرگوار نے آپکو دیکھنے کیلئے طلب کیا، دیکھ کر فرمایا "یہ اس خواب کی تعبیر ہے" بعد ازاں لوگوں کی جانب متوجہ ہو کر فرمانے لگے "چونکہ خدا نے اس بچہ کو یتیم پیدا کیا ہے اور ہمارے نبی کریم صلعم کو بھی خدا نے یتیم ہی پیدا کیا تھا، لہذا اسے عظمت کی نظر سے دیکھنا"۔ اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر

اور دونوں ہاتھ پھیلا کر بارگاہِ ربُ العزّت میں دعا کی کہ "مولا اگر تیری مرضی اور مصلحت یہی ہے کہ میرے لخت جگر کو اپنی قدرت خاص کے ہاتھوں تعلیم و تربیت دے تو میں اسے تیری رحمت کے حوالہ کرتا ہوں، میری کبھی بھی یہ تمنا نہیں ہے کہ تیرے سوا کوئی کفیل ہو" ؎

کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں
احسان ناخدا کے اٹھائے مری بلا

سارے اعزّہ و اقارب موجود تھے، بار بار عرض کرتے رہے کہ حضرت کسی کو مربی مقرر کر دیجئے، لیکن جن متوکلین علی اللہ کی آنکھوں میں کار سازِ حقیقی کا جمال عزت و قدرت سمایا ہو وہ دنیائے دنی کے اسبابِ کالکی کب پرواکرنے لگے، ہر بار یہی جواب ملا، "بجز خدا کے کسی کے سپرد نہیں کرتا" وھو حسبی و نعم الوکیل،

آپکے دو حقیقی بھائی جناب حضرت مولٰنا سید حکیم محمد متینؒ اور جناب حافظ سید عبدالستارؒ ڈپٹی کلکٹر نے تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اپنے سر لی، پورے اہتمام اور ناز و نعمت کیساتھ پرورش ہوئی، اس یتیم کی یتیمی پر بڑے بڑے امراء کے بچے رشک کرتے، شاید آپکو کبھی اسکا خیال بھی نہ گذرا ہوگا کہ سر پر باپ کا سایہ نہیں، بچپن کے حالات زندگی زیادہ تر تاریکی میں ہیں، تاہم جس قدر واقعات ہاتھ آئے ہیں ان کی روشنی میں تصویر کے ایک ایک خط و خال نمایاں ہو جاتے ہیں،

حضرت سیدؒ کا بچپن ہی سے لہو و لعب کی جانب بالکل میلان نہ تھا، بلکہ دوسرے بچوں کو پڑھتے لکھتے دیکھ کر خود بھی قلم لیکر بیٹھ جاتے، کاغذ پر لکیریں بناتے اور گنگنایا کرتے، یہ فطری اشتیاق دیکھ کر ایک لائق استاد کو خاص آپ کی تعلیم کے لئے مقرر کر دیا گیا، تھوڑے عرصہ میں معمولی نوشت و خواند کے بعد حافظ جان محمد صاحب مرحوم جنکے حسن قرأت اور دلآویز لہجہ کی یاد اہلِ بریلوی کے دلوں میں ابھی تک قائم ہے، قرآن مجید حفظ کرانا شروع کیا، چونکہ وادیِ سعادت کے اس نوخیز رہ نورد کو اس چند روزہ زندگی میں علم و معرفت اور سلوک و طریقت کی بیشمار راہوں کو طے کرنا تھا اسی لئے قدرت نے قوائے ظاہری و باطنی کی جامعیت بھی عطا کی تھی، ماہِ شوّال سے ابتدا کی اور آئندہ ماہِ رمضان تک صرف ایک سال کی مدت میں پورا کلام پاک حفظ کر کے

محراب سنادیا ساتھ ہی فارسی کی بھی تحصیل جاری تھی، ابھی زندگی کی نو منزلیں بھی ختم نہ ہوئی تھیں کہ حافظ قرآن ہونے کے علاوہ فارسی زبان کی پوری قابلیت پیدا کرلی، عام حفاظ کی طرح محض الفاظ قرآن ہی محفوظ کرنے پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ بیشتر آیات کے صحیح مفاہیم بھی ذہن نشین کرتے جاتے، اس چھوٹی سی عمر میں کلام الٰہی کے اسرار و معارف کا سمجھنا تو ناممکن تھا لیکن جس قدر بھی تبلایا جاتا خود عمل کرتے اور دوسروں کو اسکی ہدایت فرماتے۔

یہ سلسلہ جب ختم ہوا تو عربی کی طرف متوجہ ہوئے، اپنے عم بزرگوار جناب حضرت مولانا سید خواجہ احمد رحمۃ اللہ علیہ سے عربی کی چند ابتدائی کتابیں پڑھ کر جونپور تشریف لیگئے، وہاں جناب مولانا محمد عبداللہ چھپروی تلمیذ حضرت علامہ مفتی محمد یوسفؒ سے صرف ونحو کی تکمیل کی اور یہیں جونپور میں جناب مولانا محمد شبلی مرحوم ابن حضرت علامہ سخاوت علیؒ مہاجر مکہ سے ملاحسن وہدایہ تک پڑھنے کے بعد بتقریب شادی نصیرآباد تشریف لائے اسی اثنا میں جناب خواجہ سید احمدؒ علیل ہو گئے، چنانچہ سہ شنبہ یکم جمادی الثانی ۱۲۸۵ھ کو رحلت فرما کر راہی خلد بریں ہوئے رحمۃ اللہ علیہ

چونکہ اب رائے بریلی اور نصیرآباد میں جہانتک نظر کام کرتی، کوئی ایسا جامع اور متبحر عالم نہ دکھائی دیا جو آپ کا رہبر بن سکتا، مجبوراً لکھنؤ تشریف لیگئے جہاں وقت کا سب سے بڑا اور روشن آفتاب علم اقصائے عالم کے مختلف گوشوں کو اپنے انوار تجلی سے منور اور اپنی حیات آفریں شعاعوں سے باغ ایمان واسلام کی بہاروں کو زندہ کر رہا تھا، یعنی خاتم المحدثین وفقیہ ہند حضرت علامہ عبدالحیؒ فرنگی محلی نور اللہ ضریحہ، چونکہ فاضل ان دنوں حیدرآباد دکن تشریف لیگئے تھے، حضرت سیدؒ کو کچھ دنوں قیام کرنا پڑا، چند دنوں کے بعد آپ لکھنؤ واپس آئے، تو قابل فخر وسعادتمند شاگرد نے استاد کے آستانۂ علم وفضل پر سر جھکا دیا، اور جوہر شناس استاذ نے اسے اپنی آغوش شفقت میں لیکر اپنی خوش بختی پر مرحبا کہا اور ۱۲۹۶ھ بیس سال کی عمر میں جملہ علوم نقلیہ وعقلیہ سے فارغ التحصیل ہو کر سند فضیلت وتکمیل حاصل کی،

اس کے بعد دہلی جا کر راس المحدثین حضرت علامہ سید نذیر حسین محدث دہلویؒ جو میاں صاحب کے نام سے مشہور ہیں، صحاح ستہ کی چند کتابیں تبرگاً پڑھ کر اجازت حدیث حاصل فرمائی، اتنے ہی پر آپنے اکتفا نہیں فرمایا بلکہ

حقیقت یہ ہے کہ علم کی تشنگی اور اسکا خمار وہ خمار ہے جو نہ مرتے دم اترتا ہے اور نہ کیف و سرور میں کمی محسوس ہوتی ہے
اسی سبب سے حضرت سیدؒ نے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل و تکمیل میں ہندوستان و ماورائے ہندوستان کے ارباب
مشاہیر سے سعادت ملاقات حاصل کرکے اجازت حدیث و سند علوم کی شہادتیں بہم پہنچائیں جنہیں ہر ایک اقلیم علم کا
فرمانروا غزالی اور بخاری وقت تھا، چند کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں، جن کے تفصیلی حالات حضرت سیدؒ
کے شاگرد مولٰنا منصب مدظلہ کچھوچھوی نے اتمام الحجہ فی کشف النعمہ میں تحریر فرمائے ہیں،

(۱) حضرت علامہ عبدالقیوم محدث خلف الصدق حضرت علامہ عبدالحئی محدث دہلویؒ،

(۲) حضرت علامۃ العصر مولٰنا بشیرالدین بن مولٰنا محمد کریم الدین العثمانی القنوجیؒ صاحب کشف المبہم،

(۳) حضرت علامہ محمد محدث مہاجر مکہ تلمیذ حضرت علامہ شاہ اسحٰق محدث دہلویؒ،

مؤخرالذکر بزرگ کی وفات ۱۲۹۶ھ میں ہوئی آپ بہت بڑے متبحر عالم اور اونچے درجہ کے شیخ طریقت
تھے لیکن محرومی قسمت تو دیکھئے کہ بعضوں کو تو یہ سعادت گھر رہ کر نصیب نہ ہوسکی، کہ علم شریعت و طریقت
کے امام وقت سے استفادہ کرے، حضرت سیدؒ کی اس خوش قسمتی کو دیکھئے کہ ایسے اکابرین کی خدمت میں حاضر
ہوکر ظاہری و باطنی برکات سے اپنے کو مالامال فرمایا:

اس موقع پر حضرت سیدؒ کے ایک خاندانی بزرگ حضرت علامہ حکیم سید عبدالحئیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء کے
بیان کو سنداً پیش کردینا مناسب سمجھتا ہوں جو حقیقۃً علم و عمل کے سلطان وقت تھے، فرماتے ہیں،

(السید امین بن طٰہ النصیر آبادیؒ)

السید الشریف امین بن طٰہ بن زین الحسنی الحسینی النصیر آبادی احد کبار العلماء
ولد ونشاء بنصیر آباد من اعمال رای بریلی واشتغل بالعلم ایاما ببلدتہ علی
مولانا احمد حسن ثم دخل لکھنؤ وقراء سائر الکتب الدرسیۃ علی مولانا عبدالحئی
بن امین اللہ اللکھنوی ثم سافر الی سہارنپور واخذ الحدیث عن الشیخ المحدث

احمد علی بن لطف اللہ السہارنپوری ورجع الی بلدتہ واقام بہا زمانا ثم دخل فی بریلی

ولازم سیدی الشیخ ضیاء النبی بن سعید الدین الحسنی الحسینی البریلوی وا خذ

عنہ الطریقۃ وسافر الی الحجاز فحج وزار واسند الحدیث عن مشائخ الحرمین الشریفین

ثم رجع الی الھند وتصدر للتدریس والتذکیر وھو مشتغل بذالک . . . . .

یذکر فی کل اسبوع یوم الجمعۃ وربما یسافر الی پرتاب گڈہ وسلطانپور واعظم گڈہ

وجونپور وید ور فی عماراتھا وقریٰھا انتفع بہ خلق لا یحصی بحد وعد لہ

خلاصہ عبارت بالا کا یہ ہے کہ حضرت سید محمد امین بن سید محمد طہٰ حسنی الحسینی نصیر آبادی ہندوستان کے مشہور علما

وسادات نجیب الطرفین سے تھے آپ کی پیدائش اور نشو ونما نصیر آباد جو ضلع رائے بریلی کا ایک قدیم قصبہ ہے

اس میں ہوئی، آپنے چند دنوں مولانا احمد حسنؒ سے استفادہ فرمایا پھر لکھنؤ روانہ ہوئے اور وہاں پر تمام کتب

درسیہ سبقاً سبقاً حضرت مولانا عبد الحیٰ بن مولانا امین اللہ لکھنویؒ سے پڑھا، پھر سہارنپور تشریف لیگئے اور وہاں

حضرت مولانا احمد علی بن لطف اللہ محدث سہارنپوری سے سند حدیث لیکر ایک مدت تک مکان ہی

پر رہے اس کے بعد رائے بریلی تشریف لیگئے، وہاں بیعت واجازت طریقت جناب حضرت مولانا سید

ضیاء النبی بن سعید الدین حسنی الحسینی بریلوی سے حاصل کی، پھر زیارت و حج بیت اللہ الحرام کیلئے رخت سفر

باندھا اور وہاں پر مشائخ حرمین شریفین سے سند حدیث لی، بعد ازاں وطن واپس آکر درس وتدریس اور

وعظ ونصیحت میں (اخیر عمر تک) مشغول ہوگئے، ہر جمعہ کو وعظ فرمانے کا معمول عام تھا اور بسا اوقات

پرتاب گڈہ وسلطانپور وجونپور واعظم گڈہ کے قصبات و دیہاتوں میں دورہ فرمایا کرتے جس سے خدا نے

بہت سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا جو عدد وشمار سے باہر ہیں،

گو اب آپ تحصیل علوم وسند تکمیل میں کسی اور کے محتاج نہ تھے لیکن ۱۳۰۲ھ میں جب حرم کعبہ کی

زیارت کے قصد سے مکہ معظمہ تشریف لیگئے تو مفتی حرمین شیخ الاسلام امام سید احمد دحلان شافعیؒ مصنف

لہ نزہۃ الخواطر ج سابع

فتوحات اسلامیہ وغیرہ سے چند کتابیں بطور تبرک وتیمن پڑھ کر شہادتِ علوم وفنون حاصل فرمائی، اور یہیں یعنی مکہ مکرمہ میں فن تجوید کی اجازت بھی لی، ان علوم کے ماسوا آپنے بغرض رفاہِ خلق لکھنؤ میں علم طب جناب حکیم مظفر حسین داروغہ شاہی شفاخانہ لکھنؤ سے حاصل کیا تھا، چنانچہ اس جالینوس وقت کے خلوص کا یہ اثر تھا کہ قدرت نے بھی حضرت سیدؒ پر خاص توجہ فرمائی اور ایسا دست شفا عطا فرمایا کہ ہزاروں بندگانِ خدا نے شفا پائی،

اثر در کوئے تو صد جانِ شکستہ بازمی آید　　　شفا در بارگاہت دست بستہ بازمی آید

لکھا جا چکا ہے کہ حضرت سیدؒ کو سندِ فراغت ۱۲۹۶ھ میں علامہ فرنگی محلیؒ نے عنایت فرمائی تھی، اسکے بعد آپنے پانچ سال تک مشہور اساتذہ سے علوم وفنون میں تبحر اور فن طب میں تجربہ حاصل کیا، فاضل لکھنوی نے اپنا مشہور کتب خانہ (جسکی نظیر دو تین کے سوا ہندوستان میں کوئی کتب خانہ نہیں) نذر کر دیا تھا، چنانچہ آپنے اسی اثنا میں اپنے خداداد حافظہ میں اسکا لب لباب ہمیشہ کیلئے محفوظ کر لیا تھا جس کا ذکر آگے آئے گا،

حضرت سیدؒ کا حلیہ اور شکل وصورت

نہ من بر آں گلِ عارض غزل سرایم و بس　　　کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار آیند

حضرت سیدؒ کی صورت وشکل اور حلیہ کے متعلق لکھنا عبث ہے، یہ ایسی چیزیں ہیں کہ زبان وقلم جن کی تعبیر سے عاجز ہیں، اور مثل بالکل صحیح ہے کہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ"، کسی کے حلیہ کو زبان سے بیان کرنا یا لکھ جانا اگرچہ وہ اپنے تئیں سرمو فرق نہ ہو پھر بھی وہی فرق رہیگا جو شہد کے کھانے اور نہ کھانے والے میں رہتا ہے، سو طرح شہد کے مٹھاس کو بیان کیا جائے اس کی حلاوت اور حقیقت سوا اس کے سمجھ میں نہیں آسکتی ہے کہ شہد میٹھا ہوتا ہے، مگر جوں ہی زبان پر اک ذرا سا رکھا ساری حقیقت واضح ہو جاتی ہے، ایک اور مثال سامنے رکھئے وہ یہ کہ گلاب کی ہزاروں خوبیاں بیان کیجائیں لیکن ایک نادیدہ شخص یہی سمجھیگا کہ سرخ رنگ کا خوبصورت پھول ہوتا ہے لیکن آنکھ سے دیکھ لینے کے بعد اس کی مجموعی خوبی اور صنعت ایزدی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جائے گا، مشام جاں معطر اور روح کو تازگی محسوس ہوگی، آنکھوں

بصارت بڑھ جائیگی، ہاں ایک اور طریقہ دنیا میں صورت و شکل کے دیکھنے کا موجود ہے، وہ فوٹو وغیرہ کا طریقہ ہے جو شرعاً ممنوع ہے اور جسے حضرت سیدؒ سختی سے منع فرماتے تھے، لہذا ناظرین خود فیصلہ فرمائیں کہ کس طرح آپکے حسن و جمال خدا داد کو سامنے لایا جائے، بہرحال راقم الحروف تو یہی لکھکر ختم کر دینا چاہتا تھا "واللہ ما رأت عیناي مثلہ" لیکن سوانح حیات کے طریقہ کے خلاف سمجھکر انتہائی احتیاط سے آپکی صورت و شکل کو سپرد قلم کرتا ہوں،

حضرت سیدؒ موزوں و میانہ قد، رنگ سرخ و سفید، آنکھیں سیاہ اور بڑی، داڑھی خوبصورت، قوی ہیکل، ابرو غیر پیوستہ، پیشانی کشادہ، بینی دراز، خنداں رو، نہایت حسین و جمیل، نہ تو ندنکلی ہوئی نہ چندیا کے بال گرے ہوئے، آواز میں شکوہ، بلند گردن، نہایت وجیہہ اور بارعب تھے، ع "فھولنا ھا ولیس ذا سلطان"

حسنی حسینی سید ہونے کی وجہ سے آپ اس حدیث کے مصداق تھے جسکو علامہ ولی اللہ خطیبؒ نے بحوالہ ترمذی نقل فرمایا ہے،

عن علی قال الحسن اشبہ رسول اللہ صلعم ما بین الصدر الی الراس والحسین اشبہ النبی صلعم ما کان اسفل من ذالک" (مشکوٰۃ)

یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میرے دونوں صاحبزادے امام حسنؓ و امام حسینؓ اپنے نانا جان محمد رسول اللہ صلعم سے عجیب مشابہت رکھتے تھے، حضرت حسنؓ سینے سے سر تک اور حضرت حسینؓ پنڈلی سے قدم تک،

بقول حضرت امیر مینائیؒ ع

جو ادا دیکھو رسول اللہ سے ملتی ہوئی

یقیناً جو سید صحیح النسب ہوگا وہ آنحضرت صلعم سے صورت یا سیرت میں کچھ ضرور مشابہ ہوگا، کوئی وجہ نہیں کہ ابن رسول اللہ میں اس طرح کے خَلقی اور خُلقی اوصاف نہ پائے جائیں، حضرت سیدؒ کے دیکھنے والے فیصلہ کریں کہ کیا انھوں نے اب تک حضرت ممدوح کا مثل دیکھا ہے، اپنا تو خیال ہے، ؎

ولقد اتی فعجزن عن نظرائہ معنت الدھور وما اتین بمثلہ

اور حضرت بیخودؔ کی بولی میں صاف ہی کیوں نہ کہدیا جائے، ؎

ذرہ ہوں آفتاب رسالت مآب کا کیا آفتاب حشر ملائے گا مجھ سے آنکھ

بعض بزرگانِ سلف کی بشارتیں

اصحابِ کمال اور اربابِ قلوب نے حضرت سیدؒ کے متعلق جو رائیں قائم کی تھیں اور جو پیشین گوئیاں فرمائی تھیں ان میں سے چند کا ذکر کر دینا ناظرین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا اور یہ سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ حضرت سیدؒ نہ صرف علوم ظاہری ہی میں کمال رکھتے تھے بلکہ علوم باطنی میں آپ کا وہ درجہ تھا جو ایک شناسائے رازِ طریقت اور غواصِ بحرِ حقیقت کا ہوتا ہے، کشف و کرامت، مجاہدہ و ریاضت وغیرہ اتباعِ شریعت میں اس طرح گم تھی کہ بہتوں کو یہ تمیز نہ ہو سکی کہ حضرت سیدؒ کیا تھے، کیونکہ آپ نے حتی الوسع اپنے کو چھپانے اور مخفی رکھنے کی مرتے دم تک کوشش فرمائی ورنہ آپ بموجب حدیث قدسی کہ جب میں بندہ کو محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کا کان بنجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بنجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ بنجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے" اسی رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے، بہرکیف وہ شہادتیں یہ ہیں،

(۱) حضرت علامہ خواجہ سید احمد طاب اللہ المرقد نے جب حضرت سیدؒ کی عمر ۷-۸ سال کی ہوئی تو فرمایا "مجھ کو خدا کی ذات سے امید ہے کہ برخوردار سید محمد امین سلمہ ذی علم اور صاحبِ باطن ہوگا کیونکہ ابھی سے آثار و حالات ظاہر ہیں"

(۲) جناب حضرت خواجہ فیض اللہؒ جو ایک باکمال بزرگ اور صاحب نسبت تھے حضرت سیدؒ کو بچپن میں دیکھکر اپنے پیر و مرشد سے فرمانے لگے کہ "صاحبزادہ کا قلب ایسا ہے کہ جیسے حضرات صاحب افی کار کا ہوتا ہے اور آئندہ یہ لڑکا خلاصۂ خاندان اور اہل اللہ سے ہوگا"

(۳) ایک مرتبہ کا اتفاق ہے کثرت سے لوگ حضرت سیدؒ سے بیعت ہونے آئے تھے، جناب شاہ محمد یحییٰ صاحبؒ جو سالک طریقت اور اربابِ حال میں سے تھے مسجد میں ایک جانب بیٹھے تھے، لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ ان میں ایک شخص جن میں سے ہے جو حضرت سیدؒ سے بیعت ہونے آیا ہے، کیونکہ آپ مجدد اور قطب ہیں اگر یقین نہ ہو تو دیکھتے رہیئے، وہ فلاں شخص جو الگ بیٹھا ہے کدھر جاتا ہے، لوگ جانے لگے، وہ جن ایک قدم فصیل سے نیچے بڑھا کر غائب ہو گیا، حالانکہ فصیل کے نیچے تقریباً آٹھ فٹ کا نشیب ہے، جہاں بغیر کسی نردبان وغیرہ کے اترنا مشکل ہے

اس واقعہ کے دیکھنے والے آج بھی بہت سے لوگ بقید حیات ہیں،

(۴) جناب محمد عصمت اللہ صاحب بھاگلپوری اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ حضرت حافظ عبدالقادر صاحب حضرت والد کی بہت ثنا و صفت ..... اور عندالتذکرہ حضرت کے بارہ میں ایک جملہ بولے کہ جناب حاجی عبدالکریم صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمد فیض اللہ مئوی نے فرمایا تھا کہ "عجب نہیں یہ شخص (سید محمد امین صاحب) اس صدی کا مجدد ہو"

(۵) جناب حضرت مولانا سید شاہ ضیاء النبی حسنی الحسینی جو جنید وقت اور حضرت سید کے مرشد اور خاندانی بھائی تھے فرماتے تھے کہ "سید محمد امین کو خدا نے علم ظاہر و باطن سے مالامال کر دیا ہے" چنانچہ جب کوئی شاہ صاحب سے پڑھنے جاتا تو آپ حضرت سید کے پاس روانہ فرما دیتے کہ تیرا حصہ وہاں ہے،

(۶) حضرت مولانا شاہ عبداللطیف صاحب ستھن ضلع سلطانپور جو ایک باخدا درویش تھے، حضرت سید کے تبحر علمی اور کمال کے معترف تھے اور فرماتے تھے کہ "سید کو کیا کہنا وہ تو علم و عمل کے پیکر ہیں"

(۷) حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مرادآبادی کے متعلق کچھ لکھنا فضول ہے، آپ کی ذات تعریف و توصیف سے بلند تر ہے، حضرت سید کا بیان ہے کہ میں حضرت شاہ صاحب سے گرمی کے موسم میں ملا ہوں، اوّل وقت نماز پڑھنے کے متعلق حضرت شاہ صاحب سے کچھ باتیں خلاف توقع دیر تک جاری رہیں، آخر میں محبت بھرے لب و لہجہ میں حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ "فقیر نے تیرے سوا کسی کو اب تک اتباع سنت کا متوالا نہیں دیکھا" اس کے بعد بغلگیر ہوئے اور فرمایا جا خدا تجھ سے آئندہ بڑا کام لینے والا ہے" اسی موقع پر حضرت سید شاہ صاحب کے حقہ کو دیکھ کر سخت لب و لہجہ میں خادم سے پوچھا کس کا ہے؟ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ فضل رحمان کا حقہ ہے، میاں صاحبزادے ہر حقہ میں وہ بات نہیں ہوتی ہے، بہر حال "این رشتہ بانگشت نہ پیچی کہ دراز است"

حج

چو باد عزم سر کوئے یار خواہم کرد　　نفس بہ بوئے خوشش مشکبار خواہم کرد

جب آپ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کر چکے تو اس دیار کی حاضری کی باری آئی جہاں کی بابت

سننے میں آیا ہے کہ بندہ گناہ سے ایسا پاک ہو جاتا ہے گویا ماں کے شکم سے بیگناہ پیدا ہوا ہے، کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام،
چنانچہ ۱۳۰۲ھ میں حضرت ممدوح نے اس مبارک سفر کی تیاری شروع کی، اہل و عیال کو بھی اس سعادت عظمیٰ کا شریک بنایا، جس وقت آپ گاڑی پر سوار ہوئے عقیدت کیشوں کے ہجوم سے راستہ ملنا مشکل ہو گیا، جوشِ محبت سے بیقرار ہو کر بہتوں نے پیچھے پیچھے والہانہ دوڑنا شروع کیا، آپ نے "ٹھہریئے" انشاء اللہ پھر ملینگے کے تسکین بخش الفاظ سے روکا، بمبئی اسٹیشن پر پہنچے وہاں پہلے ہی سے ایک جم غفیر عقیدت و محبت کی نذر لئے چشم براہ تھا، قدر دانوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، آپ شہر میں تشریف لے گئے، نماز جمعہ سے فارغ ہو کر آپ نے وعظ فرمایا، کتنی ہی مخلوقِ الٰہی آ آ کر آپ کے ہاتھوں پر تائب ہوئی، اور شرف بیعت سے مشرف، لمحے گذرتے جاتے تھے اور دعوت ناموں کی کثرت بڑھتی جاتی تھی لیکن جہاز کی روانگی نے صرف سات روز کا موقع دیا، اس قلیل مدت میں اپنی اس خدمت کو انجام فرماتے رہے جس کے لئے پیدا کئے گئے تھے، "وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ"
جہاز پر سوار ہوتے ہی بمبئی کے بعض اکابر نے حجاز میں سید ابوبکر رشیدی وغیرہ شرفا و رؤسا حرم کو اطلاع دیدی کہ سیدنا و مولٰنا حضرت علامہ محمد امین حسنی الحسینیؒ جو حضرت امیر المومنین سید احمد مجدد شہیدؒ کے سلسلۂ خاندان سے ہیں، مع اہل و عیال بغرض زیارت حرمین تشریف لیجا رہے ہیں، سمندر نے خدا کی اس امانت کو اپنے سینے سے اتار کر بکمال حفاظت ساحل جدہ پر پہنچا دیا، تو خاکِ ہند کے پردیسی کو اہلًا و سہلًا کی صدائے خلوص نے بتلایا کہ گو یہاں نصیر آباد کے اعزہ موجود نہیں لیکن علم دین کے رتبہ شناسوں کی کمی نہیں اور اگر رائے بریلی کا وطن نہیں تو غربت اور مسافرت کا کیوں احساس ہو، اب وہی مقام ابراہیم ہے جو تمام مقاموں سے برتر اور تمام وطنوں سے افضل ہے، یہ دیارِ غربت نہیں بلکہ اسے وطن کہنا بھی حقیقت کا جمود اور اپنے جہل و سفاہت کا اظہار ہوگا، یہ تو نیازمندانِ عشق کا کعبہ ہے جس پر دنیا اور اسکی ساری لذتیں قربان اور وطن اور اسکی ساری نعمتیں نثار، ع

باغ بہشت و سایہ طوبیٰ و قصر و حور　　　　با خاک کوئے دوست برابر نمی کنم

جدہ سے باعزاز و اکرام ماہ رمضان المبارک میں مکۃ المکرمہ پہنچے، یہاں بھی سلسلہ مواعظ برابر جاری رہا، چونکہ حج کا وقت ابھی دور تھا، اس لئے شیخ الاسلام سید احمد دحلان الشافعیؒ سے سند حدیث حاصل کرنے کے بعد آپ نے چاہا کہ مدینہ منورہ جاکر خالق کونین کے دربار کی حاضری سے پہلے اس کے محبوب رسولِ دوجہاں کے آستانۂ قدس کی زیارت سے مشرف ہو آئیں، لیکن خدا کے ارادہ نے بندے کے ارادہ کو پورا نہ ہونے دیا، بدوؤں کی شورش انگیز بغاوتوں کا سلسلہ حج کے بعد تک قائم رہا، حکومت ٹرکی کی طرف سے کوئی قابل اطمینان انتظام بھی نہ ہو سکا، پھر طبع مبارک بھی ان دنوں کچھ ناساز ہو گئی، امید حسرت سے بدل گئی، ناچار دور ہی سے اشتیاق و عقیدت کے پھول اس روضۂ مبارکہ پر چڑھایا۔

من کز وطن سفر نہ گزیدم بعمر خویش　　　　در عشق دیدنِ تو ہوا خواہ غربتم

اور حج سے فارغ ہو کر محرم الحرام ۱۳۰۳ھ میں ہندوستان واپس آئے، آتے وقت جہاز طوفان کے گرداب میں آگیا، جس ذرہ پہ نظر پڑتی محوِ اضطراب، سمندر کی موجوں میں اضطراب، جہاز کے ایک ایک تختے اور پرزہ میں اضطراب، مسافروں کے جسموں اور روحوں میں اضطراب، لیکن ہاں اللہ کا ایک متوکل بندہ جس کا جسم بیماری کی وجہ سے نحیف و ناتوان لیکن جس کی روح سب سے زیادہ تندرست اور توانا تھی، ساکن و صامت جلال الٰہی کے جلوہ میں محو و سرشار، کلیجے منہ کو آنے لگے، ساری مخلوق جن کو یقین ہو رہا تھا کہ زندگی کی کشتی اب فنا کے چٹانوں سے ٹکرا کر چور چور ہوئی، دوڑے اور عرض کی کہ حضرت والا بارگاہِ صمدیت میں دعا فرمائیے کہ غضب سے ہمیں نجات دے لیکن اس زبان سے جو شاید صرف صبر و رضا اور تسلیم و توکل ہی کے عناصر سے بنی تھی محض یہ الفاظ نکلے کہ "اے سمندر تو یہ خوب جان لے اگر حکم الٰہی نہیں ہے تو تیرا یہ سارا جوش و خروش ایک ضعیف ترین مخلوق کا بھی بال بیکا نہیں کر سکتا، ہاں اگر مشیت ایزدی یہی ہے تو سر تسلیم خم ہے" چند لمحے گذرے تھے کہ نظارۂ جلال ختم ہو گیا، جلوۂ جمال کی باری آئی، سارا اضطراب سکون سے بدل گیا، اللہ کے بندوں نے شکر کے سجدے کیے۔

ع چہ باک از موج بحر آنرا کہ دارد نوح کشتیباں

بمبئی میں آپ کا ویسا ہی شاندار استقبال کیا گیا، اہالیانِ شہر نے اصرار کیساتھ التجا کی کہ چند روز قیام فرمایا جاوے لیکن دیگر عزیز و احباب و معتقدین نے جو بغرض استقبال بمبئی میں پہلے ہی سے حاضر تھے بوجہ علالت وہاں قیام کرنا مناسب نہ سمجھا چنانچہ آپ وطن مالوف تشریف لائے شکریہ باری ادا فرمایا اور یہ شعر زبان پر جاری تھا

کیمیائیست عجب بندگیِ پیرِ مغاں　　خاکِ او گشتم و چندیں درجاتم دادند

حضرت سیدؒ کی شادی حضرت سیدؒ کی دو شادیاں ہوئی تھیں پہلی شادی تکیہ کلاں رائے بریلی کے سادات میں سے سید سعید الدینؒ کی صاحبزادی سے ہوئی لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس وقت سیدؒ کا کیا سن تھا اور کونسا سنہ تھا، ہاں دوسری شادی بعد واپسی حج ۱۳۰۳ھ بخیال اولاد آپکے خال مکرم جناب سید محمد علیم عرف حیدر علی کی صاحبزادی سے ہوئی لیکن مشیت ایزدی دیکھئے کہ کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور لطف یہ کہ اور دونوں بھائی صاحبان بھی اس نعمت سے آخر تک محروم ہی رہے،

بڑی بی بی صاحبہ مرحومہ کا انتقال عرصہ ہوا، مولانا کی حیات ہی میں ہو چکا تھا لیکن آخر الذکر محترمہ جنابہ سیدانی صاحبہ مدظلہا کا وجود گرامی ہم بے عملوں کی رہبری اور دعاے خیر کے لئے خدا نے رکھ چھوڑا ہے، دعا ہے کہ رب کعبہ اس مجسمۂ خیر و برکت کو تا دیر قائم و دائم رکھے، اور مجھے پورا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نیت رسول اللہ صلعم کی محبت اور خدمت کے صلہ میں دارین کی رسوائی سے محفوظ رکھیگا میں حضرت سیدانی صاحبہ مدظلہا کی کفش برداری اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتا ہوں اور جملہ معتقدین حضرت سیدؒ سے پر زور اپیل کرتا ہوں کہ وہ حضرت سیدانی صاحبہ مدظلہا کی حیات تک انھیں خوش رکھنے کی پوری سعی فرمائینگے اور ساتھ ہی اس بات کا خیال رکھینگے کہ آپکے کوئی اولاد مادی خدا نے نہیں بخشی، ہاں روحانی اولاد اتنی ہے کہ اگر وہ ایک ایک پیسہ جائز و حلال روزی کا آپ کی خدمت کیلئے سالانہ پیش کرے تو ایسی ایسی کتنی ہستیاں راحت و سکون کی زندگی بسر کر سکتی ہیں، گو خدا نے حضرت سیدانی صاحبہ کو وہ توکل اور قناعت

بخشا ہے، جو آپ کے منصب کے شایانِ شان ہی، لیکن ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اپنے کو ایسی سچی روحانی اولاد ثابت کر دیں کہ سیدانی صاحبہ مدظلہا کو کبھی مادی اولاد کا غم بھول کر نہ آئے، پس کیا اے مریدین و معتقدین حضرت سیدؒ آپ پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے؟ حالانکہ آپ کو وہ ہونا چاہئے کہ سیدؒ کے تمام متعلقین کے ساتھ نیازمندانہ جذبہ و خلوص مرتے دم قائم رہے،

درس و تدریس اور آپکے تلامذہ

حضرت قطب الاقطاب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ درس و تدریس میں گذارا، طلبہ مختلف مقامات سے شہرہ سنکر آتے رہتے اور آپکے آستانہ قدس پر حاضر ہو کر اپنی تشنگی کا علاج چاہتے اور حصہ مقسوم کے مطابق کامیاب ہو کر واپس جاتے، آپکے تبحر علمی کا اندازہ مبتدی کیا کر سکتے تھے، تاہم طریقہ تعلیم کی مجتہدانہ شان کا اعتراف ابجد خواں کو بھی ہے، جفاکشی کا یہ عالم کہ راتوں کو طلبہ جب مطالعہ کرتے تو آپ برابر موجود رہتے اور کیا مجال کہ جب تک مطالعہ و سبق مکمل نہ ہو جاتا آپ چین لیتے، نحو و صرف کی تعلیم کا خاص ملکہ تھا، زیادہ تر مشق و تمرین سے تمام مسائل نحویہ محفوظ کرانے کی سعی جاری رکھتے، مثالیں زیادہ تر قرآن پاک و احادیث و اہل ادب کے بلیغ و فصیح کلام سے پیش فرمایا کرتے، منطق کے مسائل عام بول چال میں ذہن نشین فرما دیتے، جن لوگوں نے شرح جامی و شرح تہذیب و فصول وغیرہ تک کتابیں آپ سے پڑھی ہیں وہ آجتک ان کے نوک زبان ہی، بقیہ مسائل علم کلام و عقائد و اصول اور بالخصوص تفسیر و حدیث، یہ تو آپ کا وہ امتیازی وصف ہی جس کی نظیر مشکل سے ملسکتی ہی، آپ جملہ مسائل اعتقادی و فقہی کو کتاب و سنت سے تطبیق فرمایا کرتے، فتویٰ مذہب حنفی پر دیتے تھے، لیکن خود کیا تھے یہ ذرا اہم اور پیچیدہ سوال ہی، حضرت کے دیکھنے اور ساتھ رہنے والوں سے پوچھنا چاہئے، آپ اتباعِ سنت کے کامل نمونہ تھے، طلبہ کیساتھ خلوص و محبت کا یہ عالم کہ لختِ جگر سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، چنانچہ بعض اوقات ۲۰۔ ۲۰ طلبہ تک مکان پر رہے ہیں، مگر آپ ہمیشہ ساتھ کھاتے تھے اور کبھی کسی طالب علم سے ایک حبہ کے روادار مدت العمر نہ ہوئے یہی حال پوشش کا بھی تھا۔ تلامذہ کے تفصیلی حالات معلوم نہ ہو سکے تاہم جتنے اسماء مجھے معلوم ہو سکے ہیں انھیں درج

کررہا ہوں، اگر سوانح ہذا کی اشاعت کے بعد اور حالات بہم پہنچ گئے تو دوسرے ایڈیشن خواہ مجموعۃ الفتاویٰ کے ساتھ شائع کردیئے جائیں گے، حفاظ کی تعداد اس کے سوا ہے جو سیکڑوں سے متجاوز ہیں، حضرت مسیحؑ کا یہ فقرہ کتنا برمحل ہے، کہ "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" آپ کے بعض تلامذہ کا تبحر علمی آپ اپنا نظیر رہا ہے

(۱) جناب مولوی ناصر الدین مولوی فصیح الدین مراد آبادی، (۲) جناب مولوی خدا بخش چھپروی، (۳) جناب مولوی عبدالخالق خاں مرحوم متوطن رای بریلوی، (۴) جناب مولوی عبدالکریم جائسی محدث مرحوم (۵) جناب جناب مولوی رشید احمد مدراسی، (۶) جناب مولوی ملا محمد بنگالی محمدی، (۷) جناب مولوی منصب کچھوچھوی صاحب اتمام الحجہ فی کشف الغمہ (۸) جناب مولوی فرخ سیر صاحب (۹) جناب مولانا محمد فاروق صاحب جونپوری، (۱۰) جناب مولانا حافظ ابوبکر محمد شیث فاروقی جونپوری ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ و پیر حضرت علامہ سخاوت علی، مہاجر مکہ، (۱۱) جناب مولوی حافظ احمد اللہ قریشی پرتاب گڈھی مدرس شہر دہلی (۱۲) جناب مولوی عبدالغنی چھانوں اعظم گڈھی، (۱۳) جناب مولوی ریاست علی چھانوی، (۱۴) جناب مولوی عبدالحئی راجہ پور سکرور پنشنر ہڈ مدرس ہائی اسکول جبل پور، (۱۵) جناب مولوی ہدایت اللہ پنجابی، (۱۶) جناب مولوی ملا عین الدین ولایتی افغانی، (۱۷) جناب مولوی ابوالبرکات عبدالعزیز دبیر انجمن اہلحدیث، (۱۸) جناب محمد فاروق صاحب ساکن سرکنڈی ضلع سلطانپور، (۱۹) جناب مولوی سید حسن، بانس بریلی (۲۰) جناب مولوی لطف اللہ ساکن بہار موضع توڑا، (۲۱) جناب مولوی عبداللطیف ملکی چک بہار، (۲۲) جناب مولوی محمد عمر صاحب مؤلف ودمغ الباطل علی ادبار اہل العاطل (۲۳) جناب مولوی محمود حسن غزنوی، (۲۴) جناب مولوی محمود الحسن بہاری ملکی چک (۲۵) جناب سید مہدی حسن (۲۶) جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب میرٹھی مرحوم، (۲۷) جناب مولوی عبدالکریم سہارنپور مہاجر مکہ، (۲۸) جناب مولوی احمد منڈراز، (۲۹) جناب مولوی محمد یوسف ضلع ہردوئی (۳۰) جناب مولوی محمد یوسف داماد و بھانجے حضرت مولانا عبدالحئی فرنگی محلی، (۳۱) جناب مولوی حافظ محمد حسن سہسرامی،

صاحب نفحۃ العنبر الکشف مافی نفحۃ النسائم ایضاً تذکرۃ العمائم لاولی العزائم (۳۲) جناب مولوی عنایت اللہ سید ھا سلطان پور اعظم گڈھ (۳۳) جناب مولوی سید عبد المعبود نصیر آبادی (۳۴) جناب مولوی انور قصبہ خواجہ تسکار پور ضلع سہارنپور متعلقین مولانا احمد صاحب سہارنپوری، (۳۵) جناب مولوی احمد صاحب مدراسی (۳۶) جناب مولوی عبد العزیز صاحب پرورسلطان پور، آخر الذکر بزرگ حضرت سید کی آخری کمائی ہیں، ناظرین یہ ہے اس بوریہ نشین کے تلامذہ کی مختصر سی فہرست جہاں نہ اونچے اونچے ہال تھے اور نہ مزین کمرے، نہ آراستہ میزیں تھیں نہ بلند بانگ دعاوی، نہ کوئی پروپگنڈا تھا نہ اخبارات ورسائل کی ہرزہ سرائی، نہ علم دین پر اجرت کا سوال تھا نہ فیس وجرمانے کی رقمیں، نہ ہر سال تبدیلی نصاب تھی نہ خود ساختہ فنی تغیر وتبدل، نہ . . . . . جے کے نعرے تھے نہ قبل از وقت طلبہ کا سیاسیات میں عملی حصہ، نہ فرائض وواجبات کا ترک تھا نہ غیر مذاہب کے عادات واخلاق، پوشش ورسم ورواج کی پابندی، بلکہ وہ ایک چھوٹی سی مسجد تھی جو بظاہر زینت وآرایش سے خالی تھی مگر باطن میں وہ مسجد نبوی صلعم کا پرتو تھی جسمیں خدا کی پنجوقتہ عبادت کے ماسوا درس وتدریس، وعظ وحکم، اسرار وغوامض، سیاست مدن اور تدبیر منزل پر اہم علمی بحثیں ہوتی تھیں اور باہمی نزاع کا فیصلہ بھی مہمانوں کی نشستگاہ اور محمڈن لاکے دفاتر بھی یہیں قائم تھے، غرضیکہ وہ کچھ تھا جو اب بڑے سے بڑے مدارس اور شہنشاہوں کے قصر وایوان میں نہ تھا اور وہ کچھ ان بوریہ نشینوں کے یہاں طے ہوجاتا تھا جو ہائی کورٹ اور پریوی کونسلوں میں نہیں ہوسکتا، یعنی ایک شیخ طریقت اور امام وقت تھا جو ایک ہی وقت میں کتاب وسنت کا ترجمان بھی تھا اور فارابی وابن سینا کے عقدہائے لاینحل کا شارح بھی اطبائے یونان وحکمائے اسلام کے اصول ومبادی کا حافظ بھی تھا اور متکلمین اسلام کا محرم راز بھی میزان منشعبات کا معلم بھی تھا اور اصول وفروع علوم اسلامیہ کا مؤسس بھی، جو نصیر آباد کے ایک گوشہ میں چٹائیوں اور بسا اوقات زمین پر بیٹھ کر پورے نصف صدی قال اللہ وقال الرسول کا وعظ اور امت مرحومہ کی مرثیہ خوانی کرتا رہا رحمۃ اللہ علیہ،

گویا میزان الاعتدال ذہبی وتہذیب التہذیب اور ق حافظ کا

حافظہ و ذہانت اور آپ کا تبحرِ علمی

جس طرح دولت، ثروت، شجاعت و بسالت، سماحت اور شرافت اور حُسن عطیۂ خداوندی ہیں ٹھیک اسی طرح طباعی، ذہانت اور حافظہ وغیرہ خدا کی بخشی ہوئی وہ قوتیں ہیں جو خاص خاص بندوں کو ملتی رہتی ہیں اور جو بحمداللہ حضرت سیّدؒ کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود تھیں جنکا اندازہ آپکے حالاتِ زندگی سے ہوگا'

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ایک ہی استاد کے شاگرد، ساتھ ہی کے تعلیم پائے ہوئے ہیں' ایک وحید عصر اور علامۂ روزگار ہو جاتا ہے، دوسروں کو بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں آتا، ایک مصنف اور امام ہو کر تصنیفات کا انبار لگا دیتا ہے اوروں کو اس کے سمجھنے کی لیاقت تک نہیں ہوتی، جہاں تک تجربہ شاہد ہے ہر صدی میں ایسے نفوس گذرے ہیں جنپر تاریخ ہمیشہ ناز کریگی، کیا حکیم افلاطون نے بجز ارسطاطالیس کے کسی کو علم حکمت کی تعلیم نہیں دی؟ پھر دوسرے ساتھی قیافہ جبر ثقیل وغیرہ نئے علم کے موجد کیوں نہ ہوئے؟ انکا نظام کیوں نہ قائم ہوا، ایسی شہرت اور مقبولیت کیوں نہ نصیب ہوئی؟ ارسطو میں کیا چیز تھی جس کی وجہ سے افلاطون نے اس کا نام عقل رکھا اور ہر سوال کے جواب میں ارسطو کی طرف اشارہ کرتا تھا، یہی حالت شکسپیر موجد ڈراما و بیاس جامع وید کی تھی، بحمداللہ اس کی مثالیں بزرگانِ دین و پرستارانِ اسلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں، محترم سیّدؒ کے دماغ اور سر کی ساخت سے فرنیالوجسٹ[۱] کو اس قدر معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ میں غیر معمولی عقل و فہمیدگی کی قوتیں موجود تھیں، یہی وجہ ہے کہ محترم سیّدؒ کو بہت سے لوگوں کی طرح محنت شاقہ برداشت کرنے کی زحمت نہیں ہوئی، بلکہ واقعات ذیل شاہد ہیں کہ آپ اپنے زمانہ میں عدیم النظیر دل و دماغ حافظہ اور ذہانت کے مالک تھے اور آج تک قوت حافظہ کی شہادتیں نہ صرف اپنے بلکہ غیر دینے پر مجبور ہیں' جنھوں نے آپکے مواعظ سنے ہیں وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کسی مسئلہ کے ثبوت پر کس درجہ دلائل اور شواہد پیش

---

[۱] فن قیافہ ارسطو کی دماغی تحقیقات کا ایک جدید علم ہے جسکو جرمن کے مشہور ڈاکٹر گال نے ایجاد کیا جو ۱۷۵۸ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۲۸ء میں وفات پائی،

فرمایا کرتے تھے، اور کبھی کوئی بات کمزور اور بلا دلیل کتاب وسنت ساری زندگی نہیں فرمائی، حضرت سیّد کا خود بیان ہے کہ میں نے استاد مرحوم کے کتب خانہ[۱] کو تین بار مطالعہ کیا ہے اور اب بحمد اللہ بجائے علم سفینہ علم سینہ کو اپنا سرمایۂ زندگی سمجھتا ہوں، خود حضرت سیّد کا خاندانی کتب خانہ کیا کم تھا، اس کا اندازہ آپ کے مجموعۃ الفتاویٰ وغیرہ تصانیف سے ہو سکتا ہے، آپ کے برادر مکرم مولانا حکیم سید محمد متینؒ شاگرد مولانا محمد محدث تھانوی کا بیان ہے کہ بھائی نے حرف بحرف کامل صحیحین مجھ کو زبانی سنایا تھا، اللہ اکبر آج یہ چیزیں خواب وخیال میں نہیں آسکتیں، ہر طفل دبستاں جسے ایک حدیث بھی مع سند یاد نہیں، وہ آج امام بخاریؒ سے کم اپنے کو نہیں سمجھتا ہے، فن رجال جو مسلمانوں کا سرمایۂ کمال تھا حضرت سیّد اس کے حافظ تھے گویا میزان الاعتدال ذہبی وتہذیب التہذیب کے اوراق سامنے کھلے ہوئے ہیں، محدّث کے نام سے مشہور ہو جانا اور بات ہے لیکن فن حدیث اور اسماء الرجال سے واقف ہونا بدوں خدا داد حافظہ ناممکن ومحال اور حافظ حدیث ہونا تو بڑی بات ہے مگر حضرت سیّد کے یہاں تو یہ حال تھا

رجال اگر پڑھیں تجھ سے جسے شوقِ تفاخر ہو — تواتر میں تو حدّ ہو تو حد میں تواتر ہو

اور صاف لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے،

اس قدر نوک زباں ہے ترے اسماء رجال — گویا ہم صحبت وہم عصر تھے سب نے ید وعمرو

سچ ہے لم تر العیون مثلہ ولم یر ھو مثل نفسہ،

مولانا عبد الحیٔ مرحوم خطیب جامع مسجد رنگون کے عربی استفتا دربارۂ رویت ہلال کا آپ نے جو مجتہدانہ جواب تحریر فرمایا تھا اس پر موصوف نے لکھا تھا کہ "خدا نے آپ کو قوت اجتہاد بخشی ہے" آپ نے تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا بحمد اللہ ۲۵ ہزار حدیثیں یاد ہیں لیکن دعوائے اجتہاد نہیں ہے، سبحان اللہ یہ تھا آپ کا حافظہ جس کی نظیر آج بمشکل مل سکتی ہے آپ کے استاد محترم حضرت مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی فرمایا کرتے تھے کہ شہزادہ محی کو خدا نے عجیب روشن قلب ودماغ بخشا ہے، ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ مولانا بشیر الدین سہسوانی مولانا فرنگی

[۱] مراد کتبخانہ فرنگی محل۔

سے ملنے آئے باتوں باتوں میں تذکرہ درس و تدریس کا آگیا، فرمایا کہ اوروں اور سید میں یہ فرق ہے کہ جیسے ایک چراغ کہ اس میں روغن اور فتیلہ پہلے سے موجود ہو بعینہ یہی حال شہزادہ[له] کا ہے، چنانچہ آپ جب کہیں تشریف لیجاتے تو آپ ہی کو نماز اور وعظ فرمانے کے لئے قائم مقام کر جاتے اور بہت عزت اور محبت کی نظر سے دیکھتے، حالانکہ حضرت سیدؒ سے مسن شاگرد موجود تھے، لیکن یہ منصب صرف آپ کو حاصل تھا، اس عزت و محبت وغیرہ کا اندازہ مولانا فرنگی محلی کے مکاتیب ذیل سے کیا جاسکتا ہے،

(۱) جامع فضائل و فواضل مولوی سید محمد امین صاحب زاد فضلہ پس از سلام مسنون الاسلام ابراز مرام اینکہ محبت نامہ رسیدہ الخ

تحریر بست و سوم ماہ جمادی اولی بروز دوشنبہ ۱۳ھ از لکھنؤ فرنگی محل،

(۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حامداً و مصلیاً از محمد عبد الحیٔ عفی عنہ بجامع فضائل و کمالات مولوی سید محمد امین صاحب زاد مجدہ، پس از سلام مسنون ابراز مرام اینکہ بحمد اللہ مع الخیر بودہ مستدعی الخیر می باشم از عرصہ حال خیریت المہربان معلوم نیست، الخ ۲۴ شوال روز جمعہ ۱۳۰۱ھ،

(۳) از کیائے زماں فاضل دوراں مولوی سید محمد امین صاحب لازالت شموس فیوضہ بازغہ ..... السلام علیکم محبت نامہ رسیدہ مسرور ساختہ ہمیشہ از خیریات خود و اخبار تدریس وغیرہ مطلع ساختہ باشند ... حال مولانا محمد اسحٰق صاحب سال و ماہ و تاریخ ولادت و وفات و ذکر تصانیف و اساتذہ و نسب تا دو سہ پشت از جناب مولوی نذیر حسین صاحب ہر قدر کہ معلوم باشد دریافتہ مطلع فرمائید، و از حال جناب شان نیز والسلام محمد عبد الحیٔ عفی عنہ تحریر، ۱ ذیقعدہ روز دوشنبہ ۱۲۹۶ھ از لکھنؤ فرنگی محل،

(۴) مجمع کمالات صوری و معنوی ۲۴ رسید محمد امین صاحب ...... آپ ہمیشہ اپنے حالات سے و مقام قیام سے اطلاع دیتے رہئے، تعلق ہے، والسلام محمد عبد الحیٔ ۲۴ جمادی الثانی روز پنجشنبہ ۱۳۰۱ھ لکھنؤ،

حضرت سیدؒ کو عربی و فارسی اور اردو کے کئی ہزار اشعار نوک زبان تھے، یہ روایت راقم الحروف

[له] مولانا فرنگی محلی آپ کو اسی نام سے یاد فرماتے تھے،

تک بذریعہ ثقات پہنچی ہے کہ ایک مرتبہ مولوی عبدالخالق خاں موحد راے بریلوی وغیرہ آپکے شاگردوں نے طے کیا کہ لاؤ ایک بیاض میں آپ کی وہ حدیثیں بحذف مکررات لکھ لیجائیں جو آپ اثناے وعظ میں پڑھتے رہتے ہیں، چنانچہ یہ کام شروع ہوا، کئی سال کی پیہم کاوش وسعی سے ۴ ہزار و بروایت ۶ ہزار احادیث مجلس وعظ میں لکھی گئیں اور پھر گھبرا کر یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا، یہ تذکرہ حضرت سیدؒ کے روبرو ہوا مسکرا کر فرمایا لکھتے رہتے تاکہ مجھے بھی اندازہ ہو جاتا کہ کتنی روایتیں محفوظ ہو چکی ہیں، ذہانت کا پتہ حاشیہ مواقف وغیرہ سے اہل علم کر سکتے ہیں کہ آپ کس قدر ذہین تھے اور کیسی رسا طبیعت پائی تھی، بڑے سے بڑے اور پیچیدہ مسئلہ کو حسن خوبی سے سلجھا دیتے تھے، وہ آپ ہی کا حصہ تھا، وعظ اور رنج کی مجلسوں میں حضرت حسان بن ثابتؓ، مولنا رومؒ، حافظؒ، میر دردؒ، غالبؒ، حالیؒ وغیرہ کے اشعار اکثر پڑھتے تھے۔

آپکے تبحر علمی اور وسعت کتب خانہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ شیعہ سنی کے ایک مقدمہ کے سلسلہ میں مذہب اہلسنت والجماعت کے حق ہونے پر حضرت سیدؒ نے کتب امامیہ کے اصول و فروع سے جو ثبوت پیش فرمایا اور ان کی معتمد کتابوں سے مذہب امامیہ پر جو جرحیں کی تھیں اس کا صحیح اندازہ وہی کر سکتے ہیں جو واقعہ میں موجود تھے اور ساتھ ہی اہلسنت کی صداقت پر جن کتابوں اور رسائل کا حوالہ دیا ہے ناظرین کی دلچسپی کے لئے تکسیر التقریر سے درج ذیل ہے، تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل،

سیف[1] مسلول حضرت ثناء اللہ پانی پتی، صواعق[2] محرقہ لابن حجر، نواقض[3] الروافض خواجہ مخدوم، ابطال[4] الباطل لفضل بن روزبہان شافعی، تحفہ[5] اثنا عشریہ، کاشف[6] اللثام، ازالۃ[7] الغین، بصارۃ[8] العین، منتہی[9] الکلام رسالہ[10] مولانا حسین کشمیری، کشف[11] الالتباس، رد[12] انوار بدریہ خواجہ غلام حلیم دہلوی، واہیہ[13] حاطمہ علی من اخرج من اہل البیت الفاطمہ، العجب[14] العجاب، نواقض[15] در رد روافض تالیف محمد شریف حسینی موسوی، ایضاح[16] لطافۃ[17] المقال لصاحب الشوکۃ، طعن[18] السنان، دافع الفتوی، السر[19] الجلیل، وسیلۃ[20] النجاۃ، شوکت[21] فاروقیہ رسالہ[22] شہاب ثاقب، رسالۃ[23] المکاتیب فی رویۃ الثعالب والغرابیب، معرکۃ[24] الارا، رد[25] ذو الفقار

صولت حیدریہ علی المجوس القدریہ، بارقہ[26] ضیغمیہ ملقب بحملہ مختاریہ، صولت غضنفریہ، برہان[27] الخلافہ، اثبات الخرافہ، تبصرۃ[28] الایمان، صراط[29] مستقیم، نقض[30] التبست، انصاف[31]، ازالۃ[32] الخفا، قرۃ[33] العینین، شہادت[34] الکونین، تذہیب[35] السباب، قبقاب[36] لآلی الکذاب، لمحات[37] الثقلین، رد[38] ضربت حیدریہ، صاعقہ[39] حسامیہ، غرۃ[40] الراشدین، رد[41] نزہتہ نقال کشمیری، رجوم[42] الشیاطین، رد[43] صوارم از علامہ ملتانی، تنبیہ[44] السفیہ، مفتاح[45] کنوز خفیہ، حاشیہ[46] تحفہ اثنا عشریہ، نہج[47] السلامہ، کشف[48] الغطا، شرح[49] کشف الغطا از ایزد بخش، رسالہ[50] کشف الغطا للشیخ عبدالعزیز الاکبرآبادی، سواطع[51] مشرقہ مع شرح صواعق از پسر خواجہ نصر اللہ کابلی، صواقع[52] محرقہ، تبئین الحق در رد غرر بہر دو در رد احقاق الحق، نصرۃ[53] الصدیق للشیخ محمد فاخر الہ آبادیؒ، فضائح[54] الروافض، رسالہ[55] مولانا عفیف الدین حسینی در تحریم متعہ، منہاج[56] السنۃ لابن تیمیہؒ،

حضرت سیدؒ دنیا کے عام حالات اور بالخصوص ہندوستان کے واقعات کی جستجو فرماتے رہتے، اخبار خود تو نہ دیکھتے مگر حرف حرف پڑھوا کر سنتے، تعزیرات ہند کے دفعات نوک زبان تھے، بادشاہ و رعایا کے حقوق سے پورے طور پر واقف تھے، جغرافیہ اور حساب جس سے مولویوں کو خاص بغض ہے اس پر بہت زور دیتے تھے، ہندسہ اور اقلیدس سے خاص دلچسپی تھی کبھی کبھی اطباء زمانہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے فرماتے کہ ان بیچاروں کو طب سے کیا علاقہ جو علم ہیئت اور جغرافیہ سے بھی واقف نہیں وہ طبیب کیا علاج کر سکتا ہے جس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ فلاں ملک کس اقلیم میں واقع ہے، اور موسموں میں رد و بدل کے وقت آفتاب و ماہتاب کا کیا اثر عالم پر مترتب ہوتا ہے، آپ کے معلومات عامہ کا سراغ جواب پرچہ امرتسر مورخہ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۱۲ء سے لگتا ہے کہ حضرت سیدؒ نے کن کن حقائق و معلومات کا انکشاف فرمایا ہے جسے بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے، اس موقع پر ایک مدحیہ قصیدہ جناب مولوی عبدالخالق خاں مرحوم موحد رائے بریلوی (شاگرد رشید حضرت سیدؒ) نے لکھا تھا جو دیگر قصائد کے ساتھ مطبوع ہو چکا ہے، قصائد بہت طویل اور فصاحت و بلاغت کا مجموعہ ہیں، جو لوگ اصناف شعر و سخن سے دلچسپی رکھتے ہیں اور ساتھ ہی خدا نے

ذوق سلیم بخشا ہے وہ فیصلہ کرسکتے ہیں کہ مادح کو کس درجہ اس فن سے مناسبت تھی، یہ اور بات ہے کہ بعض جگہ انتہائی محبت وعقیدت کی بنا پر مبالغہ سے کام لیا گیا ہے جو ایک حد تک شعر و شاعری میں جائز سمجھا جاتا ہے، جن کی نظر میں متنبی، ظہیر فاریابی، اور عرفی وغیرہ کے قصائد پر ہیں وہ خود انصاف فرمائیں گے کہ حضرت موحد مرحوم کے کلام میں اتنی زیادتی نہیں ہے کہ جو عیب کے درجہ پر ہو، حضرت موحد مرحوم کو تو شاعری سے جیسا ذوق تھا، مدحیہ قصائد اس کی کھلی ہوئی دلیل ہیں لیکن حضرت سید کو شعر کہنے پر مطلقاً قدرت نہ تھی، حالانکہ ذوق اتنا اچھا تھا کہ ادق سے ادق اشعار کو حل کر دینا اور اس پر نقد و تبصرہ فرمانا معمولی بات تھی، اردو میں خواجہ میر درد، میر مرحوم، غالب اور حالی کے دلدادہ تھے، چنانچہ جنھوں نے وعظوں میں شرکت کی ہے، وہ اچھی طرح واقف ہیں۔

بیعت

کسے کز ملک معنی در رسد خود را بوی بنمائی
که گر بس وانمائی کیمیا را ارمغاں بینی
(عرفی)

جس طرح انسان علوم رسمیہ کے اکتساب میں کسی استاد اور معلم کی ضرورت محسوس کرتا ہے ٹھیک اسی طرح علوم باطنی یا بالفاظ دیگر معرفت اور تزکیۂ نفس کی تحصیل میں ایک مرشد کامل کا محتاج ہوتا ہے، لغوی اعتبار سے بیع کے معنی خریدنے اور بیچنے کے ہیں، اسلام میں یہ بھی ایک قسم کا معاہدہ ہے جس میں استاد یا کسی بزرگ اور صالح کے ہاتھ پر ہاتھ رکھکر اقرار کیا جاتا ہے، اور اس کی پابندی اہم خیال کیجاتی ہے، گویا اس بیعت کرنے والے نے کسی ثواب یا رضائے الٰہی میں اس اقرار کے پورا کرنے کیلئے اپنے کو بیچ ڈالا ہے اسی تلمذ اور معاہدے کا نام بیعت رکھا گیا

حکمتِ بیعت | امت مرحومہ پر خدا کا یہ خاص انعام ہے کہ اس کے ظاہری و باطنی سلسلے اب تک اس کے پیشوا اور ہادی سے متصل ہیں، مانا کہ متقدمین اور متاخرین کے درمیان بعض مسائل جزئیہ میں اختلاف ہو لیکن ازمنۂ اولیٰ میں ارباب سلوک و طریقت کا ارتباط باہمی تعلیم و تادیب، تزکیہ و اصلاح نفس ہی پر منحصر تھا مقصود دونوں کا ایک تھا، تعبیریں مختلف تھیں مسمیٰ ایک تھا نام دو ہو گئے، ؎

عبارا تنا شتی وحسنک واحد
وکل الیٰ ذاک الجمال یشیر

عرض کیا جا چکا ہے کہ بیعت ایک معاہدہ ہے، اسلام میں معاہدہ کی حیثیت ایسی ہے جس کی نظیر دنیا کی کوئی قوم اور آسمانی مذہب پیش نہیں کرسکتا، کتاب وسنت کی تعلیمات اور تاریخی واقعات کافی سے زیادہ موجود ہیں، جس سے معاہدہ کی اہمیت وعظمت پر روشنی پڑتی ہے، اصل یہ ہے کہ اسلام کا بنیادی اصول معاہدہ ہے، چنانچہ اس وقت جبکہ انسانی تخیل کی داغ بیل پڑ رہی تھی، تمام ارواح سے جو عہد وپیمان لیا گیا وہ سب سے پہلا معاہدہ تھا، اسی معاہدہ کی تجدید مختلف صورتوں میں اسلام اور ہادی اسلام نے فرمائی ہے، جس طرح اقرار اور استواری معاہدہ ایک اٹل ومحکم ذمہ داری بلکہ فرائض انسانی وآئین خداوندی ہے، ٹھیک اسی طرح نقض عہد وقانون شکنی بغاوت وسرکشی قرار دیگئی ہے، معاہدہ بندے اور خالق کے درمیان ایک مخفی رشتہ ہے کہ جس کے بدون کوئی کام انجام نہیں پاسکتا، مثال کے طور پر سمجھو کہ جھوٹ کا نہ بولنا، چوری نہ کرنا، کسی کا مال ناحق نہ کھانا، زنا نہ کرنا، کسی کی عزت وناموس کو برباد نہ کرنا، اوامر کا امتثال، اور نواہی سے اجتناب وغیرہ امور آخر کس آئین وقانون کے ماتحت چل رہے ہیں؟ بتاؤ کیا کوئی لشکر وسپاہ موجود ہے، یا کوئی محتسب ونگراں سامنے حاضر ہے جس کے خوف سے کیا جا رہا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ وہ ایک مخفی قول وقرار ہے کہ جس کا پورا کرنا ہماری اندرونی کشش پر مبنی ہے، بیعت بھی ایک معاہدہ ہے، جسے دوسرے نام سے تعبیر کیا گیا، اس چیز کو یوں سمجھئے کہ خدا کا قانون اور اس کی سنت یوں ہی جاری ہے، کہ بہت سے امور خفیہ بذریعہ افعال واقوال نفوس انسانی میں پوشیدہ ومخفی رکھے ہیں، بلاشبہ تصدیق خدا اور رسول ویوم آخرت ایک امر مخفی وکیفیت باطنی ہے لیکن زبان سے اقرار کر لینے کو اس کے قائم مقام تسلیم کیا گیا، محض اس لئے کہ ظاہر باطن کی خبر دے اور زبان دل کے پوشیدہ اسرار کی ترجمانی کرے، یہی ایجاب وقبول ظاہر در رضامندی متعاقدین ہی تو ہے جس پر جملہ احکام بیوع ونکاح نافذ وجاری فرمائے گئے، اسی طرح معاہدہ توبہ وعزم بر ترک معاصی وتمسک بحبل اللہ ایک امر مخفی قرار دے کر بیعت کو اس کی جگہ رکھا اور اس کے جمیع احکامات شرعیہ کا اجرا ضروری قرار دیا، خلاصہ یہ کہ صحابہ وتابعین وائمہ دین میں جس طرح

علوم ظاہری کا افادہ و استفادہ جاری تھا، اسی طرح تزکیۂ نفس بھی وہیں ہوتا تھا جس کے مصالح و حکم پر
اس سے زیادہ روشنی ڈالنے کی چنداں ضرورت نہیں، ع تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل،

ثبوت بیعت | وجود و ثبوت بیعت پیغمبر صلعم سے مستفیض و یقینی طور پر ہے، یہ اور بات ہو کہ چند در چند اختلافات ہو کر نئی نئی اصطلاحیں قائم ہو گئیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ نفس ثبوت بیعت کا انکار ایک معمولی چیز قرار پا گیا حالانکہ یہ بات محققین اہل اصول و علماء فحول کے نزدیک طے ہے کہ جو چیز کتاب و سنت سے ثابت اور اس کی اصل قرآن مجید و احادیث صحیحہ میں پائی جائے اور اس کا خلاف شارع ؑ سے ثابت نہ ہو اور نہ کوئی دوسری آیت و حدیث اس کے معارض ہو، نہ نسخ و تبدیل ہوئی ہو اگر ایک جماعت اس پر عمل چھوڑ دے تو یہ چیز ہرگز قابل اعتنا نہیں ہو سکتی اسی بنا پر اہل حق کے نزدیک بیعت نہ تو فرض ہے نہ واجب بلکہ سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صلعم نے بیعت لی، اور یہ چیز تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہوئی لیکن کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہو کہ بیعت کے تارک کو مستوجب عقوبت قرار دیا جائے یا اسے گنہگار و فاسق مانا جائے، یہاں تک کہ ائمہ مجتہدین و سلف صالحین نے تارک بیعت پر کوئی گرفت و انکار جائز نہیں سمجھا، یہاں پر ایک شبہہ پیدا ہوتا ہے جس کو صاف کر دینا بھی ضروری ہے کیونکہ اس سے صدہا غلطیاں پیدا ہو گئی ہیں، وہ یہ ہے کہ موجودہ بیعت جو آج علماء و مشائخ کے یہاں جاری ہے، آخر اس کا ثبوت کیا ہے؟ جبکہ یہ منصب خلیفۂ وقت کا ہے کیونکہ نہ آج حکومت اسلامی ہے نہ خلیفہ و امیر شریعت، ؟

بلا شبہہ بیعت امارت یا خلافت کا حق امیر یا خلیفۂ وقت و امیر لشکر کو ہوتا تھا یہی امیر یا خلیفہ توبہ اور ترک معاصی پر اقرار بھی لے لیتا تھا، چنانچہ کتب عقائد و کلام میں تصریح ہے کہ امام مجمع علیہ پر بیعت کرنا واجب اور ترک بیعت بغاوت و مستوجب عقوبت ہے لیکن امتداد زمانہ کے بعد جب خلافت سلطنت کی شکل میں تبدیل ہو گئی اور دنیاوی فرمانرواؤں اور دینی مقتداؤں کا دو گروہ جداگانہ قائم ہو گیا تو بیعت توبہ نے حاکم وقت سے منتقل ہو کر دینی مقتداؤں کے دامن تربیت میں پناہ لی، لوگ کسی مقتدائے وقت کے

ہاتھوں پر توبہ کر لیتے وہ بیعتِ توبہ لے لیا کرتا چنانچہ یہی سلسلہ ہندوستان میں ابتک جاری ہے اور اسے ہمیشہ جاری رہنا ضروری ہے، زیادہ تفصیل کے لئے حضرت قطب الاقطاب حجۃ اللہ علی العالمین شاہ ولی اللہؒ کی کتابیں ملاحظہ کیجائیں، اس موقع پر صاحب ریاض المرتاض کی ایک فیصلہ کن تحریر پر اس بیان کو ختم کردینا مناسب ہے

"گویا اہل علم کارخانۂ اسلام وایمان برپا داشتند ومشائخ سلسلۂ احسان جنبانیدند ولکل صحیح ثابت من السنۃ المستفیضۃ[۱]

اقسام بیعت | بیعت کی بہت سی قسمیں کتب تصوف میں مرقوم ہیں لیکن ان پر کوئی زبردست ثبوت کتاب وسنت سے موجود نہیں ہے، ہاں مندرجۂ ذیل اقسام کتاب وسنت مستفیضہ سے ثابت ہیں،

(۱) بیعت امارت یا خلافت وجہاد پر لوگوں نے آنحضرت صلعم سے بیعت کی، حضرت انسؓ غزوۂ خندق کے متعلق روایت کرتے ہیں،

نحن الذین بایعوا محمدًا　　　علی الجهاد ما بقینا ابدا

حضرت سلمہ بن الاکوعؓ ومعقل بن یسار وغیرہ ان ہی میں سے ہیں،

(۲) بیعت توبہ یعنی عزم بر ترک معصیت والتزام حسنات جو سورۂ ممتحنہ کی آیات واحادیث صحیحہ سے ثابت ہے، یہی بیعت علماء اور صوفیہؒ کے نزدیک متفق علیہ ہے،

سلاسلِ بیعت | اوپر گذر چکا ہے کہ امتِ محمدیہ کے ظاہری وباطنی سلسلے ابتک اس کے پیشوا اور ہادی سے متصل ہیں لیکن اس سلسلۂ بیعت میں بعض ایسی بحثیں پیدا ہو گئی ہیں کہ جس میں اہل علم وارباب تحقیق مختلف ہو گئے ہیں، ظواہر رسوم کسی شے کی اصل روح نہیں ہوا کرتیں اسی بنا پر کلاہ وشجرہ حتی کہ خرقہ متعارفۂ صوفیہ بھی بقول حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ،

"ایں خرقہ کہ ترامی دہم کمتر از لتہ زناں حائض نمیدانم مگر آنکہ عادت مشائخ سلف براں جاری است"[۲]

ایک شے محض ہے، اہل علم واقف ہیں کہ حضرات محدثین ومجتہدین کرام وارباب سلوک ہر چیز کو سند بیان کرنے کے عادی تھے جس کے مسالح کے ذکر کا یہ موقع نہیں یہ بحث میرے مضمون "لائل السنن والآثار" کے سلسلہ میں آئیگی

[۱] ریاض المرتاض
[۲] مقامات بجود الاحرار صفحہ ۱۱

بیعت علیہ
سلسلۂ اور حضرت سیدؒ رحمۃ اللہ

حضرت سیدؒ کو پہلے پہل اجازت بیعت اپنے خاندانی چچا حضرت علامہ سید خواجہ احمدؒ سے حاصل تھی اس وقت سیدؒ کی عمر ۱۴ - ۱۵ سال کی تھی اس لئے اصولاً بیعت ثابت ہے کیونکہ یہ سن و سال بہرحال احکامات شرعیہ کے تحمل کا اہل علم کے نزدیک تسلیم کیا گیا ہے، یہانتک کہ بعض مشائخ نے تبرکاً بیعت صغار کو جائز مانا ہے اور اپنے ثبوت میں حدیث مسلم سے استدلال کیا ہے کہ حضرت زبیرؓ اپنے صاحبزادے عبداللہؓ کو جو ۷ - ۸ سال کے تھے خدمت اقدس صلعم میں بیعت کے لئے لائے، آپ متوجہ ہوئے اور تبسم فرمایا اس کے بعد بیعت لی، ؎

برآسمانِ چہارم مسیح بیمار است　　تبسمے ز تو بہرِ علاج می طلبد

لیکن بعد فراغت علوم ظاہری اپنے خاندانی بھائی و شیخ طریقت جناب حضرت مولنا سید ضیاء النبیؒ سے جو قدوۂ ارباب سلوک و مرجعِ خلائق و اصحاب تجرید تھے، جملہ سلاسل کی اجازت حاصل کی تھی، حضرت مولنا سید ضیاء النبیؒ اپنے وقت کے بے نظیر اربابِ قلوب و اصحاب طریقت میں تھے، خاکساری اور تواضع آپ کا مایۂ کمال تھا، آپکے تفصیلی حالات کیلئے ناظرین کو نزہتہ الخواطر مصنفۂ حضرت علامہ حکیم سید عبدالحیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء اور مہر جہانتاب مؤلفہ مولنا حکیم سید فخرالدینؒ کا مطالعہ کرنا چاہئے،

حضرت سیدؒ کو ایک اور سلسلہ سے بھی اجازت تھی اور وہ سلسلہ یہ ہے،

حضرت عارف باللہ خواجہ فیض اللہ اورنگ آبادی خلیفہ حضرت خواجہ سید احمدؒ و مولانا خواجہ احمدؒ کو اپنے والد ماجد حضرت مولنا حضرت سید محمد یٰسینؒ و حضرت شاہ یار محمدؒ سے اور ان دونوں کو حضرت نجم الہدیٰ نصیر آبادی سے اور انھیں حضرت شاہ محمد یحییٰ جائسی سے اور انھیں قطب دائرۂ ولایت حضرت سید محمد عدل عرف حضرت شاہ لعل سخینؒ اور ان کو اپنے والد ماجد حضرت سید محمدؒ سے اور انھیں بھی اپنے والد ماجد قدوۃ العلماء الراسخین زبدۃ الاولیاء الکاملین آیۃ من آیات اللہ حضرت مولانا شاہ محمد علم اللہ نقشبندی مجددیؒ سے اور انھیں حضرت

سیّد آدم بنوری سے اور ان کو حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ سے، الخ

تیسرا سلسلہ اس طرح پر مرقوم ہے، حضرت سیّدؒ کو حضرت مولانا خواجہ احمد سے اور انھیں حضرت مولانا سید محمد نصیر آبادیؒ سے اور انھیں امام اوحد حضرت سید احمد مجدد مائۃ ثالث عشر اور حضرت موصوف کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ الخ سے،

امر بالمعروف والنہی عن المنکر اور حضرت سیّدؒ

بدقسمتی سے جہاں مسلمانوں نے بہت سی دینی و دنیوی فرائض کو ترک کر دیا اور خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق بنے ہوتے ہیں وہاں امر بالمعروف و نہی عن المنکر جیسے عظیم الشان فریضہ سے وہ ایسے غافل نظر آتے ہیں گویا انھیں اس سے دور کا بھی علاقہ نہیں لیکن درحقیقت یہی چیز اسلامی تعلیمات کی روح اور دین حنیف کی نمایاں خصوصیت ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے دیگر ادیان و ملل کی تاریخ قاصر ہے، صدر اول کے مسلمانوں نے جس طرح اس فریضہ کی ادائگی میں جانفروشانہ جہاد کیا، اور ان کی بے باک زبانوں نے اظہار صداقت اور اعلاء کلمۃ الحق میں فرعون جیسی حکومتوں کے سامنے بھی خاموش رہنے سے انکار کر دیا، آج متعصب سے متعصب دشمن اسلام بھی اس کے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا اور حق تو یہ ہے کہ صدق و ایمان کی قربانگاہ آج تک ان کے خون کے چھینٹوں سے رنگین ہے، جسے دیکھکر بھی ہمیں عبرت نہیں ہوتی، ہم آگے چل کر کتاب و سنت کی روشنی میں نیز صحابہ و تابعین اور ائمہ اسلام کے اقوال وافعال سے اس سلسلہ کی حقیقت کو واضح کرینگے، تاکہ اپنی پستی کا ماتم کرنے والے مسلمان عبرت کی آنکھوں سے اسے پڑھیں اور پھر اپنے گریباں میں منھ ڈال کر دیکھیں کہ ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا،

لفظ معروف و منکر محتاج تشریح نہیں، قرآن نے بارہا ان الفاظ کو دہرایا ہے، آیات کے استقصا کا یہ موقع نہیں، مختصراً یوں سمجھنا چاہیے کہ معروف ہر وہ فعل جو عقل یا شرع کی نظر میں مستحسن قرار پائے اور منکر جو عقلاً یا شرعاً مذموم ہو، ایجازاً معروف کو نیکی اور منکر کو بدی سے تعبیر کیا جاتا ہے، تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر واجبات شرعیہ میں سے ہے، گو کیفیت میں اختلاف ہے کہ کیونکر اس پر عمل کیا جائے

بہرحال جزئیات کی تفصیل کا یہ موقع نہیں (علامہ ابن حزمؒ کی ملل ونحل اور امام ابوبکر رازی حنفیؒ کی کتاب احکام القرآن وغیرہ میں اس موضوع پر شرح وبسط کے ساتھ بحث کیگئی ہے) لیکن یہ حقیقت آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہے کہ یہی ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر نقد ایمان کو صحیح طور سے پرکھا جا سکتا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے، من رائ منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ الخ (حدیث مذکور کو آگے چل کر اصل الاصول تسلیم کرتے ہوئے مسئلہ کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی جائے گی) علاوہ ازیں قرآن حکیم نے بھی اس فریضہ کی ایسی ہی اہمیت دی ہے،

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران) — تم سب امتوں سے بہتر ہو جو عالم میں بھیجی گئیں، اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو

امت مسلمہ کو خیر الامم ہونے کا فخر ضرور حاصل ہے لیکن کیا آپ نے کبھی اس حقیقت پر بھی غور کیا ہے کہ یہ شرف و امتیاز اسے کس خدمت کے صلہ میں عطا کیا گیا ہے؟ آیت مذکورہ کے سیاق کلام اور اسلوب بیان پر نظر ڈالئے تو ابھی یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جس فرض کو انجام دینے کے لئے انبیائے کرامؑ سے میثاق لیا گیا اس کی ذمہ داری پوری کسی امت پر ڈالی جائے تو بھلا وہ امت خیر الامم کے خطاب سے کیونکر سرفراز نہ کیجائے لیکن کیا آج بھی یہ قوم اپنے کو خیر الامم کہلانے کا استحقاق رکھتی ہے؟ بلکہ اسکے مستحق تو وہ لوگ تھے جنکے بارے میں ارشاد رب العباد ہے

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ — یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ہم اگر ارض کعبہ میں تمکن عطا کریں تو (کفر ولحد کے بجائے) وہ نماز قائم کرینگے اور حق زکوٰۃ ادا کرینگے نیکی کی تلقین کرینگے اور برائی سے منع کرینگے اور تمام کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے،

پھر دوسری جگہ خدا نے مومنین کے امتیازی اوصاف اور معیار ایمان اسی چیز کو قرار دیا ہے، فرماتا ہے،

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ — مومن مرد اور مومنہ عورتیں ایک دوسرے کیلئے دوست و مددگار ہیں، وہ نیکی کا حکم کرتے اور بدی سے روکتے ہیں، نماز قائم رکھتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور رسول کے حکم پر چلتے ہیں

الزَّکٰوۃَ وَیُطِیۡعُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ اُولٰٓئِکَ یہی لوگ ہیں جن پر خدا رحم فرمائے گا، بے شک اللہ
سَیَرۡحَمُہُمُ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ (التوبۃ) زبردست ہے حکمت والا،

یہ تو عام امت کے ایمان و اسلام کی ایک مشترک حقیقت بیان کردی گئی لیکن اس مبدءِ فیض و رحمت کو جس نے "اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا"، کا آخری اور قطعی اعلان کردیا تھا، دینِ الٰہی کے قیام اور شریعت حقہ کی بقا کا کچھ ایسا اہتمام مدنظر تھا کہ عام مسلمین کو اس نے حکم دیا کہ اس فریضہ کی تبلیغ و اشاعت میں اپنی اپنی زندگیاں وقف کردیں اور اپنے سازِ ہستی کے ہر ہر تار کو اعلاءِ کلمۃ الحق' امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا پیکرِ مجسم بنادیں، زندگی کی سرتیں ہوں تو اسی خمارِ عشق کی کیف آوری میں' موت آئے تو اسی کی تمنا و آرزو میں، کیونکہ اس سے بڑھ کر انسان اور انسانی زندگی کا کوئی مصرف نہیں' اس سے بلند و برتر عزت و سعادت کا کوئی زینہ نہیں' اس سے آگے کامرانیِ حیات کی کوئی منزل نہیں،

وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ (آل عمران) اور تم میں سے وہ جماعت ہونی چاہئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتی رہے اور برائی سے روکتی رہے اور یہی لوگ بامراد ہیں

آئیے ایک قدم اور آگے بڑھئے خود مقتدائے عالم کے بارے میں خُذِ الۡعَفۡوَ وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰہِلِیۡنَ کا خداوندی ارشاد ہوتا ہے کہ سب کچھ ہو لیکن امر بالمعروف میں جو رسالت کا اصلی نصب العین اور بعثت کی تنہا غرض و غایت ہے کسی طرح کوتاہی نہ ہو، یہ حکم اس وقت ہوتا ہے جب حق و صداقت کی مظلومی پر خود قدرت کو رحم آرہا تھا خدا کی زمین پر چند دلوں کے سوا اس کا کہیں نشیمن نہ تھا اور اسے بھی ظلم و استبداد کی آندھیاں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر تاراج کررہی تھیں' ایمان و اسلام کا نام لینے کی سزا کفر و شرک کی بے رحم حکومت میں سوائے موت کے اور کچھ نہ تھی حتیٰ کہ خود پیغمبر عالم کے چچاؤں اور بھائیوں کی خون آشام تلواریں اسی معصوم خون کی پیاس میں ہمیشہ زبانیں نکالے رہتیں، عالم امکان

کا وہ کونسا دردناک عذاب تھا جسے ان خونخوار درندوں نے نہ ڈھایا ہو لیکن فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کی غیر معمولی عزیمت نے اس ہنگامۂ شر و فساد کو اس طرح فرو کیا جس کی نظیر دنیا کی ان آنکھوں نے شاید کبھی دیکھی

بس یہی اسوۂ نبوت ہے انسان کے قلب میں ایمان کی جتنی طاقت ہوگی اسی قدر وہ ابتلاؤں اور آزمائشوں کی اس صبر آزما راہ میں ثابت قدم رہ سکتا ہے، اور جادۂ حق پرستی میں وہیں تک گامزن ہو سکیگا جہاں تک اسوۂ نبوت کا یہ نورِ ہدایت اس کے دیدۂ اعتبار کو جلا بخشے، چنانچہ آفتاب نبوت کے اسی نور نے جب امام احمد بن حنبلؒ کے قلب کو منور کیا تو اس پیکرِ صدق و صفا نے جابرۂ بدعت کے ظلم و استبداد کی شر و فساد کی تمام تاریکیوں کو مٹا کر چھوڑا، حکومت وقت کی فتنہ سازیوں نے علماء کے لئے دو ہی راستے چھوڑ رکھے تھے یا تو خلق قرآن کا اقرار کر کے دین کو ہمیشہ کیلئے بدعات و محدثات کی جولانگاہ بنا دیں یا بے رحم جلادوں کی ننگی تلواروں کو رنگین بنانے کے لئے اپنا ایک ایک قطرۂ خون وقف ستم کر دیں، یہ وہ وقت تھا جبکہ حق و باطل کا فیصلہ ہونے والا تھا دینِ الٰہی کی بقا ایک عظیم الشان قربانی کی طلبگار تھی، چنانچہ صبر و استقلال ایمان و اتقا اور عزیمت و استقامت کا یہ پاک فرشتہ آگے بڑھا اور اپنی روحانی طاقت سے باطل کے سر پُر غرور کو پاش پاش کر دیا، وہ پشت جو علوم نبوت کی حامل تھی بے خطا کوڑوں کا نشانہ بن رہی تھی بارگاہ قدس میں ہلچل پڑ گئی، حملۃ العرش کانپ اٹھے، عبرت کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے لیکن قدرت خاموش مسکرا رہی تھی کہ انہیں ظلمات سے آفتابِ ہدایت کا نور پھوٹنے والا ہے، بالآخر وہی ہوا جس کا قانونِ الٰہی مقتضی تھا، "جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ" تاریخ اسلام کا یہ ایک جزئی واقعہ تھا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان ہی پاک نفوس کے خونِ دل کی آبیاری سے گلشن اسلام ہمیشہ ہرا بھرا رہا ہے، بس یہی ہے اسوۂ محمدی اور امر بالمعروف کی حقیقی تعمیل، خدا نے ایمان کی اسی طاقت کو "عزیمت" سے تعبیر کیا ہے،

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ

اے جانِ پدر نماز قائم کر نیکی کی تلقین کر اور برائیوں سے لوگوں کو روکو اور اس راہ میں جو مصائب جھیلنے پڑیں

ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ، انکا پامردی کیساتھ مقابلہ کرنا بیشک بڑے کام ہیں آزما اور عزیمت طلب ہے ،

اب یہ حقیقت محتاج تعارف نہ رہی کہ جس طرح سونے کو آگ پر رکھنے سے اسکی اصلیت آشکارا ہو جاتی ہے ٹھیک اسی طرح آزمائشوں میں پڑکر ایمان وادعائے حق پرستی کی بھی حقیقت معلوم ہو جاتی ہو کہ قدم قدم پر مصائب و آلام کا استقبال کرنا پڑتا ہو لیکن اگر وہ اپنے سینہ میں ایمان کا صحیح جذبہ رکھتا ہو تو بڑی سے بڑی آزمائش بھی اس کے ارادہ میں کمزوری نہیں پیدا کر سکتی اور ایک توحید پرست مومن کامل کی یہی شان ہو،

موحد چہ در پائے ریزی زرش | چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نہ باشد زکس | براین است بنیاد توحید بس

چنانچہ مراتب ایمان کی بنا بھی شارع علیہ السلام نے اسی چیز پر رکھی ،

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان ، (مسلم)

تم میں سے جو شخص برائی دیکھے اسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے دور کردے اور اسکی استطاعت نہیں تو زبان سے روکے اگر اسکی بھی طاقت نہیں تو کم از کم دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین رتبہ ہے ،

حدیث مذکور جہاں امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر کاربند ہونے کا طریقہ پیش کر رہی ہے وہاں اس حقیقت کو بھی واضح کر رہی ہو کہ جب ایمان بکف مدعی اسلام کے مردہ قلب میں ایمان کی اتنی روح بھی نہیں کہ منکرات و منہیات کا علانیہ مشاہدہ کرے لیکن اگر ہاتھ یا زبان سے نہیں دفع کر سکتا حتی کہ دل سے بھی اس پر نفرین نہیں بھیجتا، اس سے بڑھکر ننگ ایمان کون ہوگا وہ مومن نہیں بلکہ اسلام کی پیشانی کا داغ ہے جس کے سینہ میں نہ تو نور ایمان کی جھلک ہو نہ اس کی روح بادۂ اسلام کی ذوق آشنا، چنانچہ ایک دوسری حدیث میں تصریح مذکور ہے

"مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں مبعوث کیا، مگر اسی کی امت میں سے اس کے لئے حواری اور اصحاب بنائے جو اس کی سنت کو اختیار کرتے اور قدم بقدم اس کی اتباع کرتے پھر ان کے بعد ناہنجار پیدا ہوئے، کہتے جو کرتے نہیں اور کرتے جن کا انھیں حکم نہیں دیا گیا، پس جس نے ان سے

ہاتھ سے جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے زبان ہی سے حق جہاد ادا کیا وہ بھی مومن ہے اور جس نے محض دل ہی سے اس فرض کو پورا کیا وہ بھی ایمان کے دائرہ میں ہے لیکن اس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں۔

گویا جہاد یا امر بالمعروف اور ایمان ایک ہی حقیقت کی دو مختلف تعبیریں ہیں،

اب تک تصویر کا ایک رخ تو آشکارا ہو چکا، آؤ دوسرے رخ کا عکس بھی حقیقت کے آئینہ میں دیکھیں کہ امر بالمعروف کا ترک کن ہلاکتوں اور بربادیوں کا پیش خیمہ ہے، اس راز کی تفسیر قوم یہود سے پوچھو جن پر آسمان نے لعنت برسائی جن کے لئے زمین تنگ ہو گئی جن سے خدا کی رافت و رحمت روٹھ گئی، جنھیں ان کے رب نے مغضوب کیا، جنھیں قدرت نے محض ایک سرمایۂ عبرت سمجھ کر دنیا والوں کے لئے رکھ چھوڑا ہے، جن کیلئے حضرت داؤدؑ کا ترانۂ صداقت بھی ذلت کا پیغام ثابت ہوا جن کے مرض کی شفا بخشی سے ناصرہ کے اسرائیلی پیغمبر کی مسیحائی بھی عاجز و درماندہ رہی اور بالآخر لسانِ غیب کے "قول فیصل" نے ان کی محرومیوں کی داستان غم اور ابدی شقاوتوں کا افسانۂ عبرت یوں سنا دیا،

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ؀	بنی اسرائیل میں سے جنھوں نے کفر کیا داؤدؑ و عیسیٰؑ کی زبانوں سے اُن پر لعنت کیگئی، اس لعنت کی وجہ محض یہ تھی کہ انھوں نے نافرمانی کی اور حد اعتدال سے تجاوز کر گئے تھے یعنی جن منکرات کا وہ ارتکاب کرتے تھے (انکی روح ایمان اس درجہ مردہ ہو گئی تھی کہ) آپس میں ایک دوسرے کو منع بھی نہ کرتے تھے،

آیت مذکورہ کے اسلوب بیان سے صاف ظاہر ہے کہ نہی عن المنکر کو فراموش کر دینا کسی قوم کے انتہائی تمرد و سرکشی کی دلیل ہے اور فطرت الٰہی اپنی سنت کے مطابق ایسی قوموں کو برباد کر دیتی ہے جو قوانین فطرت کو پس پشت ڈال دیتی ہیں، میزانِ عدل و قسط کو پامال کر دیتی ہیں، راہ حق و صراط مستقیم سے منحرف اور برگشتہ ہو جاتی ہیں، اور بالآخر فطرت کا پاک جوہر فنا ہو جاتا ہے، متاع دنیوی کی دلفریبیوں پر روح

مفتوح اور دل نثار ہوجاتا ہے نفس کی محبت دل کی آنکھوں پر غفلت کی پٹی باندھ دیتی ہے، لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ۔

اور پھر سیاہ و سفید کی تمیز اٹھ جاتی ہے، خیر کو شر اور شر کو خیر کے لباس میں دیکھنے لگتا ہے، وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ، اور یہی ظلم و جور، تمرد و طغیان، خود غرضی و ہوائے نفس اور کفر و نفاق کی آخری سرحد ہے

اَلْمُنَافِقُوْنَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ — منافق مرد اور منافق عورتیں سب آپس میں ایک ہیں جو بری یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ — باتیں بتاتے اور اچھی باتوں سے منع کرتے ہیں،

اور پھر اس ظلم و تعدی یعنی امر بالمنکر و نہی عن المعروف کا فطرت الٰہی یہ جواب دیتی ہے،

وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ — جو لوگوں کو برائیوں سے روکتے تھے انھیں ہم نے نجات دی
اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ — لیکن ظلم کرنے والوں کو ایک برے عذاب میں گرفتار کر کے
بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ، — ہلاک کر دیا، کیونکہ وہ فسق و فجور کے بندے تھے۔

ظلم یعنی فسق و فجور کو علی سبیل التقابل النہی عن السوء کے ساتھ بیان کر کے یہ حقیقت عریاں کر دی کہ امر بالمعروف کا ترک فسق اور نتیجہ عذاب الٰہی کو چیلنج دینا ہے، دیکھو حدیث ذیل کیا ناطق فیصلہ کرتی ہے،

"قسم ہے اس ذات کی جس کی مٹھی میں محمد کی جان ہے، تم ضرور نیکی کی ترویج و تلقین کرنا برائیوں سے روکنا، ورنہ قریب ہوگا وہ وقت کہ خدا تم پر عذاب مسلط کر دیگا، اس وقت تم دعائیں کرو گے لیکن قدرت اسے قبول کرنے کو تیار نہ ہوگی"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ لوگ اسی وقت ہلاک و برباد ہونگے جب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے وقت طرح طرح کے حیلے اور بے اصل عذر تلاش کرنے لگیں گے گویا حیات ملی کا راز انہی دو نقطوں میں پوشیدہ ہے، حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں سے مخاطب ہو کے فرمایا،

"اے لوگو تم آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ الخ پڑھتے ہو؟ میں نے رسول اللہ صلعم

سے سنا ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب لوگ برائیوں کو دیکھ کر اسے دور نہ کریں تو عنقریب ان پر عذاب کا طوفان آجائیگا جو خشک و تر کو بہالے جائیگا"

ان کے علاوہ متعدد روایتیں ہیں جو حقیقت مذکورہ پر مزید روشنی ڈالتی ہیں لیکن تطویل بحث کے خوف سے دامن تحریر سمیٹتا ہوں

تنبیہ ہاں یہ یاد رہے دوسروں کو نیکی کی شاہراہ بتانا ہی ایمان و اسلام اور نجات دارین کی دلیل نہیں بلکہ اَتَامُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ الآیۃ کی وعید بھی سامنے موجود ہے، احادیث میں آتا ہے کہ دوزخ میں بعض لوگ ایسے ہونگے جن کے لب آتشیں مقراضوں سے قطع کئے جائیں گے، تمام دوزخی حیرت و استعجاب میں پوچھینگے کہ آپ تو ہمیں نیکی کی تعلیم کرتے اور برائی سے روکتے تھے، آج یہ حال کیوں ہے؟ جواب دیگا، افسوس تمھیں تو میں حق پرستی و راستبازی کی تعلیم دیتا تھا، مگر خود اپنا عمل اس کے خلاف تھا۔

ان تمام نصوص قرآنیہ اور سنن مطہرہ کو سامنے رکھکر خود غور کرو تو معلوم ہوگا، ایمان، عمل صالح اور امر بالمعروف ایک ہی حسن حقیقت کی مختلف جلوہ گاہیں ہیں، ممکن نہیں ان میں سے ایک کا وجود ہو اور نقیض کا نہ، مزید اطمینان چاہتے ہو تو لوح محفوظ کے ان غیر فانی قرآنی نقوش کو بھی پڑھ لو،

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا — زمانہ شاہد ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے لیکن ہاں وہ لوگ جو
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا — صاحب ایمان ہیں ان کے اعمال صالح ہیں، حق، اور صبر
بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر) — کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے ہیں،

انسانی فوز و فلاح کی کیسی جامع و مانع تعریف کی ہے فلاح و نجات اور خسران کی سرحدیں الگ کردیں، حد فاصل ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق و بالصبر کو قرار دیا ہے جسے تم امر بالمعروف سے بھی تعبیر کرسکتے ہو

انبیاء کا طریقہ امر بالمعروف انبیاء علیہم السلام کا اسوۂ حسنہ بالعموم جبر و تشدد نہیں رہا ہے، حق کی تعلیم ہمیشہ رحمت بنکر آئی، عفو و بخشش اور محبت کے لباس میں نمودار ہوئی فطرت کے حسن حقیقی پر پڑے ہوئے کفر و عصیان کے تاریک پردے ہمیشہ لطف و ترحم کے نازک ہاتھوں سے اٹھائے گئے، جب خدا نے اپنے مقدس پیغمبر کو

فرعون مصر کے دربار میں اعلان حق اور تبلیغ رسالت کے لئے بھیجا تو ہدایت کی ﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ﴾ "تم نرمی سے گفتگو کرنا شاید فطرت کا بھولا ہوا سبق یاد کرے اور معبود حقیقی کی خشیت اس کے دل میں پیدا ہو، اسی طرح خدا کا آخری مصلح و پیغامبر بھی جب اس بگڑی ہوئی دنیا کو سنوارنے کیلئے ﴿شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ﴾ کا اعلان کرتا ہوا آیا تو اس کے ہاتھ میں بھی اسی عفو و کرم اور رحمت و رأفت کا کیمیاوی نسخہ تھا،

اقسام امر بالمعروف | اس موقع پر امام ابن قیمؒ نے ایک اہم حکیمانہ بحث فرمائی ہے جس کا ذکر کر دینا بہت ضروری ہے، چنانچہ فرماتے ہیں

"انکار منکر کے چار درجے ہیں، پہلا درجہ یہ ہے کہ منکر کو زائل کر کے اس کی جگہ معروف کو قائم کر دیا جائے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ منکر کو بالکلیہ زائل نہ کیا جا سکے تاہم اس کو گھٹا دیا جائے، تیسرا درجہ یہ ہے کہ ایک منکر کو اس طرح مٹایا جائے کہ ویسا ہی دوسرا منکر اس کی جگہ قائم ہو جائے، چوتھا درجہ یہ ہے کہ ایک منکر کو مٹانے کی کوشش میں اس سے بدتر منکر قائم ہو جائے،

ان میں سے پہلے دونوں درجے تو مشروع ہیں، اور جب ان دونوں میں سے کسی کی امید ہو تو انکار منکر ضرور کرنا چاہئے، تیسرے درجہ میں اجتہاد کا موقع ہے، رہا چوتھا درجہ تو وہ ممنوع ہے، مثال کے طور پر اگر تم دیکھو کہ اہل فجور و فسوق شطرنج کھیل رہے ہیں تو ان کو محض زجر و توبیخ کرنا حکمت اور بصیرت کے خلاف ہوگا، عقلمندی یہ ہے کہ ان کو ایسے کھیل میں لگاؤ جو خدا اور رسول کو پسند ہے، مثلاً تیراندازی اور گھوڑدوڑ وغیرہ، ایک جگہ تم دیکھتے ہو کہ فساق کا مجمع ہے اور لہو و لعب ہو رہا ہے، یا رقص و سرود کی محفل گرم ہے، اگر تم ان کو کسی تدبیر سے عبادت یا فعل خیر کی طرف منتقل کر سکتے ہو تو ضرور کرو، لیکن اگر ان کو منتشر کر دینے کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ اس سے بدتر کاموں کیلئے فارغ ہو جائیں تو ان کو اسی چھوٹے درجہ کے فسق میں مبتلا رہنے دینا زیادہ بہتر ہے کہ وہ چھوٹی برائی ہی ان کو بڑی برائی سے روکے ہوئے ہے، ایک شخص کو تم دیکھتے ہو کہ افسانہ و مزاح کی کتابیں پڑھ رہا ہے اگر اس کو ایسی چیزوں کے مطالعہ سے منع کرنے کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ بدعت اور گمراہی اور سحر کی کتابیں پڑھنے لگے تو اس کو افسانہ و مزاح ہی میں چھوڑ دینا اولیٰ ہے،

متمنی تھے، بڑی آرزو آپ کی یہ تھی کہ ہندوستان میں اسلام کی مٹی ہوئی سنتوں کو دوبارہ فروغ حاصل ہو اور مسلم گم گشتہ کسی طرح راہ راست پر آجائے، چنانچہ اشاعت دین کی خاطر تبلیغی دوروں سے آپ کبھی دریغ نہ فرماتے اور اس راہ میں جو مصائب اور دشواریاں اثنائے کار میں پیش آتیں انھیں صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرتے تھے، سفر بھی بموجب حکم خداوندی ایک عبرت آموز شے ہے، کیونکہ بدوں سفر کئے انسان کے اندر تجربہ، معلومات اور اخلاقی وسعت پیدا ہو نہیں سکتی، بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ سفر تبلیغ احکام دین کا واحد ذریعہ ہے، ہزاروں نہیں لاکھوں انسانوں سے تبادلۂ خیال کا موقع ملتا ہے، اور ساتھ ہی ان مشتاقانِ زیارت کو جو سفر کی زحمتوں کو گوارا کرنے سے معذور ہیں آنکھوں سے دیکھ کر عمل کا راستہ ہاتھ آتا ہے،

سفر برہما — حضرت سیدؒ یوں تو ہندوستان کے دور افتادہ خطوں، شہروں اور اسلامی آبادیوں کے اندر اصلاحی دورے کیا ہی کرتے تھے جس کا ذکر آگے آئیگا، آپ بلا قصد و ارادہ پرتاب گڈھ و سلطانپور کے دورہ کے سلسلہ میں کلکتہ روانہ ہو گئے کلکتہ پہنچکر بارک پور کی چھاونی میں قیام فرمایا اور وہاں کی مشہور چیزیں ملاحظہ فرمائیں اور اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں سرگرم عمل رہے، برما کے مسلمانوں کی زبون حالی اور بے حسی کا علم آپ کو بارہا ہوتا رہا عقیدتمندوں کی تحریک اور پیہم اصرار سے آپ کی توجہ سرزمین برما کی طرف منعطف ہوئی اور یک بیک آپنے رنگون جانے کا فیصلہ کر لیا، پاس لے لیا گیا اور جہاز میں پہنچکر مصلی بچھا دیا گیا اور درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری ہو گیا، آپ کا یہ سفر باختلاف روایت ۱۹۰۳ء یا ۱۹۰۴ء میں ہوا، کلکتہ سے بعض حضرات نے رنگون تار دیدیا کہ حضرت سیدؒ رنگون تشریف لیجا رہے ہیں،

بعزم مرحلۂ عشق پیش نہ قدمے — کہ سودہا بری ار ایں سفر توانی کرد

جب حضرت سیدؒ نے ساحل رنگون پر قدم رکھا ہے تو اہالیان کے جوش و خروش کا ایک عجیب منظر تھا وہ دن وہاں کی تاریخ کا ایک یادگار دن تھا، ایک گدائے بے نوا جو بظاہر ایک بوریہ نشین تھا مگر حقیقت کے اعتبار سے اقلیم فقر و قناعت کا آخری تاجدار تھا، جو نہ کسی تحریک خاص کا علمبردار تھا نہ سیاسیات ہند کی

ہنگامہ آرائیوں کا مسند نشین، پھر بھی مشتاقانِ زیارت اور رنگون کے دولتمند طبقہ کا انبوہ کثیر پیش پیش تھا یہ رؤسائے شہر و ارباب ثروت جن توقعات کو لیکر استقبال کے لئے بڑھے تھے انھیں کیا معلوم تھا کہ یہی چیز ان کے لئے سخت آزمایش کا سبب بنجائے گی، آپنے کاروں اور مکلف سواریوں کو ترک فرما کر ایک معمولی سواری کے ذریعہ ریلوے کاندو بستی جہاں آپکے ارادتمندون کی ایک جماعت تھی قیام فرمایا، رنگون میں سلطان پور، پرتاب گڈھ، رائے بریلی کے اضلاع کے مسلمان زیادہ تر ریلوے کمپنی میں ملازم ہیں انہی تقریب سے آپ کا قیام انہی کے یہاں ہوا کیونکہ ضلع اعظم گڈھ، جونپور اور اضلاع مذکورۂ بالا کے مسلمان حضرت سیدؒ کے خاص معتقدین میں ہیں، آپ کی قیامگاہ پر طالبانِ دیدار اور مخصوص عقیدت مندوں کے ماسوا عوام الناس اور بڑے طبقہ کے لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی، آپ اپنے اسی مشہور انداز بیان اور دلنشین طرز موعظت سے لوگوں کو ہدایت فرماتے اور سنت نبوی کی دعوت دیتے تھے، بالخصوص احکام شرعیہ میں حضرت سیدؒ نہایت متشدد تھے چنانچہ اس تشدد کا اظہار بارہا اثنائے سفر میں بھی ہوتا رہا، مثلاً رنگون کی مساجد اپنی وافر ثروت اور آمدنی کی کثرت کے باعث ہمیشہ مزین اور جدید مغربی سامان تزئین و آرایش بجلی کے پنکھوں اور قمقموں، جھاڑ، فانوس، نمایشی قالین اور دیگر سامان سے بے حد آراستہ رہتی ہیں، مسجد کے اندر داخل ہوتے ہی بجائے یکسوئی خاطر حاصل ہونے اور خشوع و خضوع میں منہمک ہونے کے مصلی کچھ اور ہی طرف مائل ہو جاتا ہے، اور ایک ناجائز قید یہ کہ متولی کی اجازت حاصل کئے بغیر کوئی عالم وہاں وعظ بھی نہیں کہہ سکتا، اسی حیثیت سے جامع سورتی کو خاص اہمیت حاصل ہے، جس میں سب سے بڑی جماعت ہوتی ہے، اور مسجد کی آمدنی کے ہزاروں روپیے سرکاری بنکوں میں پڑے ہوتے ہیں،

رنگون میں حضرت سیدؒ کا پہلا جمعہ

حضرت سیدؒ کے جمعہ کو وہی خصوصیت اور اہمیت حاصل تھی جو خلفائے اسلام اور اکابر علمائے سلف میں خاص خاص کو، رنگون میں چند دن قیام کے بعد جمعہ آ ہی گیا، پبلک کا اصرار ہوا کہ آپ جامع سورتی میں جمعہ ادا فرمائیں اور حسب معمول وعظ بھی کہیں، مگر آپنے صاف

انکار کر دیا کہ "میں اس مسجد میں جو صنمکدوں کی طرح آراستہ کیگئی ہو، ہرگز نماز نہیں پڑھ سکتا، ایسی مسجد جس میں خدا اور خدا کے رسول کا حکم بغیر اجازت متولی نہین سنایا جاسکتا وہ خانۂ خدا نہیں" حضرت سیدؒ نے پہلے ہی سورتی مسجد کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ "یہ مسجد ہے یا شداد کا محل" اللہ اکبر یہ تھی حق و صداقت کی صدا ورنہ اکثر دیکھا اور سنا بلکہ کتابوں میں پڑھا تک گیا ہے کہ علماے سوء دولتمندوں کے ناجائز دباؤ سے ناجائز امور کو جائز کر کے پیش کر دیا کرتے ہیں اور کبھی کبھی اس کی وجہ سے عظیم الشان فتنے کھڑے ہوجایا کرتے ہیں، رنگون بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھا چنانچہ وہاں کا ایک مشہور نزاعی مسئلہ (جواب تک باعث نزاع ہے) یہ ہے کہ زکوٰۃ کے روپئے مسجد کی تعمیر یا اس کے کسی کام میں خرچ ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب صاف ہے، دولتمند متولیان مسجد کی روپہلی مصلحتوں نے وہاں کے مقیم علمار کو مجبور کیا کہ وہ جواز کا فتویٰ دیدیں ان علمار میں سے بعضون نے ایسا کرنا گوارا نہ کیا مستعفی ہوکر وطن کو لوٹ آئے اور جن کی مالی مصلحتیں ان کے ضمیر پر غالب آئیں انھوں نے جواز کا فتوی دے کر گلِ مقصود سے اپنے جیب و دامن کو چند دن کیلئے بھر لیا، اتفاق سے یہ مسئلہ حضرت سیدؒ کے سفر برما کے زمانے میں انتہائی شباب پر تھا، آپنے بھی لوگوں کے پوچھنے پر جواب دیدیا جو سرمایہ داروں کے لئے بہت مایوس کن تھا، ساتھ ہی ان کی دعوتوں کو بھی قبول نہ فرمایا، اور سورتی مسجد باوجود وسعت کے اس لائق بھی کسی طرح نہ تھی کہ حضرت سیدؒ کا جمعہ اور وعظ اس میں ہوتا اور تمام لوگ سما سکتے، بایان کار آپکے عقیدتمندوں کی طرف سے کمپنی باغ کے وسیع میدان میں ادائیگی نماز جمعہ اور وعظ کا معقول انتظام کیا گیا، نہایت کثیر مجمع ہوا، اور تقریبًا ہر خیال و ملت کے لوگوں نے بکثرت شرکت فرمائی، بعد نماز حضرت سیدؒ نے اپنے دلنشین پیرایہ میں ایک بصیرت افروز اور ولولہ انگیز تقریر فرمائی جس کے فیض اثر سے لوگوں پر دیر تک گریہ کا عالم طاری رہا اور بڑے بڑے متکبر سرمایہ دار جو نشہ کامرانی میں چور تھے اور جن کے پیش نظر کبھی خواب میں بھی عقبیٰ کا خیال نہ آتا تھا، ان کی گردنیں عاجزی اور ندامت سے جھک گئیں اور انھیں اپنی بے راہروی اور آخرت فراموشی کا پورا احساس ہوگیا،

حضرت سیدؒ کا دوسرا جمعہ

پہلے جمعہ کے بعد وہاں کے دولتمند طبقہ کے اندر اشتعال اور انتقام کے جذبات کی لہر پورے طور پر دوڑ گئی، مولوی عبدالحیٰ صاحب مرحوم کفلیتوی سورتی خطیب جامع مسجد سورتی (مصنف سلعۃ القربہ فی شرح البخیہ وغیرہ کتب) کو تیار کیا کہ آپ چل کر سید صاحب سے مناظرہ کریں کہ آپنے مسجد سورتی چھوڑ کر نصاریٰ کی زمین میں نماز کس حکم شرعی کے ماتحت ادا کی ہے، مولانا عبدالحیٰ مرحوم نے صاف فرمادیا کہ میں مناظرہ نہ کرونگا کیونکہ سید صاحب بھی بڑے رتبہ اور سلسلہ کے عالم معلوم ہوتے ہیں، اگر جائز نہ ہوتی تو ہرگز نہ پڑھتے، محمد ابراہیم ناخدا نے کہا اچھا استفتا مرتب کر دیجئے، مولوی صاحب ممدوح نے سوال لکھدیئے، چار پانچ معزز اور باثروت واقتدار اشخاص لے کر حضرت سیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، علیک سلیک کے بعد مصافحہ کی نوبت آئی جن کی صورتیں اسلامی تھیں، آپنے ان سے مصافحہ کیا اور جو غیر اسلامی تھیں حسب اصول مصافحہ کرنیسے انکار کردیا

هر کرا جامه پارسا بینی　　　　پارسا داں و نیک مرد انگار

مصافحہ نہ کرنے پر ایک صاحب جو پیش پیش تھے کہنے لگے کہ آپ کو سنت سے انکار ہے، حضرت سیدؒ نے فرمایا کہ "سنت تو تمھارے چہرہ سے دور ہے جس کو صورت محمدی بنانے سے نفرت ہے اس سے مصافحہ کرنا خود فیصلہ کرلو" خیر استفتا پیش کیا گیا، وہی باتیں تھیں جنکا ذکر اوپر ہو چکا ہے آپنے زبانی پھر دہرا دیا، اس پر مستفتی حضرات نے ثبوت طلب کیا، حضرت سیدؒ نے کتابیں گنائیں اور فرمایا کہ فلاں فلاں لاؤ یا جاکر اگر لیاقت ہو دیکھ لو، اب کیا تھا لوگوں کو غلط پروپگنڈا کا موقع ہاتھ آگیا، سرمایہ دار حضرات نے اپنے اثر کو ناجائز طور پر استعمال کرنا شروع کیا، امرا، حکام دوست ہوتے ہیں اور حکام پر ان کا جائز اور ناجائز ہر قسم کا دباؤ پڑتا ہے، انھوں نے حکام کو ورغلانا شروع کیا کہ ایک پادری آیا ہے جو پبلک میں فساد اور ہنگامہ کرانا چاہتا ہے لہذا روک تھام کرنی چاہئے، اور یہ بھی کہا کہ ہنگامے کا سبب،

رانی باغ[1] کا جمعہ ہے، متولیوں کی آتش انتقام بھی بھڑک رہی تھی، اس لئے یہ بھی آگے آگے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ حکام نے دوسرے جمعہ کیلئے پاس دینے سے انکار کردیا، اور نماز جمعہ میں اندیشہ فساد کو بطور سبب پیش کیا ایسی صورت میں عوام کا اشتعال میں آجانا یقینی تھا، سوء اتفاق یا حسن اتفاق سے انہی ایام میں عام دوکانداروں اور کارپوریشن کی نزاع کے سلسلہ میں ایک چھوٹا سا ہنگامہ بھی ہوگیا تھا، یہ بھی سرمایہ داروں کے لئے ایک مفید چیز ہوگئی کہ یہ انھیں مولنا کی آمد کا ثمرہ ہے، عوام یونہی ارباب بلدیہ سے بیزار تھے، جمعہ کے معاملے میں ذمہ دار حکومت کے امتناعی حکم سے معاملہ یہ ہوا کہ نفرت اور بیزاری کی ایک لہر سی دوڑ گئی، یہ ایک مختصر سا بلوہ ہوگیا، سخت کشمکش پیدا ہوگئی اور عظیم الشان ہنگامے کا پیدا ہوجانا بالکل مستبعد نہ تھا کہ دفعتًہ واقعات نے پلٹا کھایا،

مشیدی خاں مرحوم | آپ کا اصل نام معلوم نہ ہوسکا، آپ غالبًا صوبۂ سرحد کے ایک معزز شخص تھے، شہر رنگون کے رؤسا میں آپ ممتاز درجہ پر تھے، کون شخص ہے جو رنگون گیا ہو اور آپکے نام سے واقف نہ ہو، خدا نے آپکے اندر بہت سی خوبیاں بھی رکھی تھیں، مظلوموں کی اعانت آپ کا طغرائے امتیاز تھا، آپکے ثروت واقتدار، شوکت اور جبروت کا یہ عالم تھا کہ حکام شہر نہ صرف دبتے تھے، بلکہ لرزتے رہتے تھے، یوں تو دنیا انھیں دوسرے نگاہ سے دیکھتی، اور نہ جانے کیا کچھ سمجھتی تھی لیکن مرحوم مذہب وملت کے علماء و زہاد کے سچے خادم تھے اور احترام مذہب ان کے نزدیک بڑی چیز تھی، حتی کہ داڑھی منڈانے کی وجہ سے حضرت سیدؒ کے روبرو کبھی نہ آئے، آپکے صاحبزادے مسٹر طلا محمد خان ایم۔ ایل سی رئیس اعظم شہر رنگون ممتاز افراد رنگون میں شمار ہوتے ہیں، سرمایہ داروں کے ایک لیڈر آج دن ایک صاحب خیر بزرگ ہیں، ان سے اور مشیدی خاں مرحوم سے حریفانہ چشمک تھی، مرحوم کو جب معلوم ہوا کہ کمپنی باغ میں نماز جمعہ کیلئے پاس بند کردیا گیا ہے تو بیحد خفا ہوئے، خصوصًا ان کی خفگی اس وجہ سے بڑھ گئی کہ یہ صورت حال سرمایہ داروں کی پیدا کردہ ہے، ایک ایسا شخص جس کے نام کا رنگون کے ذرے ذرے میں اثر و اقتدار تھا اس قسم کی بیجا حرکتوں پر خفا

[1] یہ ایک تفریحی پارک ہے جو کمپنی باغ کے نام سے مشہور ہے، اور بیچ ٹاؤن شہر میں سولی پگوڈا کے جنوب مشرق واقع ہے، اس کے چاروں طرف وسیع سڑکیں ہیں، سڑک کے جانب مشرق چیف کورٹ اور جانب شمال ٹاؤن ہال ہے

ہو جائے تو نتیجہ معلوم ہے، رنگون کے مشہور دولتمندوں کا اگر حکام پر دباؤ تھا تو اس لئے کہ وہ ان سے کافی دولت جمع کرتے تھے لیکن مشیدی خاں مرحوم وہ تھے جن سے حکام لرزہ براندام رہا کرتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ تھوڑی سی جماعت کے سوا تمام لوگوں کا انھیں پورا اعتماد حاصل تھا اور ایک منظم جماعت بھی ان کے علاوہ ایسی موجود تھی جو ان کے ادنی اشارے پر سر قلم کرانے کو تیار رہا کرتی تھی، مشیدی خاں مرحوم حکام کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ اب اگر ہنگامہ ہوا تو میں اس کا ذمہ دار نہیں، یاد رکھئے جمعہ کمپنی باغ میں ہوگا اور ضرور ہوگا، حکام نے کہا اگر پاس دینے پر اثنائے وعظ یا جمعہ میں واقعی فساد و ہنگامہ ہوا تو؟ مرحوم نے جواب دیا میں اس کا ذمہ دار ہوں، میں پہلا شخص ہونگا جسے اس پاداش میں آپ بلا تردد گرفتار کر لیجیئگا، لیکن اگر ابتدا دوسری طرف سے ہوئی تو یاد رکھئے کہ ایک ایک مخالف کو اسی کمپنی باغ میں زندہ بھون ڈالوں گا، اور آپ کی پولیس کھڑی سامنے تماشا دیکھتی رہجائیگی اور کچھ نہ بن آئیگی، مشیدی مرحوم کا یہ غیظ و غضب معمولی نہ تھا سپرنڈنٹ پولیس سے لے کر گورنر کے پرائیوٹ سکریٹری تک کے خون خشک ہوگئے، پاس دیدیا گیا، ٹھیک بارہ بجے حضرت سید کمپنی باغ میں تشریف لائے، سوا بارہ بجے اذان دی گئی، اس کے بعد نماز جمعہ ہوئی، یہ اجتماع بھی اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے عجیب و غریب تھا، بیچ میں کم و بیش ایک لاکھ انسانوں کا جنگل تھا جو حسنی الحسینی امام کی قیادت میں اسلامی فریضہ ادا کرنے آیا تھا اور مجمع کے چاروں طرف پولیس اور گورا ملٹری کی ایک ٹھوس اور سنگین دیوار تھی، بعد فراغت نماز مصلائے امام سے بالکل قریب پچھم طرف مشیدی خاں مرحوم کی مسلح جماعت تھی جو شمال سے جنوب تک بنیانٌ مرصوص کی شکل میں کھڑی تھی، اس جماعت کا کوئی فرد اپنی جگہ سے آخر تک نہ ہلا، حضرت سیدؒ نے جب وعظ شروع کیا تو مشیدی خاں مرحوم حضرت سیدؒ کی پشت کی جانب اور بالکل قریب ایک خاص قسم کے عصا پر اپنی کمر کو سہارا دے کر کھڑے ہو گئے، دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ حرکت تو کیا شائبۂ حرکت بھی مشیدی خاں مرحوم کی اس ہیئت میں نہ ہوا، گویا ایک مجسمہ تھا جو اس شکل کا بنا کر حضرت سیدؒ کی پشت کی جانب کھڑا کر دیا تھا،

ایک بجے کے بعد وعظ شروع ہو کر ٹھیک سوا پانچ بجے ختم ہوا، اس طرح یہ عظیم الشان اجتماع بخیر و خوبی ختم ہو گیا، یہانتک کہ سورتیوں کی ایک جماعت اس اجتماع میں آخر تک شریک رہی، آپ کے ولولہ انگیز بیان اور مؤثر تقریر کا یہ اثر ہوا کہ جو عناد و فساد پر آمادہ تھے نادم ہوئے، اثنائے وعظ میں حضرت سیدؒ نے اہل دولت و ارباب اقتدار کی ناعاقبت اندیشی پر دل کھول کر بوچھاریں کیں، مساجد اور امامت وغیرہ پر مجتہدانہ انداز میں بحثیں فرمائیں، اتباع کتاب و سنت کو اصل قرار دیتے ہوئے سنت و بدعت کے فرق کو مثالوں سے واضح کیا اور سارا وعظ ہر طرح کے سود و بیاج کے رَدْ پر ختم کر دیا، ضمناً شراب خواری و قمار بازی، اور رسومات و خلاف شرع امور پر دل کھول کر برسے، پارسایوں کی سیرت و صورت بنانے پر کافی زور صرف کیا، گو اس واقعہ کو گذرے ہوئے برسوں ہوگئے تاہم آج تک اہل برما کے قلوب آپکی محبت سے لبریز ہیں، اور ان کی زبانوں پر آپ کی مدح و ثنا کے کلمات جاری ہیں، بہرحال اس فتح و کامیابی کا سہرا مشیدی خاں مرحوم کے سر رہا جس کا اعتراف حضرت سیدؒ کو بھی تھا، مشیدی خاں مرحوم کی زندگی کا یہ وہ کارنامہ ہے کہ جس کی نظیر میں ان کا کوئی فعل پیش نہیں کیا جاسکتا، اور کیا عجب ہے کہ رب کعبہ کی شان رحیمی مرحوم کے اس کار خیر کو ان کے جملہ گناہوں کا کفارہ بنادے، سہ

بہشت عدن اگر خواہی بیا با ما بمیخانہ کہ از پائے خمت یکسر بحوض کوثر اندازیم

بیرون رنگون حضرت سیدؒ کا سفر

حضرت سیدؒ رنگون کے بعد برما کے قدیم پایۂ تخت شہر مانڈلے تشریف لیگئے کیونکہ وہاں بھی ارادتمندوں کی ایک خاصی جماعت موجود تھی، جنھوں نے حضرت سیدؒ کو بار بار خطوط اور تار بھیجکر مدعو کیا تھا، اس لئے آپ کی تشریف آوری سے وہاں عوام کو بیحد مسرت تھی، اور حسب عادت وہاں بھی آپ کی متعدد تقریریں ہوئیں جس سے اہل شہر میں مذہبی بیداری اور آخرت کا احساس پیدا ہو گیا اور لوگ نہایت متاثر اور محظوظ ہوئے حتیٰ کہ بعض رؤسائے شہر نے آپ کو کچھ دن اور قیام فرمانے کے لئے بہت اصرار کیا، مگر چونکہ آپ کو زیادہ فرصت نہ تھی اس لئے وہاں زیادہ قیام نہ کرسکے،

اور شہر مانڈلے کی تاریخی خصوصیات اور قدیم یادگاروں کو کسی قدر دیکھ لینے کے بعد میمیو روانہ ہوگئے، میمیو مملکت برما میں ایک جنت نظیر پہاڑی مقام ہے جو اپنے قدرتی مناظر کی دلکشی، خوشگوار آب و ہوا، اور دلفریب سبزہ زاروں کی بدولت خطۂ کاشمیر سے کسی طرح کم نہیں، چنانچہ حضرت سیدؒ میمیو کے اسٹیشن پر پہنچے وہاں معتقدین کا ایک گروہ استقبال و پذیرائی کے لئے پہلے سے موجود تھا، لوگ نیازمندانہ ملے اور آپ کو خوشی خوشی اپنے گھر لے گئے، آپ نے وہاں بھی لوگوں کو صراط مستقیم پر چلنے اور احکام دین کی پیروی کرنے کی ہدایت فرمائی جس سے بہتیرے گمراہ دماغوں میں سلامت روی اور صلاحیت پیدا ہوگئی اور لوگ گناہوں سے تائب ہوکر حق پرست بن گئے، شہر میمیو سے تھوڑی دور کے فاصلہ پر برما کا ایک نہایت مشہور تاریخی مقام کھانڈا کا غار ہے جس کی زیارت کیلئے ہر سال یورپ اور نئی دنیا کے بڑے بڑے انجینیر اور سائنسداں بھی آتے رہتے ہیں، اوہام پرستوں نے تو اس کے متعلق عجیب وغریب قصص اور روایتیں مشہور کر رکھی ہیں مثلاً بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک سرنگ ہے جس کا تعلق مانڈلے کے قلعہ سے ہے، بعضوں کے نزدیک یہ پرستانوں اور جنوں کا مسکن ہے، چنانچہ حضرت سیدؒ بھی چند معتقدین کی رفاقت میں اس غار کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے، غار کے پاس ایک آہنی پل قدیم زمانہ کا بنا ہوا ہے، یہ پل قدیم ایشیائی تمدن کی ایک حیرت انگیز یادگار ہے جسکو دیکھ کر مغربی دنیا کے ماہرین فن بھی حیرت زدہ رہجاتے ہیں اور کسی طرح ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ان وزنی گاٹروں کو اتنی بلندی پر کیونکر نصب کیا گیا ہوگا؟ لطف یہ ہے کہ دریا کا پانی سامنے سے لہریں لیتا اور موجیں مارتا ہوا چلا آتا ہے، مگر پل کے قریب زمین پر اتنا بڑا انشگاف ہے، کہ وہاں جاکر سارا پانی جذب ہوکر بالکل ناپید ہوجاتا ہے اور پھر نہیں معلوم ہوتا کہ اندر ہی اندر کہاں جاتا ہے، پل سے تھوڑی دور کے فاصلہ پر سرنگ کی طرح ایک دہانہ ہے، اور اس کے اندر ایک ہموار راستہ ہے، بعض اشخاص کا بیان ہے کہ کئی میل کے بعد اس سرنگ اور غار کے اندر دو شاخیں پیدا ہوجاتی ہیں جہاں سے یہ دونوں راستے پھوٹ جاتے ہیں، وہاں گورنمنٹ نے "خطرہ" کا نشان لگا دیا ہے تاکہ کوئی اس سے آگے نہ جائے، مگر حضرت سیدؒ

کے بعض رفقاے سفر کا بیان ہے کہ آپ خطرہ کے مقام پر پہنچکر بجاے رُکنے کے اور آگے بڑھتے گئے حتیٰ کہ ایک زینہ کی شکل نمودار ہوئی اور اسی کے قریب بہتا ہوا پانی نظر آیا چنانچہ آپ پانی میں گھس گئے، مگر رہنماؤں کے مشورہ سے فوراً لوٹ آئے، لوگوں کا بیان ہے کہ آپ جس مقام تک پہنچے وہاں تک جانے کی شاید ہی کسی نے جرأت کی ہو، اس غار سے تقریباً ستر میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی چشمہ بہتا ہے، چنانچہ اس کے متعلق بعض مفکرین یورپ اور ارباب نظر کی یہ رائے ہے کہ پل کے قریب جو پانی زمین میں دھنستا ہے وہی پانی غار کے اندر "خطرہ" کے نشان سے آگے چل کر نمودار ہوتا ہے، اور پھر وہی پانی وہاں سے غائب ہوکر پہاڑوں کے جوف میں زمین کے اندر ہی اندر موجیں مارتا ہوا ستر میل کے فاصلہ پر دریا بنکر نکلتا ہے، چنانچہ یہ رائے بہت کچھ قرین قیاس ہے، حضرت سیدؒ کی کوئی رائے اس کے متعلق ہمیں معلوم نہ ہوسکی، اس کے بعد دو چار اور مقامات کی سیر کرنے کے بعد رنگون آکر سورتیون کے مشہور اسکول ام-ام راندیرہ مسلم ہائی اسکول وغیرہ کا بھی معائنہ فرمایا، بیان کیا جاتا ہے کہ شمالی زینہ سے آپ داخل ہوے اور جنوبی زینہ سے اترتے ہوے جہاز میں سوار ہوگئے، اس سفر کی مدت دو ماہ سے کچھ زائد تھی،

اس سفر میں آپکے ہمراہ مولوی عبدالعزیز صاحب پرور ضلع سلطانپور و مولوی محمد یوسف صاحب نصیرآبادی اور حافظ محمد فاروق صاحب موضع سرکنڈیڈیہ و واجد خاں صاحب خادم خاص وغیرہ تھے اطراف اعظم گڈھ سے رنگون کے اندر جو لوگ تھے اُن میں منشی عبدالقدیر صاحب مرحوم سیدھا سلطانپور و حافظ عبدالغفور صاحب راجہ پور سکرورہ، شیخ محمد سلیمان صاحب مرزاپوری وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں

سفر برما پر ایک نظر اور حضرت سیدؒ کا استغنا

ناظرین یہ تو تھے تاریخی حالات حضرت سیدؒ کے لیکن اس مختصر سے سفر اور سیر و سیاحت میں ارباب نظر و اصحاب ہوش کے لئے جو پیام حریت و آزادی اور حق پرستی کا ہے، وہ اس دور قحط الرجال میں کبریت احمر ہے، حضرت سیدؒ کا وجود گرامی علماے حق و علماے سو کے درمیان فارق کی حیثیت رکھتا تھا، آپ ان علماء میں نہ تھے جن کے یہاں مداہنت فی الدین معا

شرعیہ کے نام سے تعبیر کی جاتی ہے، ورنہ جامع سورتی میں نماز کا ادا کرنا اور سورتی حضرات وارباب دولت کی دعوتیں قبول فرمانا کوئی ایسا امر نہ تھا کہ جس پر بظاہر شرعی مواخذہ ہوتا، لیکن جن کی نگاہیں دور رس اور حوصلے بلند ہوتے ہیں وہ ان مادی آنکھوں سے ماسوا ان آنکھوں سے دیکھتے ہیں، جہانتک اوروں کی رسائی نہیں، ؎

ما در پیالہ عکس رخِ یار دیدہ ایم　　　اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

بھلا وہ کب ان زخارف دنیا اور خوف ورجا اہل زمانہ سے مرعوب ہوتے ہیں، حضرت شیخ سعدیؒ نے بھی اسی حقیقت کی اس طرح تفسیر فرمائی ہے، ؎

موحد چہ در پائے ریزی زرش　　　چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش

امید و ہراسش نباشد زکس　　　براین ست بنیاد توحید و بس

لاریب حضرت سیدؒ ایسے ہی موحد اور یادگار سلف تھے، استغنائے سلف کے واقعات کتب سیر و رجال میں بہت سے پڑھے اور وعظوں میں سنے گئے ہیں لیکن آنکھوں سے مشاہدہ اور واقعات کی تصدیق کی مثال حضرت سیدؒ کی زندگی کے ہر ہر لمحہ میں ہوتی رہی بالخصوص سفر برما میں، چند واقعات "مشتے نمونہ از خروارے" ناظرین کی دلچسپی کے لئے درج کئے جاتے ہیں،

(۱) مخدومی مولانا قمرالدین صاحب قمر مدظلہ بمبئی پور کا بیان ہے کہ جب میں نے مدرسہ جونپور کی طرف سے ۱۲ء میں برما کا سفر کیا تھا تو مانڈلہ کے قریب ایک مسلم ٹھیکے دار جنکو حضرت سیدؒ سے شرف بیعت حاصل تھا، فرمانے لگے کہ میں نے ایک انگوٹھی طلائی جس پر تین سو سے زیادہ کا ہیرا جڑا ہوا تھا ہدیۃً پیش کیا، حضرت سیدؒ نے لینے سے انکار کر دیا اور سخت برہم ہو گئے کہ اس کا استعمال حرام ہے، ٹھیکے دار صاحب ذہین آدمی تھے فوراً ہی یہ توجیہ کی کہ حضرت یہ محترمہ سیدانی صاحبہ کیلئے نذر کر رہا ہوں قبول فرمالیجئے، حضرت سیدؒ نے اور سختی برتی اور لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ

یہ نفس کا فریب اور شیطان کا وسوسہ ہے جس نے بیجا توجیہ پر آمادہ کر دیا ورنہ پہلے ہی آپ ایک بات کہئے کیا اس تشکل سے حرام حلال ہو جائیگا، وسائس اور حیل کے لئے اباحت کا دروازہ اسی طرح بہتوں نے کھول کر روح اسلامی کو ہمیشہ کیلئے برباد کر دیا۔" کیا اس واقعہ کے اندر ہمارے لئے کوئی درس عبرت نہیں ہے؟ کہاں ہیں ارباب الدراہم والدنانیر اور وہ حضرات جنھوں نے اس طرح کے جلب منفعت وحصول دنیا کا صلاح وتقویٰ نام رکھا ہے، سچ ہے، ؎

ریا حلال شمارند جام بادہ حرام
زہے شریعت وملت زہے طریقت وکیش

(۲) حافظ محمد فاروق صاحب جو سفر برما میں ساتھ تھے، روایت کرتے ہیں کہ کمپنی باغ میں اثنائے وعظ روپیوں کی بارش ہو جاتی، اگر حضرت سید مانع نہ ہوتے، چنانچہ بعد ختم وعظ بڑی بڑی رقمیں اور تھیلیاں سامنے لائی گئیں جن کے لینے سے حضرت سیدؒ نے انکار کر دیا اور کتنوں کے ہاتھ جھٹک دیئے، لوگوں کا متفقہ بیان ہے کہ اگر آپ چاہتے تو سیکڑوں روپیے تو درکنار بلکہ ہزاروں روپیے رنگون وماندلہ کے اہل ثروت سے بخوشی دے کر چلے آتے اور سونے وچاندی سے گھر بھر لیتے، لیکن صرف اس وجہ سے آپنے قبول نہ کیا کہ یہ اسلاف کبار کے طریقہ کے خلاف اور بلا خوف لومۃ لائم تبلیغ حق کے منافی تھا، کیا ان واقعات میں ہمارے لئے کوئی عبرت آموز سبق اور آزادانہ زندگی بسر کرنے کا جذبہ موجود نہیں ہے؟ ہے اور یقیناً ہے،

حضرت سیدؒ کے واقعات استغنا کی کمی نہیں ہے، بخیال طوالت صرف ایک اور اہم واقعہ کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں وہ یہ ہے،

(۳) جب حضرت سیدؒ ریاست ٹونک (جو حقیقۃً خانوادۂ قطبیہ کا مامن وملجا اور سادات حسنی الحسینی کا گہوارہ رہ چکا ہے) میں فرمانروائے ٹونک معلی القاب جناب نواب محمد علی خاں مرحوم یمین الدولہ ابن نواب وزیر الدولہ والی ٹونک رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر تشریف لے گئے ہیں تو نواب صاحب مرحوم نے

حضرت سیدؒ کی انتہائی عزت فرمائی اور مہمان نوازی کرنے کے بعد صدر الصدور امور مذہبی کے منصب جلیل کو پیش کیا اور یہ بھی فرمایا کہ خورد و نوش میرے ہمراہ ہوگی، مگر آپ نے کمال اولوالعزمی اور بے نیازی کے ساتھ اس اعزاز خسروی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ "مجھے اس پر پورا بھروسہ ہے جس نے آپ کو یہ عزت بخشی ہے پھر اسی کا کیوں نہ دست نگر بنوں" اور پھر یہ شعر پڑھا، ؎

شاہ ما را زر دہد منت نہد — رازقِ ما رزق بے منت دہد

سبحان اللہ یہ ہے بخت کی فیروزمندی اور دارین کی ارجمندی، اگر آنکھوں پر پردے نہ ہوں تو دیکھا جا سکتا ہے کہ حضرت سیدؒ اسلاف کی قدیم روایات کے آخری علمبردار تھے، اور پھر کیوں نہ ہوتا آخر آپ بھی تو اسی خانوادۂ قطبیہ کے قدیم مورث حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کے گلِ سرسبد تھے جنھوں نے سلطان سنجر کے جواب میں رباعیِ ذیل لکھ کر بھیجدی تھی جس کا قصہ مشہور ہے،

چوں چترِ سنجری رخ بختم سیاہ باد — در دل بود اگر ہوس ملک سنجرم

آنگاہ یافتم خبر از ملک نیم شب — من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سیدؒ کو بھی یہ چیزیں اپنے اسلاف کبار سے ارثاً و ورثاً ملی تھیں جن میں آپ کا کوئی شریک و سہیم نہ تھا، وکفیٰ بہٖ فخراً،

ملتان کا سفر

ملتان اپنی گوناگون خصوصیات کے اعتبار سے ایک مشہور تاریخی شہر ہے، اہل علم کا بیان ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے جس شہر کی بنیاد پڑی تھی وہ یہی شہر ملتان تھا جس کو ام البلاد ہند ہونے کا شرف حاصل ہے[1]، حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ جیسے باکمال اسی سرزمین سے اٹھے، یہ مشہور شعر لوگوں کو یاد ہوگا، ؎

چار چیز است تحفۂ ملتان — گرد گرما گدا و گورستان

سفر برما سے مراجعت کے بعد حضرت سیدؒ کو ملتان جانے کا اتفاق کئی بار ہوا جنھیں سے سنہ ۱۳۴۰ھ و سنہ ۱۳۲۲ھ

[1] ریاض المرتاض

کے اہم واقعات اہل ملتان کو ابتک محفوظ ہیں جنکو مختصراً عرض کردینا ضروری ہے، حضرت سیدؒ جب شہر ملتان میں رونق افروز ہوئے تو سب سے پہلے آپنے حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کے لئے حاضر ہوئے، مجاورین نے اپنے رسومات قبیحہ کو ادا کرنا اور کرانا چاہا، آپ خلاف شریعت حرکت اور قبر پرستی سے سخت برہم ہوئے اور جہلاء کے طریقۂ بدعت پر انھیں ملامت فرمائی اور پھر شریعت محمدیہ کے مطابق ایصال ثواب فرماکر قیام گاہ پر تشریف لائے، غالباً آپ کا قیام چھاؤنی ملتان میں ہوا تھا، جہاں آپکے معتقدین کی ایک بڑی جماعت تھی اور اب بھی ہے، چودھری عبدالکریم صاحب، مولوی فیض اللہ صاحب مہتمم مدرسہ حقانیہ اور مولوی ابو محمد عبدالحق صاحب وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، شہر ملتان رسومات بدعیہ کا مرکز اور گہوارہ رہچکا ہے، جس کا مشاہدہ وہاں کے ذرہ ذرہ سے ہوتا ہے، باوجودیکہ اہل حق کی ایک جماعت اور علم وفن کا تذکرہ برابر قائم ہے، حضرت سیدؒ وہاں کے محدثات امور کو آنکھوں سے دیکھکر بیتاب ہوگئے اور جمعہ میں حسب معمول جم کر امحاء شرک وبدعت اور احیاء سنت پر پُرزور اور نہایت مؤثر اور گرم وعظ فرمایا اور ڈنکے کی چوٹ قبر پرستی، تعزیہ پرستی، پیر پرستی وغیرہ کا بدلائل ابطال فرمایا، اہل بدعت نے نہ کبھی ایسا وعظ سنا تھا اور نہ کبھی اتنی جرأت وہمت سے اہل باطل کے خلاف کسی نے کچھ کہا تھا، سارے شہر میں ایک ہلچل پڑگئی، صدہا لوگوں نے توبہ کی اور بقیہ مخلوق نے خفگی و برہمی کا اظہار کیا، اور ہندوستان کے طول وعرض میں ذریعہ تار نام نہاد مولویوں کو مناظرہ کے لئے مدعو کیا، چنانچہ مولوی جالندھری وغیرہ اس خوان یغماں پر مکھی کی طرح ٹوٹ پڑے، اور مناظرہ ٹھن گئی، تحریر سے گذر کر اثناء وعظ میں حضرت سیدؒ سے سات سوالات پیش کئے گئے، آپنے ان کا دندان شکن جواب مدلل کتب معتبرہ حنفیہ سے دیا جو چھپ کر شائع ہے جس کو انشاء اللہ تعالیٰ حضرت سیدؒ کے مجموعہ فتاویٰ کے ہمراہ شائع کردیا جائے گا، اس مناظرہ کی ایک نہایت دلچسپ چیز کو ذکر کردیا جاتا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب ان سات سوالات کے جوابات آپنے دے دیئے تو مجبور ہوکر

معاندین اور ارباب بدعت نے فرضی سوالات قائم کرکے جواب طلب کیا کہ کسی طرح بحث میں الجھا دیا جائے، حضرت سیدؒ جیسے بحر زخار کے سامنے ان یادر ہوا باتوں کی کیا اہمیت تھی؟ معًا فرمایا "قرونِ ثلاثہ میں سلف صالحین کا یہی طریق تھا کہ فرض کی ہوئی صورت کا مسئلہ نہ تبلاتے تھے تاوقتیکہ وہ صورت واقع نہ ہو" اس پر معاندین نے کہا کہ فتاویٰ شامی اور عالمگیریہ وغیرہ کتب فتاویٰ میں تو ہزاروں بلکہ لاکھوں مسائل جزئیہ موجود ہیں جن کا وجود نہ ہے اور نہ اب تک پیش آئے ہیں پھر ان کا کیا جواب ہے؟ حضرت سیدؒ نے فرمایا کہ اس کی ذمہ داری فقیر پر نہیں ہے، ان حضرات پر ہے اس کا صحیح حل تو وہی فرمائیں گے، اس مسکت جواب پر پھر آگے ہمت چھوٹ گئی، چنانچہ آپنے باختلاف روایت ۳ و ۴ جمعے ادا فرمائے، برابر اہل باطل کی سرکوبی کتاب وسنت سے کرتے رہے اور کسی مائی کے لال کو ہمت تردید باقی نہیں رہی، بھلا قل اعوذی حضرات اس بحر ناپیدا کنار کے روبرو کیا جم سکتے تھے، جو چیز لوگوں کو صدہا کتب کے مطالعہ کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ آپکے سینہ میں موجود تھی، شہر جونپور جو علم وفن کا مرکز اور ہندوستان کا شیراز رہا ہے، اسمیں بھی ایسا ہی اتفاق ہوا تھا، مگر انجام کار ارباب درس وتدریس کو حضرت سیدؒ کے مقابلہ مین بدعات مروجہ اہل ہند کے متعلق لکھ جانا پڑا "بدعۃ سیئۃ. لااصل لہا فی الکتاب والسنۃ"۔

بہر حال شہر ملتان میں ہزاروں اشخاص ورجال نے بدعات ومحدثات امور سے توبہ کی اور پکے موحد بنگئے، گو شہر کے لوگون کے اسمائے گرامی مجھے نہ معلوم ہوسکے تاہم یہ مسلم ہے کہ چھاؤنی میں ٹمٹم والوں کی جماعت اب بھی موجود ہے، جو خالص موحدین کی جماعت کہی جاسکتی ہے، آپکے یہ کارہائے نمایاں ہیں جن کے مقابل صدہا رطب ویابس تصنیفات کا چھوڑ جانا کوئی عظمت نہیں رکھتا،

اطراف اعظم گڈھ میں حضرت سیدؒ کا دورہ

اعظم گڈھ کا دیار قدیم زمانہ میں اجودھیا کے سورج بنسی راجپوتوں کے حدود حکومت میں شامل تھا، علاوہ بریں اسلامی حملہ کے بعد اکثر راجپوت مغربی ہندوستان سے بھاگ کر زیادہ تر فیض آباد، اعظم گڈھ اور بلیا میں آرہے تھے یہی وجہ ہے کہ اس نواح کے

باشندے اکثر راجپوت تھے اور آج بھی ہیں، شاہانِ شرقی کے زمانہ میں کچھ پٹھان بھی یہاں بس گئے، بعد ازاں رفتہ رفتہ علماء، قضاۃ، عمالِ سلطنت اور فقراء و مشائخ کی حیثیت سے کچھ شیوخ و سادات بھی آباد ہوتے گئے، مغلیہ سلطنت کے عہد میں خال خال مغلوں کی بھی آبادی ہوگئی اور دو ایک مقام پر اہل حرفہ آباد کرائے گئے، مگر پھر بھی اکثریت راجپوتوں ہی کی رہی جیسا کہ آئین اکبری کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے، مغلیہ سلطنت کے عہد میں ان اطراف کی گورنری گوتم راجپوتوں کے ایک خاندان میں تھی، جن کے مورث نے عہد جہانگیری میں قبول اسلام کا شرف اور نادر دولت نادری چوگاں کا خطاب حاصل کیا، اسی خاندان کے ایک نامور بزرگ اعظم محمد اعظم شاہ نے شہر اعظم گڈھ اپنے نام پر آباد کیا۔"[1]

الاصلاح سیرت شبلی؟

راجہ پور سکرور اس موضع کی پوری تاریخ معلوم نہ ہوسکی، زبانی روایات جو بیان کیجاتی ہیں وہ یہ ہیں کہ راجہ پور سکرور ضلع اعظم گڈھ کے پرگنہ نظام آباد کا ایک مشہور اور مردم خیز گاؤں ہے، جو عرصہ تک مغلوں کے قبضہ میں تھا، موجودہ باشندگان کی قدیم آبادی پورب جانب راجہ پوکھری پر تھی، اسی کے متصل ایک بازار ہرکھا نگر کے نام سے قائم تھا، رفتہ رفتہ مغلوں پر زوال آتا گیا اور ۹۵۰ھ کے لگ بھگ لوگ موضع سکرور پر قابض ہوگئے، بازار اجڑ کر مرتضیٰ آباد جو اب سرائے میر کے نام سے مشہور ہے آباد ہوگیا، بتدریج مختلف قومیں دیگر مقامات سے آتی گئیں اور آباد ہوتی رہیں، یہ موضع ابتدا سے آج تک مسلمانوں کی ملکیت و زمینداری میں ہے، جو اپنے تمدن اور تہذیب، علم و عمل، زہد و تقویٰ اور اعلاء کلمۃ الحق کے اعتبار سے ہمیشہ ممتاز رہا ہے، قاضی اعظم علی مرحوم مورث حافظ رعایت حسین میاں صاحب سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں معلم شاہی تھے، چنانچہ اقتدار اودھ کے زمانہ میں جہاں بہت سی زمینداریاں ضبط ہورہی تھیں اس موضع پر بھی دست تعدی دراز کرنے کی جد و جہد جاری تھی، اہل سکرور مجبور ہوکر ایک ڈیپوٹیشن کی شکل میں دہلی گئے اور قاضی اعظم علی مرحوم کے توسط سے بامراد واپس آئے، جس کا قصہ طویل ہے اور گاؤں کے سن رسیدہ حضرات کو معلوم ہے، اس امر کی تاریخی شہادت موجود ہے، کہ جب حضرت امیر المومنین سید احمد بریلوی مجدد شہیدؒ نے بالاکوٹ کے جہاد کے لئے جہ

حقیقتہً ہندوستان سے انگریزوں کے نکالنے اور دارالکفر کو دارالاسلام بنانے اور صاف لفظوں میں یوں سمجھئے کہ ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے رخت سفر باندھا تھا تو اس موضع (راجہ پور سکرور) سے بھی چار اشخاص شریک جہاد ہوئے تھے، جن میں سے دو حضرات شہید ہوئے اور شیخ حاجی کریم بخش مرحوم جدِ منشی عبدالصمد صاحب[1] و شیخ عباداللہ غازی واپس آئے تھے، اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس موضع میں علمی اور مذہبی جذبہ صدیوں سے پایا جاتا ہے، ان کے اسلاف میں حکمرانی اور کشورستانی کا مجاہدانہ ولولہ ان کے تاریخی کاموں سے ظاہر ہے، ابھی ایک صدی کے قریب کا واقعہ ہے کہ جب حضرت مولٰنا امیرالدین علیؒ نے ہنومان گڑھی فیض آباد کے لئے جہاد کی تیاری کی تھی، جس پر مولانا مفتی محمد یوسف مرحوم نے "فی الواقع فسخ عزیمت می باید و در شہادت دغدغہ است" تحریر فرمایا تھا، اس میں بھی سکرورا اور اطراف سکرور سے لوگ شریک جہاد ہوئے تھے، نیز شہدار کے مزارات اور ان کے اسمار، اور قبروں کی بوسیدگی و کہنگی سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس موضع کے باشندے آج سے کئی صدیاں قبل مشرف باسلام ہو چکے تھے، بہرحال یہ موضع عرصہ سے علمائے حق و مشائخ طریقت کی جولانگاہ رہا ہے، امتداد زمانہ اور پڑوسی اقوام کے اثرات سے متأثر ہو کر بعض باتیں بطور رسم و رواج اور کچھ خلاف مذہب امور بدعتیں پیدا ہو گئی تھیں لیکن حضرت سید احمد مجدد شہیدؒ کے خلیفہ حضرت مولانا سخاوت علی جونپوریؒ اور خواجہ سید احمدؒ نصیرآبادی کے خلوص، ایثار اور مقدس نمونۂ زندگی نے اطراف میں ان بدعات کے قلع و قمع اور علوم و معارف دینی کی اشاعت میں وہ کام کیا جو شاید سیکڑوں علمار کی مجموعی کوششوں سے ناممکن تھا، اسی کا اثر تھا کہ خود راجہ پور سکرور میں مولوی لعل محمد مرحوم مورث محلہ جنگلی شہید جن کی وفات ڈھاکہ میں ہوئی اور جو اطراف کے سب سے بڑے اور پہلے عالم تھے، نیز مولٰنا سبحانی مرحوم و حافظ احمد علی مرحوم استاد حضرت علامہ حمیدالدین فراہیؒ صاحب تفسیر نظام القرآن و مولوی محمد علی مرحوم وغیرہ اکابر اہل علم پیدا ہوتے رہے، فاعتبروا یا اولی الابصار۔

---

[1] منشی عبدالصمد صاحب کے دادا حضرت سید احمد مجددؒ شہید سے اور والد حضرت خواجہ احمدؒ سے اور خود حضرت سیدؒ سے بیعت تھے،

رزاپور سکرورہ کی دو عدیم النظیر ہستیاں

آخر دور میں دو ایسے معاصر وجود پیدا ہوئے جن کی علمی و عملی خدمات آفتاب کی طرح روشن ہیں،

(۱) جناب حافظ عبدالرحیم عرف حافظ اولیا، مرحوم (۲) جناب مولٰنا شیخ قدرت علی مرحوم المعروف بمیاں صاحب جد محترم راقم الحروف، اوّل الذکر ہستی کی تفسیر زندگی آپ کے نام ہی سے ظاہر ہے، آپ جیسی عام مقبولیت بدوں رضامندی اللہ تبارک وتعالیٰ ناممکن ہے، جناب حافظ صاحبؒ دینی و دنیوی معاملات کے بہترین نبض شناس تھے، درس قرآن آپ کی زندگی کا سرمایہ تھا، خلوص اور للّٰہیت کا یہ اثر تھا کہ صدہا جید حافظ آپ سے مستفید ہو کر طول و عرض میں پھیل گئے، چنانچہ یہ سلسلہ جناب استاذ محترم حافظ محمد یوسف مرحوم کی زندگی تک پوری کامیابی کے ساتھ قائم تھا، استاد محترم مادرزاد ولی کامل تھے لیکن آہ آپ کی جوانا مرگی سے جو غیر معمولی نقصان پہنچا اب اسکی تلافی محال ہے، رحمۃ اللہ علیہ وعلی آبائہ واخلافہ،

دوسرا وجود گرامی مولٰنا شیخ قدرت علی مرحوم کا ہے جو نسباً شیخ تھے اور جن کے مورث اعلیٰ قصبہ مچھلی شہر سے آکر سکرورہ میں آباد ہوئے جیسا کہ شجرۂ خاندانی سے ثابت ہے، عقد و مناکحت کا رشتہ اہل سکرورہ سے نہیں ہے اسی وجہ سے عوام کو غلط فہمی کی بنا پر یہ یقین ہے کہ آپ میاں صاحب اور ملّا تھے، حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے، جناب مولٰنا قدرت علی مرحوم میاں صاحب کے نام سے اب تک مشہور ہیں اور ہم لوگ اس عرفیت کو عزت کی سند سمجھتے ہیں کیونکہ قدیم زمانہ میں بجائے مولوی اور مولانا کے میاں صاحب اور ملا کے نام سے اہل علم یاد کئے جاتے تھے، جس کے معنی عالم اور صاحب علم کے ہیں، چنانچہ حضرت خاتم المحدثین میاں صاحب مولٰنا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ، امام عصر ملا محمود ولید پوری اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی وغیرہ علماء ہند کے نام نامی واسم گرامی اس کے شاہد عدل ہیں، والد بزرگوار مولانا شیخ منصب علی مرحوم کی شادی جناب شیخ راحت علی نظام آبادی نائب تحصیلدار کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، خال محترم جناب مولانا شیخ عبدالغنی مرحوم جنھوں نے

علمائے فرنگی محل وغیرہ سے تحصیل علم کیا تھا، حضرت علامہ شبلی نعمانیؒ کے ساتھیوں اور دوستوں میں تھے۔ چنانچہ راقم الحروف کے ننہالی سلسلہ کے لوگوں نے اپنی قرابتیں اور رشتہ داریاں سوائے شیوخ وسادات دوسرے خاندانوں میں کرنا خلاف سمجھا، لیکن دادا اور والد مرحوم نے صحیح مذہبیت کے جوش میں شیخ، سیّد، مغل اور پٹھانوں کی تفریق باوجود اس عام جذبۂ نسل پرستی کے جو ہندوستان کی آب وہوا نے بدقسمتی سے مسلمان شرفا میں بھی پیدا کر دیا ہے، جائز نہ رکھا، اسی کا اثر ہے کہ اس خاندان میں عقد ومناکحت کا سلسلہ زمانیہ غازی پور، انوایاں ضلع بلیا، ستوہیا بحریاباد ضلع غازی پور، مچھلی شہر، جونپور، کھیتا سرائے، چنار، چریا کوٹ، کوریا پار خاندان شاہ بدر عالم، شہر اعظم گڈھ وغیرہ کے شیوخ وسادات اور پٹھانوں میں ہوتا رہتا ہے، یہانتک کہ شجرۂ خاندانی میں مولانا شیخ قدرت علی مرحوم کی پھوپھی کی شادی مرزا یار علی بیگ مرحوم سے ہونا درج ہے۔

مولانا شیخ قدرت علی مرحوم حضرت سید خواجہ احمدؒ نصیر آبادی کے مرید تھے، علم وعمل، صورت وشکل اور وضع قطع سے شرافت اور ثقاہت آپ کے چہرہ سے نمایاں تھی، فیوض وبرکات اور خلوص کا یہ عالم تھا کہ جس نے بسم اللہ الخ آپ سے کر لی اور ایک روز بھی قلم پکڑ لیا وہ اپنے کام میں محتاج نہیں رہا، آپ کو حصولِ زر اور دنیا طلبی سے کوئی علاقہ نہ تھا، ورنہ جو والہانہ اعتقاد آپ سے لوگوں کو تھا اگر آپ چاہتے تو متاع دنیا سے اپنے جیب ودامن کو پُر کر لیتے لیکن توکل اور قناعت کو وراثت اسلاف سمجھ کر ایک جھونپڑے میں بیٹھے، درس وتدریس میں زندگی کے آخر لمحہ کو گذار دیا، شیخ مرحوم فطری طور پر مہذب اور شریف تھے، انتہائی غصہ کے وقت بھی کبھی زبان سب وشتم سے مرتے دم آلودہ نہیں فرمایا، عقائد میں بہت ٹھوس تھے، جلدی کسی مولوی کو نہیں مانتے تھے اور علماء سوء کے متعلق آپ کا یہ جملہ ابتک لوگوں کو یاد ہے کہ "قسم کلام اللہ کی یہ لوگ گردن میں قرآن باندھ کر بھی کچھ بولیں تو مجھے سچ بولنے کا یقین نہیں آیا"

جناب حافظ اولیاء مرحوم اور دادا مرحوم نے قوم وملت کی ضرورت محسوس کر کے ایک ایک مدرسہ الگ اپنے گھروں پر قائم کیا، حافظ صاحب مرحوم خالص حفظ قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے اور دادا مرحوم فارسی

اردو، حساب، خط طلی، اور قرآن مجید ناظرہ . . . . . کی غرضیکہ یہ دونوں مدرسے انتہائی تعاون کے ساتھ نصف صدی تک برابر قائم رہے گویا" دین و دنیا بہم آمیز کہ اکسیر شود" ہر ایک کا خیال تھا، اس اعتبار سے حقیقۃً دونوں ایک ہی تھے، چنانچہ حضرت مولانا شیخ قدرت علی مرحوم کے خلوص اور ایثار کا یہ اثر ہوا کہ صدہا افراد و اشخاص آپ سے فیض پا کر دنیاوی عزت سے بھی سرفراز ہوئے، ذیل کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جناب منشی نعمت حسین صاحب ہڈ انسپکٹر، جناب منشی رمضان علی صاحب مرحوم ہڈ انسپکٹر، جناب منشی عبدالصمد صاحب، جناب منشی عبدالستار صاحب، جناب ماسٹر محمد حسن صاحب مرحوم محرر ہائیکورٹ الہ آباد، جناب ماسٹر عبدالاحد صاحب، جناب مولوی عبدالعزیز صاحب، جناب شیخ عبدالصمد صاحب مرحوم، جناب منشی محمد حسین صاحب، جناب منشی محمد یعقوب صاحب خطاط، جناب شیخ عبدالرزاق صاحب، جناب مولوی محمد مصطفےٰ خانصاحب المتخلص بصفا، جناب حافظ عبدالغفور صاحب، جناب منشی محمد اسمٰعیل صاحب ہڈ انسپکٹر و جناب مولوی حامد حسن صاحب و برادرانِ محترم جناب منشی عبدالوحید صاحب اہلکار عدالت دیوانی اعظم گڈھ و منشی عبدالمجید صاحب و منشی عبدالرؤف صاحب وغیرہ، برادر محترم منشی عبدالمجید صاحب قبلہ نے ایک بڑے کارڈ پر کریما اور مقیما دونوں خوشخط تحریر فرما کر مختلف حضرات کی خدمت میں پیش فرمایا جو قابل یادگار رہے، اطراف میں بھی صدہا لوگوں نے اس خانوادۂ علمی سے پورے طور پر استفادہ فرمایا ہے جن کے اسمائے گرامی بخوف طوالت نظر انداز کئے جاتے ہیں،

مدرسہ اصلاح المسلمین سرائمیر کا ابتدائی خاکہ

یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ جب دادا مرحوم مولانا قدرت علی صاحب کے وصال کا زمانہ قریب ہوا تو بظاہر تعلیم کے سلسلہ کے قائم رہنے کا کوئی مستقل ذریعہ نہیں باقی رہ گیا تھا کہ قدرت نے اس شکل کو اور زیادہ پائدار اور مفید صورت میں ایک مدرسہ کے قالب میں ظاہر کیا اور اطراف کے باہوش اور روشندل مسلمانوں نے جس مجلس کی داغ بیل بنام انجمن اصلاح قوم و برادریِ ضلع اعظم گڈھ سنہ ۱۳۲۱ھ میں ڈالی تھی اور جس کے کل بارہ جلسے اب تک

مختلف مقامات میں ہوئے تھے[1] یہی مجلس "انجمن اصلاح اعظم گڈھ" ترقی کر کے مدرسہ اصلاح المسلمین سرائے میر کی شکل میں منتقل ہو گئی، اس مدرسہ کا سنگِ بنیاد ۱۳۲۷ھ کے موسم بہار میں مولانا سید اصغر حسین صاحب مدظلہ اور مولانا محمد شفیع خانصاحب نائب ناظم مدرسہ نے رکھا، جس کے حقیقی روح رواں اور بانی مولانا محمد شفیع خانصاحب ساکن سیدھا اور استاذی مولانا عبدالاحد صاحب مرحوم دیوبندی ساکن ہنجیرپٹی تھے، گو بعد کو قوم و برادری کے دیگر علماء تکمیل کے نقشے وقتاً فوقتاً مرتب کرتے رہے لیکن اولیت اور الفضل للمتقدم کا طغرائے امتیاز اول الذکر حضرات ہی کے بے لوث ایثار اور خلوص کا مرہون منت ہے، چنانچہ مدرسہ اصلاح المسلمین کا نام بدل کر آج مدرستہ الاصلاح ہو گیا ہے، مدرسہ کے پڑوسی مواضعات اور ضلع کے قدیم حضرات اس کے ابتدائی دور سے اچھی طرح باخبر ہیں، یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ جب موجودہ مقام مدرسہ کو اطراف کے ثقہ و باہوش مسلمانوں نے منتخب فرمایا تو سب سے پہلا قدم جو مدرسہ کے لئے اٹھایا گیا ہے وہ راجہ پور سکرور ہی کی قسمت میں تھا، اور یہ کیوں نہ ہوتا؟ یہ موضع اپنے تدین اور تعاون علی البر والتقویٰ میں ضلع کا منتخب بلکہ افضل موضع شمار ہوتا تھا، قوم کے برگزیدہ حضرات نے سب سے پہلے یہیں دست سوال دراز کیا، چنانچہ اس قصر عالی کی پہلی اینٹ بننے کا شرف جس خاتون کے حصہ میں آتا ہے وہ مولوی قادر صاحب مرحوم کی صاحبزادی اور حافظ محمد فصیح صاحب مرحوم کی یعنی خاتون اپنی ایک محبوب اور قیمتی متاع (نتھ) چندہ میں مدرسہ کو دے کر عہد سلف کی تاریخ کو ہمیشہ کیلئے زندہ کر دیتی ہے، پھر اس کے بعد زیور اور روپیوں کی بارش ہوتی ہے، مکانات کے لئے درخت کٹوا کر بھیج دیئے جاتے ہیں، بحمد اللہ اس کارِ خیر کا سلسلہ ابتک ترقی کے ساتھ قائم ہے، وکفیٰ بہ فخراً،

بہر حال مسلمانانِ موضع راجہ پور سکرور اور جناب ماسٹر عبدالقادر مرحوم نے اس مدرسہ کی آمدنی کے مستحکم اور ترقی دینے کے لئے ابتدائً جو جد و جہد اور قربانیاں کی ہیں وہ اہل بصیرت پر مخفی نہیں، پہلا وقف جو مدرسہ پر ہوا ہے

---

[1] یعنی سیدھا، سلطانپور، مرزاپور، بینا پارہ، سرائمیر، راجہ پور سکرور، ٹھیکریا، نظام آباد، سہریا، مستم پٹی، ہنجیرپٹی وغیرہ، چنانچہ دستخط ممبران مواضع و دفتر کارروائی انجمن اور اس کی عہد بعہد کامیابی کی تفصیلات موجود ہیں، جنھیں انشاء اللہ تعالیٰ تاریخ سرائے میر در حالات میر سید علی عاشقان بن قوام کے ذکر میں مع مختصر تاریخ مدرستہ الاصلاح سرائے میر لکھا جائیگا،

وہ ماسٹر صاحب مرحوم کی آراضی کا ہی، لیکن افسوس ہے کہ جبکہ اس گاؤں کو مدرسہ سے گوناگوں علاقہ ہے اسی وجہ یہاں کے بچے اس کے فیض اور برکات سے محروم ہیں، بقول حکیم سنائی "گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا" جمود اور تعطل کا یہ عالم ہے کہ ہر بات صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے اور روز بروز دماغی و ذہنی خوبی فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے، نہ اپنے وقار کا خیال، نہ بزرگوں کی عزت و ناموس کا احترام، نہ روایات قدیم کا تحفظ گو ظاہری سا کچھ قائم ہے لیکن اس کی مثال اندر سے صرف ایک جسم بے روح کی ہے،

حضرت سیّد کا سکروہرا اور دیگر مواضعات میں ورود مسعود

حضرت سیّد علوم ظاہری و باطنی سے فارغ ہو کر تقریبًا ۲۵ سال کی عمر میں ہندوستان کی سیر و سیاحت اور تبلیغ و اعلاء کلمۃ الحق کے لئے بموجب بشارت نبوی صلعم بزرگان سلف کی اتباع میں گشت کرتے ہوئے راجہ پور سکروہرہ ورود فرما ہوئے آپ کے ہمراہ ۸ کہار باورچی اور تقریبًا ۱۵ آدمی بصورت قافلہ تھے، جامع راجہ پور سکروہرہ میں ایک روز قیام فرما کر ضلع کے اکثر مواضعات میں دورہ فرمایا اور پھر واپس مکان تشریف لیگئے، اس دورہ میں دعوت شاید ہی کسی کے یہاں کھانی منظور کی ہو یہی وجہ تھی کہ کسی نے جانا اور کسی نے نہیں بھی،

دوسرا دورہ ۳ سال کے بعد ہوا ابکی بار کہار ایک گھوڑا اور اونٹ اور ۱۵ آدمی ہمراہ تھے، اس دورہ میں حضرت سیّد نے شاید ہی کسی گاؤں کو چھوڑا ہو تمام جگہ تشریف لے گئے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ اور پیغام حق کو پہنچاتے رہے، اس مرتبہ حضرت سیّد کا قیام شیخ قادر بخش مرحوم کے مکان پر ایک ہفتہ تک رہا پھر موضع نیاوج و سیدھا اور بڈہریا وغیرہ ہوتے ہوئے اعظم گڈھ کی طرف روانہ ہو گئے، اسی سفر میں استاذی مولانا محمد شبلی صاحب متکلم مہتمم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے خاندانی چچا مولوی محمد اشرف صاحب بھور اور ان کے والد بیعت ہوئے، موصوف کے یہاں قیام فرما کر بھور سے مبارکپور وغیرہ روانہ ہو گئے، غالبًا اسی دورہ کے بعد آپ کا ورود موضع جمدہاں وجیگہاں ضلع جونپور ۱۹۰۹ء میں ہوا تھا، اسٹیشن کھیتا سرائے پر لوگ پہلے سے استقبال کے لئے موجود تھے، ایک نہایت سرکش گھوڑا تھا جو کسی کے قابو کا نہ تھا، حضرت سیّد سے تذکرہ کیا گیا، آپ نے

گھوڑے کے قریب جاکر ایک ہاتھ اس کی پیٹھ پر مارا، وہ عرق عرق ہوگیا اور پھر کوئی حرکت ناشایستہ نہ کرسکا، موضع کے لوگوں نے چند گولے پہلے سے تیار کر رکھے تھے آپ کی آمد پر اسے استعمال کیا جس سے سخت آواز ہوئی، آپنے اس حرکت کو خلاف سمجھکر سبب دریافت کیا، شیخ صاحب علی صاحب و حافظ محمد سلیمان صاحب مرحوم نے بادب یہ عذر کیا کہ حضرت ہمارے ملک کا یہ دستور ہے کہ جب کوئی بڑا شخص آتا ہے تو خوشی میں یہ رسم ادا کیجاتی ہے، ہمارے لئے حضرت سے بڑھ کر کون ہوگا؟ آپنے فرمایا کہ فقیروں کے لئے اس کی ضرورت نہ تھی، نمود و نمایش، ریا و سمعہ اور اسراف سے ہمیشہ بچتے رہنا چاہئے، بہرکیف حضرت سیدؒ ان مواضعات میں قیام فرما کر موضع چتارہ تشریف لیگئے، جہاں مولوی حاجی محمد عمر صاحب آپکے شاگرد بقید حیات ہیں، یہ موضع علوم فارسی میں آپ اپنا نظیر رہا ہے، حضرت سیدؒ کی شان میں جناب سید محمد یٰسین صاحب چتاروی اور مولوی محمد یار اللہ یٰسین صاحب چتاروی نے برجستہ قصیدے پڑھے، جن میں سے چند اشعار ناظرین کی دلچسپی کے لئے اس موقع پر درج کئے جاتے ہیں

قصیدۂ مدحیّہ جناب مولوی محمد یار اللہ یٰسین صاحب چتاروی

مژدہ اے ذرہ کافتاب آمد — ماہ تا ماہی شرف یاب آمد
مژدہ دل راکہ کامیاب آمد — دعوت خستہ مستجاب آمد
باد عشرت بہ گلشنم بوزید — مزرعۂ خشک راسحاب آمد
آب رفتہ دگر بجو جوشید — سبزہ دیگر بآب و تاب آمد
غنچۂ گل شو کہ آں نسیم بہار — پردہ بکشائے صد نقاب آمد
ہمچو ناموس اکبر از رہِ قدس — رحمتِ حق بفتح باب آمد
شہ سوارِ عرب نژاد رسید — کش کمان کیاں رکاب آمد
فاسق از کردہ ات پشیماں شو — مفتیِ دورِ احتساب آمد

عارف از نور بہرہا اندوز | چشمۂ فیض بیحساب آمد
خواجۂ عصر سیّد عالم | کش چو روح الامین خطاب آمد
مہر تو مہر مصطفٰے مانند | حب تو حب بو تراب آمد
معنیِ کالنجوم اصحابی | رویت از ہر چہار باب آمد
از پئے رجم جانبِ شیطاں | خاک نعلینِ تو شہاب آمد
از رخت رنگت چمن بشگفت | وز جنت نگہتِ گلاب آمد
حیف شخصیکہ از تو دور افتاد | خوش کسے کز تو فیضیاب آمد
ماہ خواہد کہ پائے من بوسد | تا دواں دو بآں رکاب آمد
نجم خواہد کہ سجدہ ام بکند | چوں تو یوسف گرم بخواب آمد
گفتم امروز کیست ہمسر تو | حاشا بس نیستم جواب آمد
دفتر برگزیدگاں جُستم | فرد نامت ور انتخاب آمد
اے مسیحا دم و قمر طلعت | مقدمت را ازیں انتخاب آمد
بقدومت[1] چارہ یافت رواں | در شرف جائے آفتاب آمد
۱۹۰۹ء | ۱۳۲۷ھ
خستہ لیسی خمش کہ نہ توانی | یاد بخشش کہ بے حساب آمد

قصیدہ مدحیہ جناب مولوی محمّد یار اللہ صاحب متخلص بصفیر چپاروی

صد مرحبا خوش آمدی اے سیّد و سردار ما | کن فرش راہ خود سرم نہ پائے بر دستار ما
از بامداد م منتظر گرد خاک پایت طوطیا | آرد صبا در چشم من روشن کند انظار ما

[1] واضح رہے کہ یہاں بقدومت کے الف کو بخیال مادۂ تاریخ ساقط کیا گیا ہے۔ اس سے اوپر کے شعر میں مسیحا دم اور قمر میں ابہام ہے جس سے عیسوی اور قمری سنہ شمار کیا گیا ہے۔

آں نور ساں در چشم من یا صورت جاں در بدن | نے مثل بو اندر چمن تا گل شود ہمراہ ما
اے آلِ فخر المرسلیں آ بر سر چشم نشیں | وز دیدہائے دل بہ بیں حالِ دلِ افگار ما
اے فخر آلِ مصطفےٰ الحب دلِ مشکل کشا | بہرِ خدا شو رہنما آساں بکن دشوار ما
اے نائب پیغمبرم بہرِ خدا شو رہبرم | تا سوئے کوئش رہ برم از دل رُود آزار ما
با لطف و احساں بندکن از بہر دل در بند کن | گہ رنجہ گہ خرسند کن شو مرہم افگار ما
خوشتر جلال احمدی ہاں با جمال احمدی | پس چونکہ آلِ احمدی بگذر ز بد کردار ما

چوں بر صفیر بے نوا داری چنیں لطف و عطا
شو تا دمِ روز جزا ہمر شفاعت یار ما

عرصہ ۱۴ سال تک حضرت سیّد کا سکر ور نہ آنا

حضرت سیّد کا کہیں آنے جانے میں یہ مذہب تھا کہ بدوں دعوت و اصرار شدید ہرگز تشریف نہ لیجاتے، اَلّا آنکہ کوئی مذہبی ضرورت ہو، اس وقت تن بتقدیر میدان میں نکل آتے تھے، گذشتہ دوروں کے بعد آپ ۱۴ سال تک مسلسل خانہ نشین رہے، واقعہ یہ تھا کہ ایک مرتبہ کسی خاندانی خاتون نے جو آپ سے رشتہ میں بڑی تھیں خانگی معاملات میں زبان سے یہ فرما دیا کہ اگر پیری مریدی نہ ہوتی تو معلوم ہوتا ادکما قالت" حضرت سیّد نے ۱۴ سال تک کہیں آنا جانا یک لخت ہی ترک کر دیا اور کہدیا کہ فقیر کو ساری زندگی گھر بیٹھے کارساز حقیقی روزی پہنچائیگا، پھر معتقدین کے اصرار اور اسی خاتون کی معذرت سے برائے ہدایت خلق اللہ اپنے فرائض منصبی میں مصروف ہو گئے اب یہ معمول ہو گیا تھا کہ چند سال کے بعد عقیدت کیشوں کے اصرار سے مجبور ہو کر تشریف لایا کرتے تھے، اور اپنے مؤثر اور دلکش انداز سے برملا اعلاء کلمۃ الحق کا وعظ ہندوستان کے طول و عرض میں تقریبًا نصف صدی تک فرماتے رہے، پھر تو آپکے بے لوث جذبۂ ملی کا وہ اثر ہوا کہ کفر و شرک اور بدعت کو آپکے نام سے لرزہ پیدا ہو جاتا تھا جیسا کہ مصلحین قوم و مجددین ملت کے کارناموں سے ظاہر ہے، ضلع اعظم گڈھ کے مواضعات اور قصبے

خصوصیت سے آخر تک حضرت سیدؒ کے معتقد رہے ہیں، مثلاً راجہ پور سکرور، حسن پور، کورٹیا، طوا، گھنی، دیناپارہ، منجیر پٹی، متو، ہمتی پور، بڑھریا، خیرآباد، سرائے میر، نیاوج، سیدھا سلطانپور، آخرالذکر موضع کے مشہور عالم حضرت مولٰنا محمد شفیع صاحب قبلہ نائب ناظم مدرستہ الاصلاح سرائے میر، حضرت سیدؒ کے خلیفہ مجاز ہیں،

بہرحال سلطانپور، پرتاب گڈھ، رائے بریلی، الہ آباد، جونپور، اعظم گڈھ، چھپرہ ضلع سارن، پٹنہ، بنارس، بمبئی، کلکتہ اور بالخصوص رنگون و ہیمیو وغیرہ میں ہزاروں ہمدردوں اور عقیدتمندوں کی جماعت آج بھی موجود ہے، کہنا یہ ہے کہ اہل سکرور حضرت سیدؒ کے احترام اور وقار کو مدنظر رکھ کر ہمیشہ اس بات کا ثبوت دیتے رہے کہ ہمیں اللہ اور رسول کے سچے اور مخلص خادموں سے محبت رہی ہے اور رہے، ورنہ غور کا مقام ہے کہ حضرت سیدؒ ایک بار سخت ناراض ہوجاتے ہیں اور کوئی صورت غصہ کے فرو کرنے کی نظر نہیں آتی ہے کہ دفعتہً شیخ قادر بخش مرحوم کو خبر ہوتی ہے آپ آتے ہیں اور حضرت سیدؒ کے قدموں کو تھام لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرا کوئی عمل زندگی میں ایسا نہیں ہوا کہ جس سے خدا کی رضامندی کا مستحق ہوسکوں، بس یہی آرزو ہے کہ سیدؒ کے قدموں کی خاک ہوجاؤں، حضرت سیدؒ کا سارا غصہ فرو ہوجاتا ہے، اور آپ جانے کا عزم فسخ کردیتے ہیں، یہ تھے سچے عقیدت کیش، شیخ صاحب مرحوم کا فعل بعض ناعاقبت اندیشوں کے نزدیک قابل نفریں تھا، لیکن حقیقت بیں نگاہیں اس فروتنی کے اندر وہ سربلندی دیکھتی ہیں جس سے بڑھ کر محبوب کی کوئی بلندی نہیں ہے

خونے نہ کردہ ایم و کسے را نہ کشتہ ایم … جرم ہمیں کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

شیخ صاحب مرحوم کے بعد بھی حضرت سیدؒ آپکے دولت خانہ پر برابر قیام فرماتے تھے اور آپکے یہاں دعوت جمعہ کی ہمیشہ رہتی تھی، جب آپ کا بیٹھک زنان خانہ ہوگیا تو ایک سال حافظ عبدالرشید صاحب کے مکان پر قیام رہا اس کے بعد یہ عزت وسعادت جناب حافظ عبدالصمد صاحب مرحوم پیش امام کے دور میں حافظ محمود احسن صاحب کے بنگلہ کو حاصل ہوئی، اس آخری دور میں سکرور کے مسلمانوں نے حضرت سیدؒ کو ہر طرح خوش در ضامند رکھنے کی کوشش کی اور جمعہ وجماعت وغیرہ میں وہ پابندی دکھائی کہ اگر اسی حالت پر قائم رہجاتے تو چراغ

ے کر ڈھونڈھنے سے بھی ایسی جماعت نہ ملتی، چنانچہ حضرت سیدؒ آخری دور میں راجہ پور سکرور سے جس درجہ خوش خوش تشریف لے گئے شاید ہی کسی گاؤں کو یہ عزت حاصل ہو، ہم مسلمانان راجہ پور سکرور کو خوش ہونا چاہئے کہ اللہ کا ایک محبوب بندہ اور رسول اللہ صلعم کا ایک سچا امتی، نجیب الطرفین سید، متقی، عالم باعمل اس موضع اور اہل موضع سے خوش وخرم رخصت ہوگیا، ورنہ ہمارے اعمال تو ایسے ہو چکے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں کہ اب سچے ہمدرد اور علمائے حق کی باتوں کے سننے سے انکار کرتے ہیں، اور ایک ہی پیمانہ سے ہمدرد وغیر ہمدرد، علمائے سوء اور علمائے حق کو ناپ کر عبد الدینار و عبد الدرہم کا حکم لگا دیتے ہیں، یاد رہے کہ ایسا حکم لگانا یعنی غلط اور صحیح، حق اور ناحق کی تمیز کئے بغیر مطمئن ہو جانا سخت غفلت اور ہلاکت کا پیش خیمہ ہے، خدارا اب بھی چونکئے اور نفس کے فریب اور شیطان کے جال میں نہ آئیے اور یہ طے کر لیجئے کہ دنیا ہم سے اچھی ہے، خرابی ہمارے اندر ہے اور بس، کیا حضرت عیسیٰ مسیحؑ کا یہ جملہ آب زر سے لکھنے کے لائق نہیں ہے؟ "کہ لوگوں کو دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔"

مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں حضرت سیدؒ کا ورود مسعود

مدرسۃ الاصلاح سرائمیر ضلع اعظم گڈھ ایک مشہور عربی درسگاہ ہے جو عرصہ ۳۰ سال سے قوم وملت کی خدمات انجام دے رہی ہے، اور بحمد اللہ اب تک باوجود گوناگوں مشکلات کے اپنے فرائض کی انجام دہی میں سرگرم عمل ہے، اس مختصر سی مدت میں اس کے فرزندوں کی ایک جماعت ہندوستان کے طول وعرض میں اہل علم کے نزدیک معتبر ثابت ہو چکی ہے، اس درسگاہ میں حضرت سیدؒ نے دوبارہ کچھ دیر تک قیام فرمایا تھا، پہلی مرتبہ آپ نے نصاب وغیرہ ملاحظہ فرما کر انگریزی کے داخل نصاب ہونے پر اختلاف فرمایا کہ اسے عربی نصاب میں نہ ہونا چاہئے، استاذی حکیم مولانا محمد احمد مدظلہ نے فرمایا کہ بغرض زباندانی اور ملکی زبان ہونے کے تھوڑی سی پڑھائی جاتی ہے، حضرت سیدؒ نے فرمایا کہ اس مقصد کے لئے ہندوستان میں انگریزی کالج موجود ہیں وہاں حاصل کیجائے، اس کی تو ایسی ہی مثال ہے کہ گویا بالائی کے ساتھ سنکھیا کھلائی جاتی ہے، ہضم ہو گئی تو خیر ورنہ جسم بگڑ جائے گا اور پھوٹ کر نکل آئیگی،

مولانا محمد شفیع صاحب قبلہ مدظلہ نائب ناظم مدرسہ نے یہ قصہ حضرت استاذ امام مولانا فراہیؒ ناظم مدرسہ سے تذکرۃً کہدیا آپنے انگریزی نکالدی، جب حضرت سیّدؒ کا دوسرا دورہ ہوا تو پھر آپ اسٹیشن سے آتے وقت چند منٹ مدرسہ پر ٹھہرے اور یہ سنکر حد درجہ مسرور ہوے کہ انگریزی اب داخل نصاب نہیں ہے، خیر دیگر چیزوں کو سرسری طور پر دیکھ بھال کر سکرور روانہ ہوگئے، اور اپنی صحبتوں میں مدرسہ کا ذکر کرتے رہے کہ اس دورِ فرنگیت اور نیچریت میں ایسے مدارس کا وجود ضروری ہے، بشرطیکہ زمانہ کے حالات اور رسم و رواج خلاف شرع سے متاثر نہ ہوں،

حضرت استاذ امام مولانا فراہیؒ نے کئی بار مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہ سے فرمایا کہ سید صاحب سے ملنے کو جی چاہتا ہے، لیکن یہ سوچکر طبیعت رُک جاتی ہے کہ اثنائے گفتگو میں شاید کوئی ایسی بات آجائے جو سیّد صاحب کے خلاف مزاج ہو کر ناگواری طبع کا باعث ہو کیونکہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے جبکہ سید صاحب چچا مرحوم کی دعوت پر پھریہا تشریف لارہے تھے اتفاقاً ٹرین میں ملاقات ہوگئی اور دیر تک باتیں رہیں میں نے شاہ ولی اللہؒ کی کسی بات پر تنقید کردی، جس پر سیّد صاحب سخت رنجیدہ ہوے اور شاہ صاحبؒ کے خلاف سننا گوارا نہ کیا، ورنہ سیّد صاحب جوش مذہب، تقویٰ اور پارسائی، استقامت وعزیمت میں لائق احترام اور خاندانی سید اور مہمان ہونے کی وجہ سے اس کے مستحق ہیں کہ ان سے ضرور ملاقات کیجائے، بہرحال ملاقات کا اتفاق نہیں ہوا،

حضرت سیّد صاحب کے وعظوں میں مدرسۃ الاصلاح کے اساتذہ وطلبہ برابر شرکت کرتے تھے، جب آپکے وصال کی خبر مدرسہ میں پہنچی، مدرسہ بند کردیا گیا، اور تمام اساتذہ وطلبہ نے مل کر ایصال ثواب کیا، ان گوناگوں اسباب وتعلقات کی بنا پر آج اسی مدرسہ کے ایک طالب علم اور فرزند کو حضرت سیّدؒ کے حالات زندگی لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی، والحمد للّٰہ علیٰ ذالک،

| سلطانپور، پرتاپگڈھ، رائے بریلی | خانوادۂ قطبیہ سے اودھ کے ان مشہور شہروں کو جو فیوض و برکات پہنچے ہیں،

زمانہ اس کا شاہد ہے بالخصوص حضرت شاہ علم اللہ نقشبندیؒ اور آپ کے خلفاء و خاندانی اشخاص و رجال سے ہدایت
و تبلیغ حق کا فریضہ برابر جاری رہا، چنانچہ حضرت سید خواجہ احمدؒ کے ذریعہ خدا نے وہ کار نمایاں انجام دلایا کہ صفحۂ
تاریخ پر قیامت تک قائم رہیگا، لیکن اس مبارک سلسلہ کی تکمیل حضرت مولانا سید محمد امینؒ مجدد مائۃ رابع
عشر کے حصہ میں روز ازل سے ہی لکھدی گئی تھی، آپ کی تنہا تبلیغ و ہدایت سے وہ کام انجام پایا کہ بہت سے
علماء کی مجموعی طاقت سے ناممکن تھا، آپنے ضلع سلطانپور و پرتاب گڈھ پر بوجہ قرب و حق جوار زیادہ وقت
صرف فرمایا، جس کا اثر یہ ہوا کہ جن قوموں میں پشتینی عداوتیں اور خانہ جنگیاں چلی آتی تھیں یکسر جاتی رہیں اور
لوگ سچے مسلمان بن گئے، قریشی اور قوم گوجر جس کی آبادی شمال و جنوب الہ آباد و پرتاب گڈھ تا سلطانپور
ہے اور جو اپنی بہادری و شجاعت میں ترک و عرب کا نمونہ کہے جاسکتے ہیں، حضرت سیدؒ ہی کا کام تھا کہ آپنے
انھیں فسق و فجور سے نکال کر ایک خالص مذہبی جماعت تیار کی، جس کا مقصد آہ کہ حضرت سیدؒ کے ساتھ قبر
میں قیامت تک کیلئے دفن ہوگیا، جناب مولوی عبد الخالق خاں مرحوم مؤحد رائے بریلوی تلمیذ حضرت سیدؒ
نے ہدیۂ موحد میں جو ترکیب بند آپکے مناقب میں تحریر فرمائے ہیں، اسمیں ذیل کے شعر میں اسی قوم گوجر کیطرف تلمیح و اشارہ ہے

دلوں میں وحشیوں کے پودے جو تو نے لگائی ہے　　　خدا وہ دن بھی دکھلائے ہم اسکو بارور دیکھیں

بہرحال آپ کی ساری توجہ اضلاع مذکور کے مسلمانوں کی اصلاح و ہدایت میں صرف ہوئی اور کبھی آپ
سکون و اطمینان سے مکان پر بھی نہ بیٹھ سکے، کیونکہ اس دشوار گذار راہ میں اکثروں نے بڑھکر قدم پیچھے ہٹالیا
کہ وقت اور زمانہ ناساعد ہے، مصلحت وقت اجازت نہیں دیتی، لیکن یہ عذر لنگ ایک مجدد ملت اور خادم
دین و مذہب کو شیطان اور نفس کے مکائد و حیل کا شکار ہونے نہیں دیتا، بلکہ وہ موانع اور مشکلات کے وقت
اور بھی عزیمت و پامردی کو کام میں لاتا ہے، چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ حضرت سیدؒ اس راہ میں جملہ تکالیف کو
ہمیشہ راحت سمجھ کر قدم آگے بڑھاتے رہے اور بحمد اللہ کامیاب رہے، واقعات کی تفصیل سلک التحریر میں ملاحظہ
کیجائے، اس موقع پر حضرت سیدؒ کے معتقدین سے یہ درخواست ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر مضبوطی سے

قائم رہیں اور شرک و بدعت کے کاموں سے اپنی بیزاری کا اظہار و اعلان فرمائیں، اور ہرگز علماے سوء کے دام تزویر میں نہ آئیں، حضرت سیّدؒ جس طریقہ پر عملاً چلا گئے تھے وہی اصل راہ ہے بقیہ نفس و شیطان کا فریب ہے،

قصبہ جائس اور نصیرآباد

قصبہ جائس اور نصیرآباد ضلع رائے بریلی کے قدیم قصبے ہیں، عوام جائس کو بڑا شہر اور نصیرآباد کو چھوٹا شہر کہتے ہیں، تاریخی حالات پہلے گذر چکے، راقم الحروف نے نصیرآباد کو کئی مرتبہ بغور دیکھا ہے مگر جائس کو اندر سے اچھی طرح دیکھنے کا کبھی موقع نہ ملسکا، تاہم ان اجڑے ہوئے کھنڈروں میں آج بھی عہد ماضی کے جلال و جبروت کا نقشہ سامنے آجاتا ہے، کیسے کیسے باکمال اور ائمۂ فن اس سرزمین سے اٹھے جنکا سکہ نہ صرف پورے اودھ بلکہ ہندوستان کے چپہ چپہ پر رواں تھا، حضرت سیّدؒ اس عہد رفتہ کے آخری علمبردار اور سلف کی یادگار تھے، جو ۶ سو برس سے قائم تھا، لیکن آہ . . . . . .

اے مرگ ہزار خانہ ویراں کردی — درملک وجود غارت جاں کردی

ہر گوہرے قیمتی کہ آمد بجہاں — بردی و بزیر خاک پنہاں کردی

لیکن پھر بھی جبتک دنیا میں ارباب حال موجود رہیں گے، اس وقت تک ان مقامات میں آفتاب علم و عمل کی شعاعیں ضوفشاں ہوتی رہیں گی،

کسیکہ محرم راز صبا است می داند — کہ باوجود خزاں بوے یاسمن باقی است

نصیرآباد کے ارباب اقتدار میں سادات نجمیہ ہیں، محلہ قضیانہ میں سادات اہلسنت کی آبادی ہے ہنود کے علاوہ اور مسلمان قومیں بھی آباد ہیں، چونکہ یہ قومیں علم و عمل سے بے بہرہ تھیں اس لئے ارباب اقتدار وقتاً فوقتاً دست تعدی دراز کرتے رہے اور بسا اوقات مذہبی مداخلت کرنا بھی روا سمجھا گیا، واقعات شاہد ہیں کہ قوم بنی اسرائیل کی طرح ان مسلم رعایا کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا، کہ دفعتہً رحمت الٰہی جوش میں آئی اور حضرت سیّدؒ اس مظلوم اور ایماندار قوم کو نجات دلانے اور نصیرآباد کو آزاد کرانے کی جد و جہد میں مصروف ہو گئے، اور سالہا سال تک بے اصل مقدمات کا دفاع فرماتے رہے یہانتک کہ مسلمانان قصبہ

نصیر آباد کو مذہبی و معاشرتی آزادی دلا کر چھین لیا، جس کا قصہ طویل ہے، اہل ہند اور بالخصوص قصبہ نصیر آباد کے مسلمانوں کو حضرت سیّدؒ کا مرتے دم تک مرہون منت ہونا چاہیئے، جناب حاجی عبدالرحیم صاحب جائسی ایسے سچے فدائی تھے کہ جن کی نظیر آج چراغ لے کر ڈھونڈھنے سے ملنے والی نہیں، موصوف نے خود مجھ سے فخریہ یہ بیان فرمایا تھا کہ حضرت سیّدؒ نے مجھے سات آٹھ سال تک اپنی جماعت سے نکال دیا تھا، میں نے کبھی آپ سے منھ نہیں موڑا، اپنی کمزوریوں کی اصلاح اور حضرت سیّدؒ کی خدمت میں حاضری سے ذرہ برابر دریغ نہیں کیا اور طے کر لیا کہ جبتک حضرت خوش نہ ہونگے میں اپنے ارادے سے باز نہ آؤنگا، نتیجہ خدا نے وہ دن دکھایا کہ پھر آپ خوش خوش دنیا سے تشریف لے گئے، یہ ہیں عہد گذشتہ کی یادگاریں جو اس دور قحط الرجال میں ناپید ہیں،

حضرت سیّدؒ کے وصال کی پیشگی ایک لطیف اشارہ

آخری دورہ جسکے بعد پھر حضرت سید سکرور وغیرہ اطراف اعظم گڈھ تشریف نہیں لاسکے، وہی دورہ تھا جس میں آپنے موضع دینا پارہ کے وسیع میدان میں آیت کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم الآیہ پر نہایت جامع اور عالمانہ وعظ فرمایا تھا، کیا علم تھا کہ جس طرح یہ آیت دین اسلام کی تکمیل کا اعلان و فیصلہ سناتی ہے حضرت سیّدؒ بھی اپنی رحلت اور وصال کا اشارہ فرماتے ہوئے حق تبلیغ اور اعلاء کلمۃ الحق، امر بالمعروف والنہی عن المنکر کے فریضہ کی تکمیل سے سبکدوش ہو رہے ہیں، راقم الحروف کو اس وعظ کے بعد ہی یقین ہو گیا تھا کہ حضرت سیّدؒ کو اب سفر آخرت درپیش ہے، کیونکہ انداز بیان اور مخفی اشارات کسی آنے والے حادثہ فاجعہ کا سراغ دے رہے تھے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، رحمۃ اللہ علیہ وعلی آبائہ واتباعہ الی یوم الدین،

وفات

رحلت فخر روزگار ہے آج ۔۔۔ چشم اعدا بھی اشکبار ہے آج

سنہ ۱۳۴۹ ہجری تک کے واقعات زندگی تو لکھے جا چکے، اب اس دن کے حالات قلمبند ہو رہے ہیں،

جس کے بعد کے حالات ہمیں معلوم نہیں اور نہ انھیں اس عالم اسباب سے کوئی تعلق ہے، ع

کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمّا را

دنیا جو "دنی" ہونے کے باوجود حکم الٰہی اور اسرار ربّانی کی ایک باعظمت اور عظیم الشان جلوہ گاہ ہے اس کے دامن پر زندگی کے نقوش اسی لئے ظہور میں آتے ہیں کہ خود مٹا کر کسی قادر مطلق ہستی کا پتہ دیں، اور اگر سچ پوچھئے تو ساز ہستی کی ہر صدا اسی وجود کل کا ایک نغمۂ عبرت ہے، آنکھیں اگر دیکھنے والی ہوں تو دیکھ سکتی ہیں کہ کائنات کے ہر ذرّہ کی پیشانی پر کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى الآیۃ کا نوشتہ ازل موجود ہے جو نہ کبھی مٹا ہے اور نہ مٹیگا، جو دنیا میں آیا سب نے یہی شہادت دی کہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ یہ ایک آنیوالی خبر ہے، اس کے لئے کوئی روک نہیں، قضاء مبرم ہے جس میں تخلف کی گنجائش نہیں سنت الٰہی ہے جسمیں تبدیلی کا امکان نہیں وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ،

سید ممدوح بھی اسی دنیا کے رہنے والے انسان تھے لہٰذا ان کے لئے بھی وقت آیا کہ تمام فرائض نبوی کی ادائیگی کے بعد اس آخری فریضۂ فطرت کو بھی پورا کریں جسے ابتک سب پورا کرتے آئے ہیں،

دو شنبہ کا دن تھا، وہی دوشنبہ جس دن پیغمبر عالم کے لئے آسمانی فرشتہ رفیق اعلیٰ کا بلاوا لیکر آیا تھا آج اسی پیغمبر کے ایک سچے وارث کو بھی جو العلماء ورثۃ الانبیاء کی حقیقی اور روحانی وراثت کے علاوہ اپنے پیغمبر کی بہت سی ظاہری وراثتوں کا بھی مالک بنایا گیا تھا، اسی پیام الٰہی کا استقبال کرنا پڑا اور طائر روح اس قفس عنصری سے پرواز کرکے اسی عالم روحانیت میں جا پہنچا جہاں اسکا حقیقی نشیمن تھا، اِنّا لِلّٰهِ الآیۃ

جس طرح سید موصوف کے عام کارنامے ایک اہمیت اور انوکھی شان رکھتے ہیں، موت کا دن اور اس کے واقعات بھی ایسے نادر الوقوع حقائق کا مظہر ہیں جن کی کُنہ تک پہنچنے سے ہماری عقلیں جن پر ناسوتی پردے پڑے ہوئے ہیں، عاجز اور درماندہ محض ہیں، ابھی وصال کی تاریخ ایک ماہ بعد آنے والی تھی لیکن چونکہ رب کی حضوری میں جانا تھا اس لئے عالم روحانیات کے روابط مضبوط اور عالم مادیات کے علائق

ایک ایک کرکے منقطع ہوتے گئے، علالت کی شکایت نہ ہونے کے باوجود غذا ایک لخت ترک ہوچکی تھی، حتیٰ کہ اس کی بو سے تنفر ہوگیا تھا، بایں ہمہ صحت و توانائی کا یہ عالم تھا کہ اوراد، وظائف، تلاوت قرآن و پابندی صلوٰۃ اور پند و مواعظ کے معمول میں ذرہ برابر فرق نہ آیا، اللہ اکبر جن کے باطن انوار الٰہی سے معمور اور جنکے معدے غذائے روحانی سے پر ہوں ان کو اس زمین کے اگائے ہوئے ساگ پات کیوں پسند خاطر ہونے لگے جن وسوسہ آفرینوں کو "ان ربی یطعمنی ویسقینی" کی صداقت میں کوئی شک ہو وہ آج بھی اس کہنے والی کے ایک امتی اور خادم سے اس کی کھلی شہادت لے لیں،

دوشنبہ کے روز آپنے معمول میں کسی قدر ترمیم کی، اس کے علاوہ بعض دیگر قرائن سے بھی معلوم ہوتا تھا کہ ہاتف غیب کچھ اشارہ کرچکا ہے، آپ کے برادر محترم جناب مولنا حکیم سید محمد متینؒ کا بیان ہے کہ حسب دستور صبح کو میں آپکے پاس آکر بیٹھ گیا، اس وقت نائی کو بلاکر حجامت بنوانے لگے، میں نے کہا آج تو دوشنبہ کا دن ہے آج تک تو آپ کی عادت پنجشنبہ کو حجامت بنوانے کی تھی، فرمایا "دوشنبہ سمجھکر بنواتا ہوں" میں نے موقع غنیمت سمجھ کر سلسلہ کلام جاری رکھا اور کہا اگر اخلاط کے کسی فساد کی بنا پر غذا ترک ہوگئی ہے تو باقاعدہ تشخیص اور علاج ہونا چاہئے کیونکہ خدانے اپنے بندوں کی بیماریوں کے دور کرنے کیلئے علاج کا قاعدہ بھی رکھا ہے، جواب دیا، "کوئی علاج کارگر اور کوئی دوا صحت بخش نہ ہوگی، معلوم ہوتا ہے کہ مالک کی یہی مرضی ہے کہ اب میں اس کے دربار میں حاضر ہوجاؤں"، پھر کہنے لگے "آپ کو میری تاریخ ولادت یاد ہے" میں نے جوابدیا جس کتاب میں درج ہے اٹھالاؤں، کتاب لایا تو سن وغیرہ جوڑکر فرمانے لگے "اب تو ٦٣ برس سے زیادہ ہوگئی ہے"، میں نے کہا "ایسی بات نہ کہئے جس سے ہمارا دل ٹوٹتا اور جس کے تصور سے ہماری روح تھراتی ہے" آپنے کہا "مرضی الٰہی میں کیا چارہ ہے، نوشتہ تقدیر تو مٹایا نہیں جاسکتا"، پھر آپنے اسی دن کافور، عطر، اور کفن وغیرہ سامان تجہیز و تکفین درست فرمایا اور بعد عصر دولتکدہ میں تشریف لے جاکر انیس خلوت و جلوت اور اپنی محرم راز زندگی کو صبر و شکر کے کلمات تلقین فرماکر رخصت ہوئے،

گو آپنے راز کا افشا تو نہ کیا، لیکن یہ واقعات اور آپکے یہ الفاظ تو خود بول رہے ہیں کہ آپ کو اپنے وصال کے آثار معلوم ہو چکے تھے، نماز عصر اور تلاوت قرآن سے فارغ ہونے کے بعد پھر کچھ دیر تک تین با کرتے رہے، یہانتک کہ آفتاب نے کسی آنے والے حادثہ سے مغموم ہو کر چہرہ پر زردی کا نقاب ڈال لیا اور پھر ایک الوداعی نگاہ حسرت ڈالتے ہوئے افق مغرب میں روپوش ہو گیا، چونکہ راز و نیاز کی آخری ساعت تھی، آپنے بیچینی سے فرمایا، ابھی تک کوئی مؤذن اذان دینے نہیں آیا، جبتک ایک شخص عبدالحمید نامی جو لکھنؤ کے رہنے والے تھے وطن جانے کے لئے رخصت ہونے آئے، آپنے فرمایا اذان دیدو، بعد اذان کھڑے ہو کر بغیر کسی تکلف یا اظہار ضعف کے نماز پڑھائی، پھر حسب معمول وظیفہ اور مراقبہ میں بیٹھ گئے، میں نے عبدالحمید سے کہا اس وقت اب مولانا بات چیت نہ کریں گے، عشا کے وقت آنا، لیکن کسے معلوم تھا کہ اب وہ کبھی بات چیت نہ کرینگے، رات کی تاریکیاں روزانہ کی طرح آج بھی کائنات پر چھا رہی تھیں، لیکن ابھی ابھی ہونے والے حادثہ کبریٰ کے آثار و علائم اس کی تاریکیوں کو اور زیادہ تیرہ و تار اور وحشت آفریں بنا رہے تھے، ہر دوشنبہ کی شام ہوتی ہے، آج بھی شام ہوئی اور آج کا سورج بھی غروب ہوا لیکن تنہا نہیں بلکہ اس کے ساتھ اسی یوم دوشنبہ کے افق مغرب میں ایک اور آفتاب علم و حکمت بھی ڈوبنے والا تھا، جس کے افق مشرق پر کبھی طلوع ہوا تھا، عبدالحمید تو اپنی قیام گاہ کو واپس گئے میں بھی اپنے مکان میں آیا لیکن ابھی پہنچا ہی تھا کہ واحد خاں خادم حضرت موصوف نے دوڑ کر مجھے آواز دی کہ نہ معلوم مولٰنا کی طبیعت کیسی ہو گئی ہے، میں گھبرایا ہوا آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ عبدالرشید خود دونوں ہاتھوں سے ٹیک دیئے بیٹھے ہیں، ان کو ہٹا کر میں نے سر خود اپنے سینے پر رکھ لیا اور دو تین مرتبہ آواز دی لیکن کوئی حرکت نہ ہوئی اور نہ کوئی جواب ملا، نبض پر ہاتھ رکھا تو ساکت تھی، خیال پیدا ہوا شاید قلب کی حرکت رک گئی ہو، اس کے متعلق بھی امکانی تدبیریں اختیار کی گئیں، مگر معلوم ہوا اب زندگی کی توقع رکھنا قدرت سے جنگ کرنا ہے، اللہ رب العزت کی نوازشیں کسی پر ختم نہیں، قدرت نے کیسے کیسے

ملکوتی انسان پیدا کئے ایک کو غوث بناتی ہے دوسرے کو قطبیت کے تخت پر بٹھاتی ہے لیکن سعادت کی ایسی نادر مثال شاید ہی چشم فلک نے کبھی دیکھی ہو کہ عین اسوقت جبکہ آپ دنیا سے علٰحدہ ہوکر طہارت جسم کے ساتھ ایک مقدس ترین مقام میں محو عبادت ہوں فرشتہ اجل حاضر ہوا اور ٹھیک اس ساعت میں جبکہ عاشق صادق لقاء محبوب کی تمنا کی شورش انگیزیوں سے بیخود ہوکر اوراد وظائف کے صحرائے مقدس میں تیزی سے دوڑ رہا ہو، محبوب جس کی بارگاہ میں اس نشۂ بیخودی سے بڑھ کر شاید اور کوئی چیز گرانقدر نہیں دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر اپنی آغوش میں لے لے، یہ ہے کامرانی حیات اور بخشش الہیٰ ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

قابل رشک زندگیاں تو خدا کے کتنے ہی بندوں کو نصیب ہوئی ہیں لیکن ایسی قابل رشک موت شاید ہی کسی کے حصہ میں آئی ہو، زندگی کی اس سے بڑھکر فیروزمندی اور جواں بختی کیا ہوسکتی ہے ؎

جانیست ہر آئینہ بخواہد رفتن   اندر غم عشق تو رود اولیٰ تر

نعش مبارک مسجد سے مکان میں منتقل کیگئی، سہ شنبہ کو تجہیز وتکفین ہوئی، جنازہ پر اس قدر ہجوم ہوا کہ قصبہ کے اندر کوئی جگہ اتنی وسیع نہ تھی جس میں اتنے لوگوں کی سمائی ہوسکتی، اسوجہ سے عیدگاہ کا میدان اسکے لئے موزوں تجویز کیا گیا، ارباب ارادت وعقیدت جوق درجوق چلے آتے رہے اور آنیکا سلسلہ بہت دیر تک جاری رہا اس سبب سے تین مرتبہ نماز جنازہ ادا کی گئی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد جنازہ مقبرہ یعنی روضہ میں لایا گیا جو جامع مسجد سے بالکل متصل اور خاندان قطبیہ کے منتخب اکابر ومشائخ کا ایک شہر خموشاں ہے، مرقد مبارک کے درودیوار اور حاضرین کے قلب سے صدا بلند ہورہی تھی، ؎

کس کو لائے ہیں بہر دفن کہ قبر   ہمہ تن چشم انتظار ہے آج

دفن کرتے وقت لوگوں کی تعداد سہ چند ہوگئی، رات کے سبب سے اکثر لوگ پہچانے نہ جاسکے، اور اس قدر ہجوم ہوا کہ مقبرہ کی ایک پختہ دیوار ازدحام سے گرگئی، بالآخر وہ آفتاب علم وہدایت جس کی روحانی

کرنیں اتبک چمک رہی ہیں اور جبتک دنیا میں اہل نظر موجود رہیں گے چمکتی رہیں گی، قبر کے خاکی ذروں میں چھپا دیا گیا، رحمۃ اللہ علیہ وعلیٰ اتباعہ الیٰ یوم الدین،

معمولات یا پابندیٔ اوقات

قدر وقت ار نشناسد دل و کارے نکند   بس خجالت کہ ازیں حاصل اوقات بریم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات کے ذرہ ذرہ کو ایک نظام کے ماتحت رکھا ہے، کیونکہ دنیا اور آخرت کا کوئی کام بدون پابندی اوقات اور منظم زندگی کے ناممکن ہے یہ ایک بدیہی مسئلہ ہے جس میں بلا اختلاف مذہب ومسلک سب متحد ومتفق ہیں، چند روزہ زندگی کا راز جنھوں نے پالیا ہے وہ زندگی کے ایک ایک لمحہ کو عزیز اور محترم سمجھتے ہیں، اسی لئے شناسائے راز حقیقت امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اپنی زندگی کے چار حصے کرلئے تھے یعنی ۳ ماہ جہاد، ۳ ماہ تجارت و ۳ ماہ حج اور ۳ ماہ درس وتدریس میں بسر فرماتے تھے، علوم وفنون، تقویٰ وپارسائی وغیرہ میں جن حضرات کا نام نامی واسم گرامی ادب سے لیا جاتا ہے اس زریں اصول سے ایک ذرہ انحراف نہیں کرتے تھے، اسی لئے شریعت اسلامیہ نے فرائض مذہبی کی فہرست میں نماز کو مقدم رکھا اور اس حقیقت کا اصلی فلسفہ اور راز حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ نے یہ کہہ کر واضح کردیا کہ "جو اسے ضائع کرے گا اس کو دوسری چیزوں کو ضائع کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا" چنانچہ حضرت سیدؒ کی زندگی کا امتیازی وصف بھی پابندی اوقات تھا، نماز پر تفصیلی بحث کے لئے ہندوستان کے سب سے مشہور اور محتاط عالم اور مصنف حضرت علامہ سید سلیمان مدظلہ کی سیرت النبی جلد پنجم کا مطالعہ کرنا ازبس ضروری ہے، اس موقع پر حضرت استاد امام مولانا حمید الدین فراہیؒ کے خیالات کا اقتباس پیش کردیا جاتا ہے جو خالی از فائدہ نہیں، حضرت مولانا رسالہ "اصلاح الناس" کے سلسلہ میں ایک اہم اور کسی قدر لمبی بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "مجھ پر ایک اور اہم حقیقت آشکارا ہوئی اور دلائل نے اس کی تائید کی وہ یہ کہ نماز پہلی اور

آخری دوا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نماز کا حکم دیا اور نماز کی حقیقت ذکر او رتبتل بتائی، اور نماز کی جس قدر تاکید کی ایمان کے بعد اس قدر تاکید کسی عمل صالح کی نہیں کی، پھر یہ نکتہ بھی پیش نظر رہنا چاہیئے کہ ذکر ہی سے قلب میں کیفیت وحالت پیدا ہوتی ہے اور قرآن کی تلاوت ہی سے دل زندہ ہوسکتا ہے، کیونکہ قرآن مجید ہی روشنی اور شفا ہے اور قرآن مجید کی تلاوت کا سب سے زیادہ موزوں وقت نماز ہے، کتاب وسنت سے اسکی تائید ہوتی ہے، پھر نماز کی اصلی روح خشوع ہے جو تقویٰ، شکر اور توحید وتوکل کی جڑ ہے، نماز ہدایت اور توفیق کی دعا ہے، نماز فحشا اور منکر سے روکنے والی ہے، بلکہ وہ جس قدر صحیح، باقاعدہ، زیادہ اور خالص ہوتی جائے گی اسی قدر اس کی تاثیرات بڑھتی جائینگی، ان باتوں نے مجھ پر یہ حقیقت کھولدی ہے کہ اصلاح کی راہ میں پہلا قدم نماز ہے۔ . .

. . . نمازی پر جو کیفیات طاری ہونی چاہئیں ان کا خلاصہ تین چیزیں ہیں، صدقہ، تقوی، اور عاقبة حسنی کا یقین، پس جو شخص اصلاح اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ارادہ سے اٹھے اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے نفس کو نماز اور خشوع کے ذریعہ جانچ کر درست کرے، اور یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جبتک کسی شخص کی نماز درست نہ ہوگی اس وقت تک اس کے نفس کی اصلاح نہیں ہوسکتی[1]، حضرت سیدؒ اسی اصول قرآنی کے ماتحت جب سے ہوش سنبھالا وصال کے وقت تک نماز باجماعت اور اول وقت ادا فرماتے رہے، سفر ہو یا حضر، بیماری ہو یا اور موانع دنیوی کسی حالت میں آپنے چند منٹ ادھرادھر ہونے نہ دیا، بلکہ ٹھیک وقت پر اٹھ کھڑے ہوگئے، احادیث میں آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام کی نمازوں کا جو نقشہ موجود ہے اس کی پوری تصویر حضرت سیدؒ کی نماز میں موجود تھی، جو لوگ نمازوں میں تاخیر کرنے کے عادی ہیں اور سورج نکلتے نکلتے نماز پڑھنے کو اسفار سے تعبیر کرتے ہیں، حضرت سیدؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک اور مذہب اول وقت نماز پڑھنے کا رہا ہے، چنانچہ خطیب بغدادیؒ نے سفیان بن عینیہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اول وقت نماز ادا کرتے تھے، اور ہمارے زمانے میں ان سے زیادہ نماز پڑھنے والا کوئی مکہ میں نہیں آیا۔" اس زریں اور ثقہ شہادت کے بعد کسے جرأت ہوسکتی ہے، جو خواہ مخواہ تاویل کرکے نماز کی اصلی روح

[1] الاصلاح

کو برباد کرے گا،

حضرت سیّدؒ کا راتوں کو یہ معمول تھا کہ دو بجے کے قریب اٹھ جاتے اور تہجد میں مصروف رہ کر اسی وضو سے فجر کی نماز ادا فرماتے تھے، بعد نماز فجر اور عصر دیر تک دعا مانگا کرتے تھے، پھر وظائف مسنونہ کے بعد تلاوت قرآن مجید اور اشراق سے فارغ ہو کر مکان میں تشریف لیجاتے نصف گھنٹہ کے بعد باہر کمرہ میں بیٹھ کر مریضوں کے علاج معالجہ میں مصروف رہتے، اس کے بعد خطوط اور فتاوی کے جوابات لکھتے اور چند اسباق بھی جاری رہتے کہ ظہر کا وقت آجاتا، بعد نماز کھانا کھا کر گرمیوں میں چند منٹ قیلولہ فرماتے اور پھر باقاعدہ درس و تدریس کا مبارک مشغلہ عصر کے بعد تک جاری رہتا، بعد عصر بھی تلاوت کا معمول تھا، اسی مشغلۂ خیر میں مغرب کا وقت آجاتا، نماز کے بعد وظیفۂ درود شریف کرنے کے بعد کچھ دیر تک مراقبہ رہتا (وہی مراقبہ کہ جس میں حضرت سیّدؒ کا وصال ہوا تھا) بعد فراغت مراقبہ تا نماز عشا تلاوت قرآن مجید زبانی کر کے نماز عشا ادا فرماتے اور پھر کھانا کھا کر تقریبًا ۱۱ بجے آرام کرنے چلے جاتے، حضرت سیدانی صاحبہ مدظلہا کا بیان ہے کہ حضرت جب جوان تھے اس وقت بھی ۲ بجے اٹھ کر مسجد میں چلے جاتے تھے اور بسا اوقات اٹھنے کے ساتھ ہی بلند آواز سے دعا مانگا کرتے کہ سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے،

رمضان المبارک کا مہینہ اور اس کی مبارک راتیں ایک ظلوم و جہول اور سیہ کار انسان کے لئے پیام رحمت و مغفرت ہیں، اس ماہ میں حضرت سیّدؒ کا یہ معمول تھا کہ دو ختم قرآن مجید تراویح میں اور ایک ختم عشرہ اخیرہ میں کرتے تھے، ۲۰ یوم تو شاید چند منٹ آرام کر لیتے تھے لیکن عشرہ اخیرہ میں مطلقًا ایک منٹ کا سونا کبھی ثابت نہیں ہے، ۱۰ یوم آخر میں آپ برابر اعتکاف فرمایا کرتے، ایک مرتبہ کا اتفاق ہے کہ آپنے اعتکاف ہی کی حالت میں شب کو فرمایا کہ لوگو آج آثار لیلۃ القدر معلوم ہو رہے ہیں چنانچہ جو آثار اور علامات احادیث میں وارد ہیں ایک ایک پائے گئے حتی کہ آپ کی مسجد کے قریب جو کنواں ہے اس کا پانی شور ہوتا ہے، آپنے نکلوا کر دیگر حاضرین کو پلایا جو اس وقت نہایت شیریں تھا جس کے روایت کرنے والے بحمد اللہ آج بھی بقید حیات ہیں،

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند انچہ مسیحا می کرد

آپ کے رفقا، اور خدام کا بیان ہے کہ رمضان میں بوجہ قیام لیل آپ کے پیروں میں ورم آجاتا تھا جو دن بھر میں اترتا تھا، اور یہ تو اندازہ نہ ہوسکا کہ کتنے ختم قرآن تلاوت میں ہوتے تھے، روزہ رکھنے کا یہ دستور تھا کہ رمضان کے علاوہ شوال کے ۶ یوم اور عید اضحیٰ میں نویں کو ایک دن محرم کی نویں دسویں کو دو روزے اور پھر شعبان کے روزے رکھتے تھے، اس کے علاوہ کا علم راقم الحروف کو نہیں ہے،

حضرت سیّد کا وعظ اور ذکر مئو دخیرآباد، نیاوج و دنیا پارہ و سیدھا وغیرہ

وعظ و تقریر عطیۂ خداوندی اور ایک ملکۂ فطری ہے یہ وہ عظیم الشان چیز ہے کہ جسکی ضرورت حضرات انبیاء علیہم السلام تک کو ہوتی ہے، اسی کے ذریعہ دلوں کو نرم اور سرد مجامع و مجالس کو گرم کیا جاتا ہے، قوموں کے عروج و زوال میں اس مبارک شے کو بڑا دخل رہا ہے، سورۂ نحل کے آخری رکوع میں "اُدْعُ اِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّکَ الخ" سے خود پیغمبر صلعم کو تعلیم دی جا رہی ہے، کہ لوگوں کو راستہ پر کس طرح لانا چاہئے، سو اس کے تین طریقے بتلائے، حکمت، موعظت حسنہ، جدال بالتی ھی احسن؛ حکمت سے مراد یہ ہے کہ نہایت پختہ اور اٹل مضامین مضبوط دلائل و براہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز سے پیش کئے جائیں، جن کو سن کر فہم و ادراک اور علمی ذوق رکھنے والا طبقہ گردن جھکا دے، دنیا کے خیالی فلسفے ان کے سامنے ماند پڑ جائیں اور کسی قسم کی علمی و دماغی ترقیات وحی الٰہی کے بیان کردہ حقائق کا ایک شوشہ تبدیل نہ کرسکیں، "موعظت حسنہ" موثر اور رقت انگیز نصیحتوں سے عبارت ہے جنہیں نرم خوئی اور دلسوزی کی روح بھری ہو، اخلاص، ہمدردی اور شفقت و حسن اخلاق خوبصورت اور معتدل پیرایہ میں جو نصیحت کیجاتی ہے بسا اوقات پتھر کے دل بھی موم ہوجاتے ہیں، مردوں میں جانیں پڑجاتی ہیں ایک مایوس پژمردہ قوم جھرجھری لیکر کھڑی ہوجاتی ہے، لوگ ترغیب و ترہیب کے مضامین سنکر منزل مقصود کی طرف بیتابانہ دوڑنے لگتے ہیں اور بالخصوص جو زیادہ عالی دماغ اور ذکی و فہیم نہیں ہوتے، مگر طلب حق کی چنگاری سینے میں رکھتے ہیں ان میں موثر وعظ و پند سے عمل کی ایسی اسپرٹ بھری جاسکتی ہے جو بڑی بڑی اونچی عالمانہ تحقیقات کے ذریعہ بھی ناممکن بلکہ محال ہے، ہاں دنیا میں ہمیشہ سے ایک ایسی جماعت بھی موجود رہی ہے جسکا

کام ہر چیز میں الجھنا اور بات بات میں حجتیں نکالنا اور کج بحثی کرنا ہے، یہ لوگ نہ حکمت کی باتیں قبول کرتے ہیں نہ وعظ و نصیحت سنتے ہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں بحث و مناظرہ کا بازار گرم ہو، بعض اوقات اہل فہم و انصاف اور طالبین حق کو بھی شبہات گھیر لیتے ہیں اور بدوں بحث کے تسلی نہیں ہوتی اس لئے وجادلھم بالتی ھی احسن" فرمادیا کہ اگر ایسا موقع پیش آئے تو بہترین طریقہ سے تہذیب، شائستگی، حق شناسی اور انصاف کیساتھ بحث کرو، اپنے حریف مقابل کو الزام دو تو بہترین اسلوب سے دو، خشونت، بداخلاقی، سخت کلامی اور ہٹ دھرمی سے کچھ نتیجہ نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ طرق دعوت و تبلیغ میں تم کو خدا کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا چاہئے، اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس نے مانا کس نے نہیں، نتیجہ خدا کے سپرد کرنا چاہئے، پس کسی مصلح کی دعوت کی صحت اور سچائی کا معیار کامیابی نہیں ہے، اس کا فرض صرف اس قدر ہے کہ جس بات کی سچائی اللہ تعالیٰ نے اس پر کھول دی ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہے، اندھیرے میں چلنے والوں کی طرح قدم قدم پر لڑکھڑائے نہیں"، حضرت سیدؒ نے اصلاح قوم و تنظیم ملت کے لئے ایک معمول یہ بنا لیا تھا کہ ہر جمعہ کو وعظ فرمایا کرتے تھے، ابتدا ئً تعوذ اور تسمیہ کے بعد قرآن مجید کی چند آیات جو سامعین کے مناسب حال اور وقتی مسائل کے تحت ہوتیں، تلاوت فرماتے تھے کہ دفعتًہ مجمع کا یہ عالم ہوتا تھا کہ آخر تک ساکت وصامت تصویر حیرت بن کر متوجہ رہا کرتا اور پھر جب آپ اپنی نظریں اٹھا کر مجمع کو مخاطب کرتے تھے تو کیا مجال کہ کوئی دم مار سکے، لوگوں کا اجماع و اتفاق ہے کہ ایسی بارعب مجلس اب تک نہ دیکھی جا سکی، پھر آپ ایک عالمانہ تمہید کے بعد تفسیر شروع فرماتے تھے اور نادر و لطیف نکتے، فقہی و علمی مسائل مجتہدانہ انداز میں بیان فرماتے تھے، اہل علم اور عامی دونوں اثر میں ڈوب جاتے تھے، چنانچہ ابوالحسنات مولانا عبدالغفور داناپوریؒ وغیرہ کا یہ عالم ہوتا تھا کہ جھوم جھوم جاتے تھے، آپ کی تقریر کا سلسلہ آناً فاناً بڑھتا چلا جاتا تھا، الفاظ و معانی کی تکرار، غیر معتبر اور بے سروپا اسرائیلی روایات اور رذیل قصوں سے آپنے اپنی زبان کو مدۃ العمر ملوث نہیں فرمایا، جس مسئلہ پر آپ بحث شروع کرتے تاوقتیکہ وہ ختم نہ ہوجاتا دوسرا سلسلۂ بحث ہرگز شروع نہ ہوتا، کوئی بات پایۂ استدلال سے ساقط اور خارج از بحث

کبھی سننے میں نہ آئی، ایک ہی عنوان پر ہفتوں اور مہینوں پرنالے کی طرح بہتے تھے، قصبہ مئو جو اعظم گڈھ کے مسلمانوں کا مرکزی مقام ہے وہاں کے جمعہ کی نوعیت اور ہی ہوتی تھی، صدہا علماء اور ہزاروں طلبہ اور نہ جانے کتنے انسانوں کا مجمع ہوتا تھا، جس میں حضرت سیّد اصلاح و تجدید کے سلسلہ میں ان مباحث فقہیہ کے اختلاف پر دل سے برستے تھے جو آج کل کے نام نہاد مولویوں کے لئے اسلحہ جنگ کا کام دے رہی ہیں اور بلا خوف لومۃ لائم تقلید و عدم تقلید، آمین بالسر و الجہر وغیرہ لاطائل مباحث پر جھگڑنے اور جمعہ جماعت میں تفریق ڈالنے کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھتے اور زبان سے اس کا اظہار فرماتے تھے، جمعہ کے دن یہ معمول تھا کہ صبح دن نکلنے کے بعد سے جمعہ کے وقت تک آپ کسی حجرہ یا گوشہ میں الگ رہتے تھے، نہ کوئی وہاں جاتا تھا اور نہ جانے کی اجازت تھی، کھانا پینا، سلام و کلام، درس و تدریس، ملنا جلنا عصر تک موقوف رہتا تھا، آفتاب ڈھلنے کے بعد ہی اذان ہوئی اور آپ سنتیں پڑھ کر فوراً منبر پر بیٹھ جاتے، لوگوں کا متفقہ بیان ہے کہ جمعہ اور خطبۂ جمعہ کی وہ شان نظر آتی تھی جو آپ کے بعد کے زمانوں میں شاید ہی دیکھنے میں آئے گو یا ایک خلیفۂ وقت تھا جو مسائل دینی و دنیوی پر احکامات نافذ کر رہا تھا، خطبہ کی زبان عربی ہوتی تھی، اور یہی آپ کا مذہب تھا، بسا اوقات تحقیق علمی کے سلسلہ میں لوگوں پر سخت جرحین کر جایا کرتے تھے، ۲۲ئہ کے قریب قریب مسئلہ جمعہ فی القری پر کئی کئی ہفتے گفتگو کرتے رہے، سکرڈ و موضع نیاورج و دینا پارہ و سیدھا کے وعظ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، شیخ حاجی نصراللہ صاحب رئیس قوم و حافظ عبدالحمید صاحب موضع نیاورج، و شیخ محمود صاحب موضع دینا پارہ وغیرہ جمعہ کے دن حسب وعظ شروع ہوتا عصر تک ایک قدم کھڑے رہتے اور انتظام میں لگے رہتے، خیرآباد جو اعظم گڈھ کا ایک بڑا گاؤں ہے وہاں کے مسلمان آپ کے سچے معتقد ہیں یہاں کا وہ وعظ مجھ کو اب تک یاد ہے جو مسئلہ معراج پر اور معجزات کے سلسلہ میں شق القمر پر ہوا تھا، آپ کے خداداد حافظے پر حیرت ہوتی تھی کہ خدایا یہ علوم و فنون کا کتب خانہ ہے یا کوئی عہد اول کی یادگار ہے، حضرت استاذی مولانا عبدالرحمن صاحب

نگرامی مرحوم نے مسئلہ جمعہ فی القریٰ پر وعظ سنکر فرمایا تھا کہ میں نے ابتک کوئی رسالہ بھی اتنی جامعیت کا نہ پڑھا تھا، اور وعظ تو سنا ہی نہیں کہ مسائل علمی پر اس تحقیق اور انصاف سے کہا جاتا ہو مسئلہ جمعہ فی القریٰ وغیرہ پر عالمانہ و مجتہدانہ تحریریں آپکے فتاویٰ کے اندر موجود ہیں، جس کا صحیح فیصلہ دیکھنے پر ہو سکتا ہے، بہرحال ہندوستان کی اصلاح اور تہذیب اسلامی کی ترویج ان ہی علماے حق اور صوفیاے باصفا کے ایک مختصر گروہ نے ہمیشہ انجام دی اور انہی کی برکت ہے کہ آج ہندوستان کے مسلمانوں میں کچھ علم دین اور کچھ اتباعِ شریعت پایا جاتا ہے، یہ چھٹی صدی ہجری میں آپکے مورث اعلیٰ نیز دیگر قوموں کے ہندوستان کی جانب رخ کرنے کا ثمرہ تھا، اصلاح کا یہ منصب جلیل حضرت سیدؒ کا خاندانی ورثہ تھا، ضلع اعظم گڈھ کو تو اس خانوادۂ قطبیہ کا خاص طور سے مرہون منت ہونا چاہیئے جس نے بدعات و محدثات اور دیگر منافقات مذہبی کو ختم کر کے اسے راہِ سنت پر گامزن کر دیا، واقعات شاہد ہیں کہ ہزاروں بے نمازی بلحاظ عہد نمازی ہو گئے، صدہا مقامات پر جمعہ جماعت قائم ہو گئی، ہزاروں کے رہن نامے چاک اور سود و بیاج چھوٹ گئے، کتنے مواضعات کو حضرت سیدؒ نے محض بربناے وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ترک کر دیا، اور کتنوں کا جماعت سے اخراج کرا دیا، بعضوں نے بسبب قرابت نہ چھوڑا انھیں بھی دور کر دیا، ضلع اعظم گڈھ کی اصلاح میں جیسا کہ گذر چکا نصیرآباد اور جونپور کے علما (مولانا سخاوت علی رحمہ اللہ) کا نمایاں ہاتھ رہا ہے، اور حضرت سیّد کا کیا کہنا کہ جن کی نظیر ملنی مشکل ہے، بعض حضرات کو بیجا طور پر گمان ہے کہ اعظم گڈھ کی اصلاح میں ہمارا ہاتھ رہا ہے، حالانکہ اگر اصلاح اسی کا نام ہے کہ جمعہ و جماعت میں تفریق پیدا کرا دیجائے اور بجاے اتحاد، اختلاف و شقاق مسئلہ دینی کے آڑ میں برپا کر دیا جائے تو خدا اس اصلاح و تجدید سے مسلمانوں کو دور رکھے، حضرت سیدؒ کو اگر آمدنی پیدا کرنے کا خیال ہوتا تو موضع پیچھے کتنی آمدنی کا ٹوٹل ہوتا، مگر آپنے زندگی بھر ایسا نہ کیا، بلکہ صدہا مقامات پر خرچ ذاتی کر کے سیکڑوں مقدمات از روے شرع شریف طے کرا دیئے، اور کتنے مقامات پر بنا بر انفصال قضایا تین تین دن تک نوبت نمک چشی نہ آئی، مگر آپ چیں بجبیں نہ ہوے، خندہ پیشانی کے ساتھ صبح سے شام اور شام سے صبح مقدمہ کی ترتیب و تنقیح میں لگے رہے

زہراست جفاے علم و معنی شکراست　　　ہر پشہ ازاں چشید او شیر نراست

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سیدؒ نصف صدی تک ہندوستان کے طول و عرض میں کتاب و سنت کا وعظ اور تلقین فرماتے رہے اور خدا نے وہ اثر دیا کہ ہزاروں مخلوق شرک و بدعت سے تائب ہوئی اور بہتوں نے کفر سے بیزار ہو کر اسلام کو اختیار کیا جس کا انکار کرنا آفتاب پر خاک ڈالنا ہے،

تصوف اور حضرت سیدؒ کا مسلک

اصطلاح تصوف کب سے رائج ہوئی؟ اس بحث کا یہاں موقع نہیں، نہ اس لفظ کے اشتقاق اور اس کی تحقیق لغوی کو اس وقت بیان کرنا مقصود ہے، یہاں کہنا صرف یہ ہے کہ اس گروہ کے اکابر قدیم تصوف کو اسلام کے مقابل ایک جداگانہ مسلک نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اسلام کے ماتحت اسی کی پاکیزہ ترین صورت کو تصوف کہتے تھے، کیونکہ اسلام خدا کی طرف سے بندوں کے حق میں کامل ترین و جامع ترین پیام رحمت ہے، انسان کی ذہنی و عقلی، روحانی و جسمانی، اخلاقی و معاشرتی تمام ضرورتوں کا کفیل اور ہر شعبۂ حیات میں اسکی ترقیوں کا ضامن ہے، خدارسی و خداشناسی کی تعلیم اس کا اصل مقصود ہے، اس پر اس نے خاص طور سے زور دیا اور اس کے ذرائع و وسائل اس نے اس جامعیت کیساتھ بیان کئے کہ ان میں کسی قسم کے تغیر و ترمیم اور تخفیف و اضافہ کی گنجایش نہ چھوڑی، اس مختصر تمہید کے بعد کہا جاسکتا ہے کہ تصوف اسلام کی خالص ترین و پاکیزہ ترین تعبیر ہے" ابتداءً یہ اصطلاح اس وجہ سے جاری نہ ہوسکی کہ اصحاب رسول اللہ صلعم کے لئے کوئی دوسرا تعظیمی لفظ مستعمل ہو ہی نہیں سکتا تھا، اس لئے کہ ان کے جتنے بھی فضائل تھے سب سے اشرف و اعظم ان کی فضیلت صحابیت تھی کہ صحبت رسول تمام بزرگیوں اور فضیلتوں سے بڑھ کر ہے، ان کا زہد، فقر، توکل، عبادت، صبر و رضا غرض جو کچھ بھی ان کے فضائل تھے ان سب پر ان کا شرف صحابیت غالب تھا، پس جب کسی شخص کو لفظ صحابی سے ملقب کردیا گیا تو اس کے فضائل کی انتہا ہوگئی اور کوئی محل ہی نہیں باقی رہا، کہ اسے صوفی یا کسی دوسرے تعظیمی لفظ سے یاد کیا جائےؔ" پھر کیا ستم ہے کہ اس اصطلاحی لفظ کو اس کے اصلی معنی و مفہوم کے اعتبار سے دیکھا نہیں جاتا ہے

ؔ تصوف اسلام

اور تصوف کی موجودہ مسخ شدہ شکل یونانی اوہام، ایرانی تخیلات، ہندی مراسم اور دیگر غیر اسلامی عناصر کا ایک معجون مرکب سمجھا جا رہا ہے، حاشا ثم حاشا یہ اسلامی تصوف نہیں، اسلامی تصوف وہ تھا جو خود حضرت سرور کائنات صلعم کا تھا جو ابوبکر صدیقؓ و علی مرتضیٰؓ کا تھا، جو سلمانؓ و ابوذرؓ کا تھا جس کی تعلیم جنید بغدادیؒ و رابعہ بصریؒ نے دی ہے جس کی ہدایت شیخ جیلانیؒ و شیخ سہروردیؒ، مرشد اجمیریؒ و محبوب دہلویؒ خواجہ نقشبندیؒ مجدد سرہندیؒ کرتے رہے اور جس کی دعوت اس دور آخر میں شاہ ولی اللہ و حضرت مجدد شہیدؒ اور حضرت مولانا سید محمد امینؒ کی زبان اور قلم دیتی رہی ہے، سو یاد رکھئے تصوف نام ہے اس علم کا جس سے ان اہل کمال کی معرفت حاصل ہوتی ہے جو نوع انسانی میں سے مدارج سعادت میں ترقی حاصل کرتے ہیں اور اس سے ان امور کا حال معلوم ہوتا ہے جو ان کے درجات میں بقدر طاقت بشریہ پیش آتے ہیں، لیکن ان مقامات و درجات کا کما حقہ بیان کرنا محال نہیں تو قریب قریب دشوار ضرور ہے، اس اجمال کے بعد ایک شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود تصوف کیا شئے ہے (۲) آیا خود اسلام نے صوفیہ کو کوئی مرتبہ دیا ہے یا نہیں؟ اسکی تفصیل امام فن شیخ ابو نصر سراجؒ اس طرح کرتے اور جواب دیتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید (سورہ آل عمران آیت ۹) میں تمام مومنین سے بلند و برتر مرتبہ ان کا رکھا ہے، جو اولوالعلم اور قائم بالقسط ہیں اور ملائکہ کے بعد انہی کا ذکر کیا ہے اور اپنی توحید پر خود اپنی اور ملائکہ کے بعد انہی کی شہادت پیش کی ہے اور حضور سرور کائنات صلعم نے بھی علما کو جانشین انبیاء ارشاد فرمایا ہے، سو یہ القاب میرے خیال میں ان لوگوں کے حق میں وارد ہیں جو کتاب اللہ کا سررشتہ مضبوط تھامنے والے اور رسول کریم کی متابعت میں پورے کوشاں اور صحابہ و تابعین کے نقش قدم پر چلنے والے اور خدا کے اولیاء و متبعین کی راہ اختیار کرنے والے ہیں، ایسے اشخاص کو طبقات سہ گانہ میں رکھا جا سکتا ہے، ایک طبقہ ارباب حدیث کا ہے، دوسرا فقہا کا اور تیسرا طبقہ صوفیائے کرام کا، پس یہی طبقات ثلثہ اولوالعلم، قائمین بالقسط اور وارثین انبیاء کہے جانے کے مستحق ہیں[1]"

"شیخ سہروردیؒ بھی اس باب میں دیگر اکابر طریقت کے بالکل ہمزبان ہیں، ان کے نزدیک تصفیہ قلوب

[1] تصوف اسلام

وتزکیہ نفس براہ راست تعلیمات مصطفوی کا ثمرہ ہے اور جو شخص اس سرچشمۂ ہدایت ورشد سے جتنا زیادہ سیراب ہوا اسی مناسبت سے صفائے قلب و تزکیۂ نفس میں بھی اس نے زیادہ ممتاز مرتبہ حاصل کیا، تفسیر، اصول تفسیر حدیث، اصول، حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم الفرائض و علم الکلام، معانی و بیان، لغت و نحو، غرض وہ تمام علوم جو فہم شریعت میں کام آتے ہیں سب کے سب ضد تصوف نہیں، بلکہ مقدمات تصوف و مبادی طریقت ہیں، خلقت کی اصل ذات رسالت مآبؐ ہی، ساری کائنات اسی کے طفیل میں ہے اور یہی ذات اقدس دنیا میں علم و ہدایت لیکر آئی، پس جو شخص اپنی پاکیزہ طینتی کے باعث جتنا زیادہ اس جوہر گرامی سے قرب و مناسبت رکھتا ہے اسی قدر وہ علم و ہدایت سے زیادہ بہرہ ور ہوتا اور دوسروں کے لئے باعث ہدایت بنتا ہے، یہی گروہ گروہِ صوفیہ اور بہ اصطلاح قرآن گروہ مقربین کہلاتا ہے، ان مقدمات سے صرف ایک ہی نتیجہ نکل سکتا تھا، اور وہی شیخؒ نے نکالا ہے یعنی یہ کہ تصوف نام ہے۔ قولاً، فعلاً، حالاً ہر حیثیت سے اتباع رسولؐ کا اور اسی پر مداومت رکھنے سے جب اہل تصوف کے نفوس مقدس ہو جاتے ہیں، حجابات اٹھ جاتے ہیں اور ہر شے میں اتباع رسول ہونے لگتا ہے تو اس صورت میں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت لازم آجاتی ہے، اس لئے وعدۂ الٰہی موجود ہے کہ اے پیغمبر کہہ "کہ اگر خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری متابعت کرو خدا تم سے محبت کرنے لگیگا"، متابعت رسول عین محبت الٰہی کی علامت ہے اور اتباع رسولؐ کا صلہ ہی محبت الٰہی قرار دیا گیا ہے، پس جو شخص جتنا زاید متبع رسول ہے اسی قدر زاید وہ محبتِ الٰہی کا بھی حصہ دار ہے اور تمامی اسلامی گروہوں میں صوفیہ ہی نے سب سے زیادہ اتباع رسول کیا ہے، اعمال نبوی میں بہ لحاظ کثرت عبادات و قیام تہجد و نوافل صوم و صلوٰۃ اور اخلاق و اقوال نبویؐ میں بہ لحاظ عفو و حلم، رافت و رحمت حیا و تواضع، مدارات و نصیحت اور احوال نبویؐ میں بلحاظ زہد و توکل، صبر و رضا، خشیت و ہیبت سب سے زیادہ گروہِ صوفیہ ہی نے حق اتباع سنت نبوی ادا کیا ہے گویا گروہ صوفیہ نام ہے اسی گروہ کا جس نے ہر قسم کی متابعت کا حق ادا کیا اور سنت رسول کو انتہائی درجہ تک زندہ کر دیا"۔

"صوفیہ قدیم کے ایک مسلم سرخیل شیخ عبدالواحد بن زیدؒ سے لوگوں نے صوفی کی تعریف دریافت کی تو انھوں نے کہا کہ صوفی وہ لوگ کہلاتے ہیں جو اپنی عقل کو سنت رسول پر صرف کرتے ہیں اور اپنے قلوب کو اسی پر متوجہ رکھتے ہیں اور اپنے نفس کی خباثتوں سے اپنے سردار رسول اللہ صلعم کے دامن میں پناہ لیتے ہیں، انلوگوں پر صوفی کا اطلاق ہوتا ہے"

شیخ سہروردیؒ اس تعریف کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

هذا اوصف تام وصفهم به   یہ انکی بہترین تعریف ہے جو کیگئی ہے۔[1]

چند اور شہادتیں بطور اظہار حقیقت

قدمار صوفیہ کا دور تابعین اور تبع تابعین کا دور تھا جس میں مذہبی گروہ کے سامنے علوم شرعیہ یعنی قرآن و حدیث و فقہ اور تفسیر کے سوا کچھ نہ تھا، صوفیہ بھی اسی مذہبی گروہ میں داخل تھے اس لئے قدمار صوفیہ علوم شرعیہ میں بڑا تبحر رکھتے تھے، چنانچہ محدث ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ قدمائے صوفیہ قرآن و حدیث، فقہ اور تفسیر کے امام تھے کیونکہ اس دور کے تصوف کو قرآن و حدیث سے وابستہ سمجھتے تھے، اس لئے علوم شرعیہ کو خود حاصل کرتے تھے اور لوگوں کو بھی حاصل کرنے کی ترغیب دیتے تھے، حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ علم، تصوّف، کتاب و سنت کا پابند ہے اس لئے جس نے قرآن نہیں پڑھا اور حدیث نہیں لکھی اس کیلئے اس علم میں گفتگو کرنا مناسب نہیں، ابو سلیمان دارانی کا قول ہے صوفیوں کے نکات میں سے جب کوئی نکتہ میرے ذہن میں پیدا ہوتا ہے تو میں اسے اس وقت تک قبول نہیں کرتا جبتک دو شاہد عدل کتاب و سنت گواہی نہ دے دیں، حضرت ابو یزیدؒ کا قول ہے اگر تم کسی کو صاحب کرامت دیکھو حتی کہ وہ ہوا میں اڑتا ہے تو بھی اس سے دھوکا نہ کھاؤ بلکہ دیکھو امر و نہی الٰہی اور حدود شریعت کی پابندی میں اس کا کیا حال ہے؟ اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص تلاوت قرآن، اتباع شریعت، التزام جماعت، نماز جنازہ میں شرکت اور مریض کی عیادت ترک کر کے اس چیز کا (تصوف) دعویٰ کرے تو وہ محض مدعی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ کا فتویٰ ہے

علمے کہ نہ ماخوذ ز مشکوٰۃ نبی است   واللہ کہ سیرابی ازاں تشنہ لبی است

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں جو کوئی ظاہری احکام شریعت کے خلاف علم باطن کا دعویٰ کرتا ہے

[1] تصوف اسلام

وہ سراسر غلطی پر ہے، حضرت ابو بکر سقافؒ کا قول ہے جس نے ظاہری احکام امر و نہی ضائع کر دیئے وہ باطن میں مشاہدۂ قلب سے محروم رہیگا، ابو حسین نوریؒ اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے جسے تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کیساتھ ایسے تعلق کا دعویٰ کرتا ہے جو حدود شریعت سے خارج ہے تو اس کے قریب بھی نہ پھٹکو اور جسے ایسے حال کا مدعی پاؤ جس پر شریعت کی ظاہری پابندی شہادت نہیں دیتی تو اس کے دین پہ شک کرو، جریریؒ کا مقولہ ہے ہمارا یہ تمام معاملہ (تصوف) ایک نقطے پر جمع ہے اپنے دل کا مراقبہ لازم کر لو اور علم ظاہر پر استوار ہو جاؤ، ابو حفص کا قول ہے جس نے اپنے افعال و احوال کتاب و سنت کی میزان میں نہیں تولے اور اپنے خطرات قلب کو شبہہ کی نظر سے نہیں دیکھا اسے انسانوں کے زمرے ہی میں نہ شمار کرو، ناظرین یہ ہیں ان اکابر و اعاظم رجال کی شہادتیں جنہیں سے ہر ایک اقلیم علم و عمل کا فرمانروا ہے جن کے تذکرے باعث نزول رحمت اور جن کی پیروی نجات دارین کا ذریعہ، جن کی طرف منسوب ہونا بڑے بڑے اصحاب درس و افتاء اپنا طغرائے امتیاز سمجھتے ہیں، غور فرمائیے آج کیوں تاریخ اسلام کے صفحات ان کے زریں کارناموں سے لبریز ہیں؟ گذرے ہوئے مدت ہوئی لیکن آج بھی ان کی حکومت انسانوں کے قلوب پر قائم ہے یہ کیوں؟ سو اس کا جواب سادے لفظوں میں صرف اتنا ہے کہ یہ ثمرہ ہے کتاب و سنت کی علمی و عملی خدمات اور محمد رسول اللہ صلعم و اصحاب محمد صلعم کی اتباع و پیروی کا، پس راستہ ہے تو یہی نجات ہے تو اسی راہ کی آوارہ گردی میں، فلاح و کامیابی ہے تو اسی کے عشق و محبت میں، خیر الھدی ھدی محمد صلعم و شر الامور محدثاتہا"

لیکن یہ راستہ جس درجہ روشن اور صاف ہے اسی درجہ اس پر جہلا نے تو بر تو پردے ڈال دیئے ہیں، بدعت حسنہ ہو خواہ سیئہ پھر بھی بدعت ہے لیکن اس تفریق ناجائز سے جس درجہ رفع سنت ہوا اہل علم پر مخفی نہیں ہے حتیٰ کہ مجدد الف ثانیؒ کو اپنے مکتوبات میں جگہ جگہ اس پر ماتم کرتے ہوئے یہ لکھ جانا پڑا،

" ایں فقیر در ہیچ بدعتے ازیں حسن و نورانیت مشاہدہ نمی کند و جز ظلمت و کدورت احساس نمی نماید"

بدانکہ از جملۂ ضروریات طریق مسالک اعتقاد صحیح است کہ علمائے اہل سنت آں را از کتاب

وسنت وآثار سلف استنباط فرموده اند۔ . . . . واگر بالفرض خلاف آں معانی مفہومہ بکشف والہام روے ظاہر شود آں را اعتبار نہ باید کرد وازاں استعاذہ باید نمود"

یہ فیصلہ ہے وقت کے سب سے بڑے امام اور مجدد کا لیکن غور کیجئے نواب صدیق حسن خاں مرحوم اور قاضی ثناء اللہؒ پانی پتی باوجود نقشبندی ہونے کے حالات سے متاثر ہو کر فرماتے ہیں،

"علاوہ آنکہ بدعت در بعضے اعمال آنہا (یعنی صوفیہ) راہ یافتہ بنا بر خطاے اجتہادی است و مجتہد مخطی معذور است ویک درجہ ثواب دارد ومجتہد مصیبت دو درجہ ثواب دارد اگر تجنیں نہ باشد عافیت بر فقہا بلکہ بر تمام عالم تنگ می شود"[1]

غور کا مقام ہے کہ یہاں بدعت پر بھی اجر متعین فرمایا جا رہا ہے، حالانکہ اگر اسی طرح کی منطق سے کام لیا جائے تو پھر دنیا میں نہ تو کوئی چیز منکر ہے اور نہ خلاف شریعت اور نہ آنحضرت صلعم کے اس ارشاد کہ کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار" کے کوئی معنی ہیں، اور ستم تو یہ ہے کہ بعضوں نے آیت " وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ" سے صلح کل پر استدلال کیا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے" قرآن ہر زمانہ میں بازیچۂ اطفال بنتا رہا ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، بہر حال آیت بالا میں تو فَلَا يُنَازِعُنَّكَ وارد ہے نہ کہ فلا تُنَازِعهم، صاف مطلب اور مفہوم یہ ہے کہ اہل باطل کو چاہیئے کہ اہل حق سے منازعت نہ کریں، اہل حق کو ممانعت نہیں فرمائی کہ وہ بھی اہل باطل سے منازعت نہ کریں وشتان بینھما،

اس سے انکار نہیں کہ تصوف کے بہت سے طریقے ہیں لیکن صرف طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ البتہ کثرت بدعات سے پاک ہے اسی بنا پر حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ کو لکھ جانا پڑا" من طریقۂ نقشبندیہ منطبق بر کتاب وسنت یافتم"[2] ایک دوسرے مقام پر ذرا اور پردہ اٹھا دیا ہے فرماتے ہیں،

"مدار کار طریقہ اکابر استقامت است کشف وکرامت وجد وسماع، عرس وچراغاں، خلافت

[1] اقتصار جیود الاحرار

[2] ایضاً

بر شجرہ وکلاہ ورسوم را ہیچ اعتبارے نیست و در پیش کتاب وسنت آثار و احوال عرفی را

قدرے و مقدارے نیست"

بزرگوں کے طریقہ کا دارومدار استقامت و پابندی سنت پر ہے، کشف وکرامت، وجد وسماع، عرس اور قبروں پر چراغاں کرنے اور خلافت بر بنائے شجرہ وکلاہ اور رسمیات کی ادائگی کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کتاب وسنت کے مقابل آثار وحالات عرفی کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے،

حضرت شیخ سعدیؒ بھی انہی حضرات اکابر کے ہمنواہیں فرماتے ہیں،

خلاف پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

بس یہی اصلی تصوف ہے ورنہ یہ بات کچھ کم حیرت سے نہیں دیکھی جائے گی کہ مشہور محقق علامہ شعرانیؒ نے حضرت امام المحدثین امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ کو ان صوفیوں میں شمار کیا ہے جن کا تصوف مانا ہوا ہے اور جن کی پیروی کیجاتی ہے، علامہ موصوف اپنی اس قابل قدر تصنیف کے بارے میں جسمیں انھوں نے امام بخاریؒ اور دیگر صوفیاء کرام واولیاء اللہ کے حالات انتخاب فرمائے ہیں، لکھتے ہیں، لخصت فیہ جماعۃ من الاولیاء الذین یقتدی بھم من الصحابۃ والتابعین الی آخر قرن التاسع وبعض العاشر

یعنی میں نے اس کتاب میں صحابہ وتابعین اور نویں صدی تک کے تمام تر اور دسوین صدی کے بعض ان اولیاء اللہ کی ایک جماعت کو منتخب کیا ہے جن کی اقتدا کیجاتی ہے، یہ کتاب علامۂ موصوف کی مشہور کتاب الطبقات الکبری کا ایک حصہ ہے، اس حصہ کا نام محقق موصوف نے لواقح الانوار فی طبقات الاخیار رکھا ہے، علامہ موصوف کے قول سے واضح ہے کہ اس کتاب کا موضوع ہی انھوں نے مانے ہوئے اولیاء اللہ کے نفوس قدسیہ کو قرار دیا ہے، پھر آپ نے اپنی اس تالیف کی غایت یہ بتائی ہے،

"ومقصودی من ھذا التالیف تعریف طریق القوم فی التصوف من آداب المقامات والاحوال وغیرہا

یعنی میرا مقصود اس تالیف سے سلف کا طریقہ بتانا ہے کہ ان کا طریقہ تصوف میں کیا تھا اور ان کے مقامات اور

احوال کیسے تھے، حضرت امام بخاریؒ کو طبقات صوفیہ میں شمار کرنے کو وہ جماعت سخت حیرت کی نگاہ سے دیکھیگی ان میں پہلی جماعت موجودہ صوفیوں کی ہے، اس لئے کہ موجودہ زمانہ کے عملی تصوّف اور مروجہ صوفیت پر نظر کرتے ہوئے یہ جملہ کہ "امام بخاری مانتے ہوئے کامل صوفی تھے" نہایت بے جوڑ بات معلوم ہوتی ہے، امام بخاری کے دربار میں نہ عرس تھا نہ محفل قوالی، نہ تصوّر شیخ تھا نہ آنکھیں بند کرنی، نہ چلہ کشی تھی نہ رسم گاگر، نہ مردوں سے مدد مانگنی تھی نہ کوئی درگاہ، نہ قُل نہ فاتحہ، نہ قبروں کا چڑھاوا نہ اہل حال کا اچھل کود، نہ وحدت وجود کا عقیدہ تھا نہ صلوٰۃ غوثیہ، نہ مراقبہ تھا نہ کشف قبور، بلکہ صرف احادیث رسول اللہ صلعم کا درس، اسی کی پابندی اور اسی کا چرچا تھا، جو موجودہ تصوف کی بیخ و بنیاد کا استیصال کرتا ہے"۔

دوسری جماعت اہلحدیث کی ہے، یہ جماعت امام بخاریؒ کی نسبت یقین کرتی ہے کہ وہ سیرۃ رسول اللہ صلعم کے دلدادہ تھے اسی کی تدوین اور اشاعت و پابندی میں اپنی عمر کا سارا حصہ تمام کر دیا، بدعات سے محترز تھے، اسی وجہ سے جس قدر نئے فرقے پیدا ہو گئے تھے ان کو امام صاحب بدعتی کہتے تھے چنانچہ ان کا رد نہایت جوش سے صحیح بخاری میں فرمایا ہے، یہانتک کہ اعمال کے جزو ایمان ہونے کا صراحتًہ حدیثوں میں ذکر آیا ہے اس وجہ سے جو اس کا قائل نہ ہوتا اس کو امام صاحب مرجی کہتے، امام کی اس طرز زندگی پر نظر کرتے ہوئے کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ وہ صوفی تھے، کیونکہ مروجہ تصوف بھی ایک محدث چیز ہے، امام صاحب کو صوفی کہنا ان کے دامن تقدس پر بدعت کا دھبہ لگانا ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ تصوف جس نے آج اپنے اتباع کو حد سے زیادہ بدنام کر رکھا ہے، کسی زمانہ میں بڑی خیر و برکت اور بہت ہی محمود چیز تھی، احکام شرعی کی سختی سے پابندی، ایثار نفس، ہدایت مخلوق، رسول اللہ صلعم کی سنتوں کی پیروی کا شوق، مصائب پر صبر اور استقامت، جہاد کے لئے ہمہ تن مستعد رہنا، اپنے نفس کا انتقام نہ لینا، مکارم اخلاق کا پھیلانا، دنیا سے بے رغبتی، پابندی تقویٰ، بدعات سے اجتناب، غرض شریعت نے جن باتوں کو عزم امور فرمایا ہے تصوف انہی کا اصلی مرقع تھا، اور ان کو کون

محمود نہ کہیگا؟ اصحاب رسول اللہ صلعم انہی باتوں کی بنا پر خاک سے اکسیر اور مس سے کندن بنگئے۔ ان کا تصوف نام رکھنا اصطلاح جدید تو بیشک ہے لیکن تصوف کا مقصود واضح ہو جانے پر چنداں مضائقہ نہیں۔ لامشاحۃ فی الاصطلاح۔

تصوف کی پچھلی دو صورتوں کے لحاظ سے ایک ایسے محدث کو صوفی کہنا جو تنقید رجال میں متشدد ہو، تنقید حدیث میں سخت شروط کا پابند ہو، فن تاریخ کا موسس ہو، امام المحدثین کے لقب سے ممتاز ہو، احادیث کے خلاف عمل کرنے والے کو سخت نفرت سے دیکھتا ہو، یقیناً حیرت بخش ہے،

بہر حال حضرت امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ وہ بزرگان باصفا اور اولیاء اللہ جن کی آج عالم میں پیروی کیجاتی ہے اور منتخب صوفی ہیں ان میں حضرت امام بخاریؒ بھی ہیں، یقیناً وہ تصوف جو ان علمائے ربانیین کا تھا اس کے متعلق کچھ کہنا جرم عظیم اور معصیت کبری ہے محض لفظ تصوف کا اطلاق اس پر کیا جاتا ہے ورنہ حقیقت کے اعتبار سے اس کا نام اتباع کتاب وسنت ہی،

بحث وجد اور سماع

اس موضوع پر بہت کچھ بحثیں مخالف اور موافق موجود ہیں، میں نہیں چاہتا کہ ان فرسودہ مسائل پر تفصیلی بحث کروں، صرف چند شبہات کے جوابات اہل علم سے نقل کر کے ناظرین کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ وہ انصاف سے کام لے کر وہ طریقہ اختیار کریں جس میں امن وسلامتی ہو، صوفیوں کا وجد اور سماع ایک مشہور چیز ہے جس کے اصطلاحی مفہوم ومعنی کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں،

بیان کیا جاتا ہے کہ بعض ارباب باطن پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے جس سے انکار کرنا گویا آفتاب پر خاک ڈالنا ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر وہ روکنا چاہے تو بھی ناکام رہتا ہے، پھر ایسے شخص کے متعلق زبان درازی کرنا حقیقت کے انکار کے مرادف ہے، کیونکہ ایسے بزرگوں کے زہد واتقا پر امت کا اتفاق ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک بعض طبائع میں کمزوریاں ہوتی ہیں لیکن سچے وجد کی پہچان یہ ہے کہ آدمی بالکل بے خبر ہو جائے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کا حال ہوا تھا

وَخَرَّ مُوسٰی صَعِقًا" اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن وہبؒ کے سامنے قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر کیا گیا تو غش کھا کر گر پڑے، ایک لفظ بھی منھ سے نہ نکلا یہاں تک کہ چند ہی روز کے بعد انتقال کر گئے، یقیناً بہت سے آدمی وعظ سنکر بیہوش ہوگئے اور مر بھی گئے، لیکن یہ حضرات جو وجد میں چیخیں مارتے اور لڑکھڑاتے چلتے ہیں بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب تصنع اور ریا ہے،

اگر یہ کہا جائے کہ کیا اس طرح بیخودی طاری ہوجانے کی وجہ سے مخلص کا مرتبہ کم ہوجائیگا؟ بیشک کم ہوجائے گا، اس لئے کہ اگر اس کا علم قوی ہوتا تو ضبط کرلیتا، اور ظاہر ہے کہ یہ نقص بہت ہی بڑا ہے، سفیان بن عیینہؒ سے مروی ہے کہ حضرت جوابؒ وعظ کے وقت کانپتے تھے، حضرت ابراہیم نخعیؒ نے دیکھکر فرمایا اگر قابو رکھ سکتے ہو تو مجھے پروا نہیں کہ تمھیں حقیر سمجھوں، اگر قابو نہیں رکھ سکتے تو اگلے بزرگوں کے خلاف کرتے ہو، یہ قول مشہور فقیہ و متبع سنت حضرت ابراہیم نخعیؒ استاذ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ہے، جوابؒ اپنے وقت کے صالحین میں سے تھے اور ریاکاری سے دور، غور کرو ابراہیم نخعیؒ نے ایسے شخص سے بھی یہی کہا، پھر وہ لوگ کس گنتی میں ہیں، جن کی ریاکاری اور بناوٹ چھپائے نہیں چھپتی، اگر تسلیم کرلیا جائے کہ واقعی یہ لوگ بیخود ہوجاتے ہیں تو پھر ایسا ہیجان انگیز گانا سننا جو عقل پر پردہ ڈال دے شرعاً ممنوع ہے، جیسا کہ ہر وہ فعل ممنوع ہے جس میں نفع سے نقصان زیادہ ہے، امام ابن عقیلؒ سے وجد اور کپڑے پھاڑ ڈالنے کے بارے میں فتویٰ طلب کیا گیا کہ کیسا ہے؟ جواب دیا غلط ہے، حرام ہے، رسول اللہ صلعم نے مال ضائع کرنے اور گریبان پھاڑنے سے منع فرمایا ہے، سائل نے کہا لیکن یہ لوگ وجد کی حالت میں بالکل بے خود ہوجاتے ہیں اور کچھ نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہیں، ابن عقیلؒ نے جواب دیا اگر وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ گانا سنکر بے قابو ہوجائیں گے ایسی جگہ جاتے ہیں تو گنہگار ہیں، بیخودی کی حالت میں بھی شریعت کا خطاب ان سے ساقط نہیں ہوتا ہے، کیونکہ عالت ہوش میں شریعت کا ان سے مطالبہ تھا کہ ایسی جگہ جانے سے پرہیز کریں، ٹھیک اسی طرح جس طرح انھیں شراب پینے سے منع کیا گیا ہے، اب اگر وہ نشے میں سرشار ہوجائیں اور اس حال میں کوئی ناجائز کام کر گذریں تو

مست ہو جانے کی وجہ سے احکام الٰہی ان سے ساقط نہ ہونگے، یہ طرب وسرود جسے صوفی وجد کہتے ہیں اگر واقعی حال صحیح ہے تو طبیعت پر نشے کا غلبہ ہوگیا ہے، اگر جھوٹا اور بناوٹی ہے تو ہوش میں رہ کر مال ضائع کرتے ہیں بہر دونوں صورتوں میں سلامتی نہیں شک اور شبہ کے مقامات سے بچنا واجب ہے"

اسی بنا پر علامہ شامیؒ نے تاتارخانیہ میں عیون سے نقل کیا ہے، کہ اگر سماع قرآن یا نصائح کا سننا ہو تب تو جائز ہے اور اگر گانا ہو تو اس کا سننا جملہ علمائے سنت کے نزدیک حرام ہے، جن صوفیہ نے اس کو مباح کہا ہے وہ بھی مشروط کر کے مباح کہتے ہیں، اور یہ شرائط ایسے سخت ہیں، کہ حضرت جنیدؒ جیسے باکمال نے سماع سے توبہ کی لئے تو پھر اس زمانے میں کسی کو سماع کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے، ہاں خوشی کے موقعوں پر بغیر جھانجھ کے دف کا بجانا ملا علی القاری حنفیؒ وغیرہ نے جائز رکھا ہے لیکن علامہ خطابیؒ اس میں تفصیل کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ دف بجانا ان طاعات میں شمار نہیں کیا جاتا جن سے منت متعلق ہوا کرتی ہے، بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کو مباح کہہ سکتے ہیں، مگر جب اس کے ساتھ آنحضرت صلعم کے کسی غزوہ سے واپسی کے وقت بسلامت تشریف آوری کی خوشی شامل ہوئی اور کفار ومنافقین کی تحقیر مقصود ہوئی تو یہ بھی طاعت ہوگیا، اور اسی لئے نکاح میں دف بجانا صرف مباح نہیں بلکہ مستحب اور موجب اجر ہے کہ اس میں نکاح کا اظہار اور زنا سے امتیاز ہے جس کا اظہار نہیں ہوا کرتا، شرح السنۃ میں اس حدیث کے متعلق (جسمیں دو لڑکیوں کا دف بجانا ثابت ہے) لکھا ہے کہ جو شعر وہ گا رہی تھیں وہ تعریف جنگ اور شجاعت کے متعلق تھے اور ان کے بیان کرنے میں دینی امر کی اعانت تھی باقی رہا فحش اور بد کلامی سو ایسے گانے قطعاً حرام ہیں اور حاشا کہ بارگاہِ نبوی میں ایسی کوئی بات ہو،

ل البصائر فی تذکیر العشائر عربی،

حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دو ارشادات اس موقع پر نقل کر کے بحث کو ختم کیا جاتا ہے جو جملہ مباحث مذکورہ پر قول فیصل ہیں، اور جس میں کسی مسلمان کو چون وچرا کرنے کی قطعاً گنجایش نہیں ہے،

(۱) فرماتے ہیں، عہد رسالت پناہ میں لوگوں سے بر بنائے احکام وحی مواخذہ کیا جاتا تھا سلسلۂ وحی موقوف ہوگیا، اب ہم تم سے مواخذہ تمہارے اعمال کی بنا پر کرینگے، پس جس کے اعمال خیر ہم پر ظاہر ہوں گے

اسے قبول کر لیں گے اور اس سے قرابت کرینگے، ہمیں اس کے باطن سے کچھ غرض نہیں، اس کے باطن کا نگہبان کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، البتہ اگر اس کے اعمال دوسری صورت (یعنی صورت مذموم) میں ہمارے سامنے ظاہر ہوئے تو ہم اسے قبول نہیں کرنے کے خواہ وہ کہتا رہے کہ میرا باطن آراستہ ہے۔!

(۲) جب ہم ایسے شخص کو دیکھیں گے جو حدود شرع کا استخفاف کرتا ہے، نماز فرض کو چھوڑے ہوئے تلاوت کلام مجید اور روزہ نماز سے حلاوت نہیں پاتا اور حرام و مکروہ مقامات میں در آتا ہے تو ہم اس سے انکار کریں گے نہ اسے قبول کرینگے اور نہ اس کے اس دعویٰ کو کہ وہ باطن صالح رکھتا ہے،

سُنا آپ نے دنیا کے سب سے بڑے مفتی کا فتویٰ؟ مزید اطمینان کیلئے مبحث ذیل پر غور کرنا چاہئے

اتباع کتاب وسنت اور حضرت سیدؒ کا مسلک

حضرت سیدؒ کی نمایاں خصوصیت اور عملی مزیت و فضیلت جو موصوف کو دیگر علماء، زہاد اور اتقیا کی صف میں ممتاز کرتی ہے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پابندی نماز اور اتباع کتاب وسنت ہے،

آپ شریعت اسلامیہ کی تعلیمات کے دلدادہ اور اتباع کتاب و سنت کے عاشق تھے، اسی کا اثر تھا کہ بسا اوقات تحقیق علمی کے سلسلہ میں بڑے بڑے عالم اور امام کی رایوں سے اختلاف کرتے اور یہ فرماتے کہ "در جنب کتاب و سنت اقوال و اعمال رجال را ہیچ منزلتے نیست" جو لوگ کتاب الٰہی کے سچے خادم اور اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ" کے مصداق ہیں وہ اللہ "قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ" الآیہ کے زور اور اسلوب بیان کو سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دشمنان خدا کی موالاۃ و محبت سے منع کرنے کے بعد اپنی محبت کرنے کا معیار یہ بتلایا ہے کہ اگر آج دنیا میں کسی شخص کو اپنے مالک حقیقی کی محبت کا دعویٰ یا خیال ہو تو لازم ہے کہ اس کو اتباع محمدی صلعم کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا، جو شخص جس قدر حبیب خدا محمد رسول اللہ صلعم کی راہ چلتا اور آپ کی لائی ہوئی روشنی کو مشعل راہ بناتا ہے اسی قدر سمجھنا چاہئے کہ خدا کی محبت کے دعوے میں

۱؎ تصوف اسلام ص ۵ ایضاً

کھرا اور سچا ہے اور جتنا اس دعوے میں سچا ہوگا اتنا ہی حضور کی پیروی میں مضبوط و مستعد پایا جائے گا، جس کا پھل یہ ملے گا کہ حق تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگے گا اور اللہ کی محبت اور حضور کی اتباع کی برکت سے پچھلے گناہ معاف ہوجائیں گے، دوسرے مقام پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسوۂ محمدی کے متعلق فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ سے ملنے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں اور کثرت سے خدا کو یاد کرتے ہیں، ان کے لئے رسول اللہ صلعم کی ذات منبع البرکات بہترین نمونہ ہے، چاہئے کہ ہر معاملہ، ہر ایک حرکت و سکون اور نشست و برخاست میں آپ کے ہی نقش قدم پر چلیں، صورت اور سیرت محمدی سے بنائیں، قطب العالم حضرت مولنا فضل الرحمان گنج مرادآبادیؒ نے فاتبعونی کا مطلب کیا ہی اچھا بیان فرمایا، کہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ مجھ میں اس قدر محبوبیت ہے کہ جو میری چال چلتا ہے وہ بھی محبوب ہوجاتا ہے" سبحان اللہ جب آپ کی نقل میں انسان اللہ کا محبوب بنجاتا ہے تو پھر وائے حسرت کہ ہم نفس اور شیطان کے فریب میں آکر ملت ابراہیمی سے محض حماقت و نادانی کی بنا پر اعراض کریں، عمل اور اتباع کتاب و سنت پر بہت کچھ سنا اور پڑھا گیا، لیکن حضرت سیدؒ کی صحبتوں میں جو لوگ کچھ دن بھی رہے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس راہ میں آپ کا کوئی شریک و سہیم نہ تھا، بلکہ اگر قسم کھا کر کہا جائے "مارأت عیناے مثلہ" تو یقین ہے کہ کہنے والا حانث نہ ہوگا، واقعات کی فہرست نہایت طویل ہے محض ذیل کے بیان سے میرے قول کی تصدیق ہو سکتی ہے کہ جب حضرت سیدؒ مسجد میں تشریف لاتے تو دروازہ پر تھوڑی دیر خاموشی کے ساتھ توقف کرتے اور بایاں قدم جوتے سے نکال کر اس پر رکھ لیتے ازاں بعد دایاں قدم مسجد میں داخل کرتے اور اس صورت سے مقصود صرف یہ تھا کہ ذیل کی دونوں حدیثوں پر عمل ہوجائے،

(۱) لیکن الیمنی اولہما تنعل واخراہما تنزع الحدیث (۲) کان النبی صلعم یحب التیامن فی شانہ کلہ الحدیث، اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت سیدؒ میں دینداری اور مذہبی جوش اس درجہ تھا کہ آپ سنن عادیہ و اتفاقیہ تک کو کمال احتیاط و اہتمام سے ادا فرمایا کرتے اور سنت نبوی کو کسی حالت میں

ترک نہ فرماتے تھے، اور جب راستہ چلتے تو باوجود کبرسنی جوان بھی حیرت زدہ رہجاتے اور کانما ینحط من صبب" کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا آپ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان کو چاہئے کہ کوئی سنت نہ چھوڑے اگر زندگی میں زیادہ موقع عمل کرنے کا نہ ملے تو کم سے کم ایک بار تو کرے، تاکہ اتباع سنت کے لاتعدد و لاتحصی فضائل و برکات سے محروم نہ رہے،

ایک باریک نکتہ حضرت سیدؒ فرماتے تھے کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ و شیخ جیلانیؒ اور مجدد الف ثانیؒ سید احمد مجدد شہید بریلوی قدست اسرارہم وغیرہ نے بڑی خدمات انجام دیں اور امت محمدیہ پر بڑا احسان کر گئے کہ بدعات تصوف کو ایک حد تک چھانٹ دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان حضرات پر راہ سنت منکشف فرمادی تھی، اور اس کا بڑا احسان ہے کہ فقیر پر بھی یہ راہ آفتاب سے زیادہ روشن ہو کر رہی لہٰذا یہ اہم نکتہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ آنحضرت صلعم نے جن باتوں کا اہتمام فرمایا ہے مثلاً نماز باجماعت اور فرائض و واجبات وسنن مؤکدہ وغیرہ اگر کوئی اس پر عمل کرتا اور پابندی اختیار کرتا ہے تو نہ خود اس کو وسوسہ اور شبہہ ہوتا ہے کہ میں کامل اور بزرگ و ولی اللہ ہو گیا اور نہ دوسرے اسے ولی اور بڑا متقی سمجھتے ہیں، لیکن اگر ان امور کا پابند ہو جائے جنکا آنحضرت صلعم نے اہتمام نہیں فرمایا ہے، مثلاً چاشت و اشراق وغیرہ تو وہ خود بھی سمجھتا ہے کہ اب میں بایزیدؒ، جنیدؒ، شبلیؒ سے کم نہیں اور دوسرے بھی فریب میں پڑ جاتے ہیں، بس یہیں نفس اور شیطان کو بڑا موقع ہاتھ آتا ہے، حالانکہ شارع علیہ السلام نے احسان کو مطلوب و مقصود قرار دیا تھا، مگر صوفیہ نے بجائے اس کے استغراق کو اصل قرار دے لیا، اسی اتباع کتاب و سنت کی بنا پر آپ کے کشف و الہام اور تفرس کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ نصیر آباد میں ایک مسلمان کو لرزہ کی شکایت تھی کسی نے کہدیا کہ فلاں شخص کے پاس جاؤ وہ تعویذ دیتا ہے چنانچہ وہ گیا اور تعویذ لایا اور ابھی باندھا نہ تھا کہ حضرت سیدؒ نے گھبرا کر اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ فلاں کو جلد میرے پاس لاؤ وہ آیا، آپ نے واقعہ پوچھا اس نے بے کم وکاست بیان کر دیا کہ فلاں شخص نے دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ پانچ جوتے مار کر باندھ لینا اور صبح و شام اسی طرح کرتے رہنا، آپ نے فرمایا کہ تعویذ کھولو جب کھولا تو حضرت ابوبکرؓ

اور حضرت عمر فاروقؓ کا نام نامی واسم گرامی تحریر تھا، حضرت سیدؒ نے جلال کے عالم میں فرمایا کہ محمد امین جبتک نصیر آباد
میں ہے حضرات شیخینؓ کی توہین برملا نہیں ہوسکتی، دیکھا اور سنا آپنے تعویذ دینے والے کے خبث اور ظلم کو؟ حضرت
سیدؒ کے اس طرح کے واقعات عشق محمدی اور شیفتگی جمالِ احمدی کا ادنیٰ پرتو ہیں، جہانتک بہتوں کی رسائی
نہیں بعض ظاہر بینوں کو آپ کی بعض ادائیں سمجھ میں نہ آئیں اور انھوں نے متشدد اور غصہ ور کے الفاظ کہکر
اپنے دل کو مطمئن کرلیا لیکن انھیں کیا معلوم کہ عشق ومحبت کی راہیں ظاہری رسوم وقیود سے بالکل آزاد ہیں،
جب بوالہوسانِ زمانہ عشق مجاز میں یہ گوارا نہیں کرسکتے کہ کوئی ان کے محبوب کی جانب نظر اٹھا کر دیکھ لے
تو پھر وہ نفوس قدسیہ اور ارباب کمال جن کے سامنے اسلام کی جملہ تعلیمات کا حسن اور اسوۂ محمدی کا جمال آفتاب
سے زیادہ درخشاں ہے اس کی عملی توہین دیکھ کر کیسے برداشت کرسکتا ہے، جنکو اس کا احساس نہ ہو وہ اسلام
کی پیشانی کا داغ ہیں، اگر کتاب کے طویل ہونے کا خوف نہ ہوتا تو حضرت سیدؒ کے زہد وتقویٰ، تورع اور للّٰہیت
پر واقعات کی روشنی میں تفصیلی بحث کیجاتی، مجبوراً اتنے ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے، ورنہ عزیمت واستقلال
اور خشیت باری کا یہ عالم تھا کہ آپکے برادر مکرم جناب ڈپٹی صاحب مرحوم نے بارہا چاہا کہ آپ کچھ قبول فرما لیتے
مگر آپنے کتنے منی آڈر وغیرہ یہ کہکر واپس کردیئے کہ نصاریٰ کی ملازمت کے پیسے میرے نزدیک جائز نہیں،
چنانچہ نصیر آباد کے وعظوں میں ڈپٹی صاحب مرحوم کے خلاف جب بیان فرماتے تھے تو كُونُوا قَوَّامِينَ
بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ الخ کا نقشہ سامنے آجاتا تھا، ڈپٹی
صاحب مرحوم کی عالیشان کوٹھی کو آپنے قریب سے دیکھنا تو درکنار دور سے بھی آنکھ بھر کر کبھی نہ دیکھا ہوگا، بہرحال یہ
داستان بہت طویل ہورہی ہے اور ابھی آپکے ملفوظات اور شجاعت وخداداد قوت وطاقت پر ایک حرف نہ
لکھا جاسکا اور نہ اب سوانح ہذا کے صفحات اس کے متحمل ہیں، بدیں وجہ آیندہ اڈیشن پر ان باتوں کو اٹھا رکھتا ہوں
اور آخر میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جملہ مباحث بالا میں اتباع کتاب، وسنت اور ما انا علیہ واصحابی کے مطابق
خود ناظرین کو فیصلہ کرلینا چاہئے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مسلمانو تم میں جو لوگ اسوہ بنانا چاہیں

وہ اصحاب رسول اللہ صلعم کا طریقہ اختیار کریں جو اس امت محمدیہ میں سب سے افضل واشرف ہیں، جن کے قلوب پاک اور جنکا علم بڑا گہرا ہے، جو تکلف سے دور ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے نبی کی صحبت اور دین کی تائید کیلئے منتخب فرما لیا ہے، ان کی عظمت کو پہچانو اور ان کے نقش قدم پر چلو اور جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق اور سیرت کو اختیار کرو کیونکہ یہ لوگ ہدایت اور صراط مستقیم پر تھے، پس حضرت سیدؒ کا یہی تصوف تھا یعنی اتباع کتاب وسنت اور جمعہ جماعت کی پابندی، بدعات ومحدثات کی سختی سے بیخ کنی، نماز کی اول وقت ادائگی تلاوت قرآن مجید کی تاکید، تہجد کی ترغیب، معاملات کی صفائی، خدمت خلق کا جذبہ، خلاف امور شرعیہ میں خویش بیگانہ اور اقارب غیر ہو جاتے تھے، مومن اور متقی کی یہی شان ہونی چاہیئے کہ مشتبہ چیزوں تک سے بچا رہے آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ جو شبہات سے محفوظ رہا اس نے اپنے دین اور آبرو کو خطرہ اور حرام میں پڑنے سے روک لیا، کیونکہ جب حرام وحلال واضح طور پر معلوم ہیں تو پھر درمیانی چیزوں کے لئے امن وسلامتی کا راستہ یہ ہے کہ اسے ہرگز اختیار نہ کیا جائے، مبادا کہ حرام میں مبتلا ہو جائے،

له الرد الوافر

لباس سلف صالحینؒ کا طریقہ یہ تھا کہ متوسط درجے کے کپڑے پہنتے تھے، نہ بہت قیمتی نہ بہت معمولی، لیکن جمعہ اور عیدین کے لئے ایک آدھ جوڑا عمدہ بنا رکھتے تھے آنحضرت صلعم سے مروی ہے کہ آپ کے پاس ایک قیمتی چادر اور عمدہ تہبند تھی، یہ کپڑے آپ جمعہ اور عیدین میں پہنا کرتے تھے پھر تہ کر کے رکھدیئے جاتے تھے روایت ہے کہ بعض مہاجرین وانصار رضوان اللہ علیہم اجمعین اعلیٰ قسم کا لباس پہنا کرتے تھے، حضرت تمیم داریؓ نے تو ایک جوڑا ہزار درہم میں خریدا تھا جسے پہن کر نماز پڑھتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی بہت نفیس کپڑے پہنتے اور بہترین خوشبو استعمال کرتے تھے، حضرت حسن بصریؒ بھی اعلیٰ درجے کی پوشاک پہنتے تھے، حضرت امام مالکؒ عدنی کپڑا پہنتے تھے، امام احمد بن حنبلؒ کا لباس بھی تقریباً ایک دینار قیمت کا ہوتا تھا، غرضکہ بزرگان سلف اعتدال کے ساتھ پھٹے پرانے حال کو پسند کرتے تھے، پرانے کپڑے صرف گھروں میں پہنتے تھے، باہر نکلتے وقت آراستہ ہوتے اور ایسا لباس پہنتے جو ان کے خیال میں مناسب ہوتا،

نہ بالکل ادنیٰ کا انتخاب کرتے نہ بہت اعلیٰ ہی کی خواہش کرتے۔ حضرت احوص روایت کرتے ہیں کہ میرے باپ نے مجھ سے بیان کیا میں بوسیدہ ہیئت میں رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا تیرے پاس کچھ مال ہے؟ میں نے عرض کیا۔ جی ہاں ہر قسم کا مال اللہ نے عطا کیا ہے، اونٹ، گھوڑے، بکریاں غلام، فرمایا تو اپنے آپ پر اللہ کی نعمت کا اظہار کر۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلعم میرے غریب خانہ پر تشریف لائے وہاں ایک آدمی کے بال پریشان دیکھے فرمایا کیا اسے کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس سے اپنے بال درست کرے؟ پھر ایک اور شخص کے کپڑے میلے دیکھے فرمایا کیا اسے کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس سے اپنے کپڑے دھوئے۔

ایک اعتراض اور اُسکا جواب

لوگوں کا اعتراض ہے کہ اچھے لباس میں دو خرابیاں ہیں، ایک یہ کہ نفس خوش ہوتا ہے، حالانکہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ نفس کی خواہشوں سے مقابلہ کریں، دوسرے یہ کہ مخلوق کے لئے آرائش ہوتی ہے، حالانکہ ہمیں حکم ہے کہ تمام عمل خدا کے لئے ہوں، جواب یہ ہے کہ نہ نفس کی ہر خواہش مذموم ہے نہ لوگوں کے لئے ہر آرائش مکروہ، اس بات سے اسی حالت میں منع کیا جائیگا جب شریعت میں اس کی ممانعت موجود یا ریاکاری پیدا ہوتی ہو، ہر آدمی کی خواہش ہے کہ وہ اچھا معلوم ہو، اسی لئے وہ بال سنوارتا ہے، آئینہ دیکھتا ہے، عمامہ برابر کرکے باندھتا ہے، لباس میں استر معمولی کپڑے کا دیتا ہے کیونکہ وہ اندر رہتا ہے، ابرا اچھے کپڑے کا دیتا ہے کیونکہ وہ اوپر رہتا ہے، یہ فعل مکروہ و مذموم نہیں ہے، اور نہ نفس کی یہ خواہش قابل ملامت ہے،

حضرت سیّد کا لباس بیان بالا کے ماتحت ہوتا تھا، کرتہ گھٹنے تک اس سے نیچا کبھی نہیں پہنا اور نہ اوپر صدری زیب تن فرمائی، پائجامہ و تہ بند ٹخنے سے زیادہ اوپر یعنی ازار المومن الی انصاف ساقیہ کے مطابق ہوتا تھا، اچکن قدیم وضع کی، ٹوپی گول، جوتہ دلّی وال، عمامہ سیاہ اور بہترین باندھتے تھے کہ آج تک ویسا دیکھنے میں نہیں آیا، عبائیں بہترین اور زیادہ تر عربی استعمال فرماتے تھے، شامی اور یمنی

کپڑے کی عبائیں حجاز سے ہمراہ لائے تھے، جنہیں سے دو حجازی عبائیں اور سیاہ عمامہ راقم الحروف کے پاس محفوظ ہیں، ایک ان میں سے بہت بوسیدہ اور کرم خوردہ ہو چکی ہے، گزی کا استعمال برابر رکھتے تھے، آپ لباس کے بارے میں بہت آزاد تھے، آپکے خادم خاص واجد خاں صاحب ہمیشہ وشکوٹ، قمیص، کوٹ، پتلون وغیرہ استعمال کرتے تھے آپنے نہ کسی کو ان کپڑوں کے پہننے سے کبھی روکا اور نہ موجودہ دور کے بعض متصوفین کے سے لمبے کرتے کو پسند فرمایا، یا قطع وبرید کو خاص لباس شرعی فرمایا، بلکہ ہر شخص کے مناسب حال زیادہ سے زیادہ مستر لباس کو پسند فرماتے تھے، اور ارشاد تھا کہ ہر قوم کی وردی ہوتی ہے، مسلمانوں کی بھی خاص وردی ہونی چاہیئے، دھوتی سے نفرت تھی اور ہر نماز کے لئے عمامہ کو سنن زوائد میں سے مانتے تھے، موٹے اور مضبوط کپڑے سے بڑی دلچسپی تھی، چنانچہ جب اعظم گڈہ کا دورہ ہوتا تھا تو مئو وغیرہ سے اچھی قسم کی گزیاں کافی مقدار میں مکان لیجایا کرتے تھے، چنانچہ آپکے وصال کے بعد سے ابتک واجد خان صاحب خادم خاص آپ کے گزی کے کپڑے برابر استعمال کرتے رہے ہیں،

خورش | خداوند قدوس نے جس قرآن حکیم میں تمام اولادِ آدم کو "یَآ اَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا" سے مخاطب کیا ہے، اسی قرآن کریم میں تمام انبیاء ورسل کو بھی یہی تعلیم دی ہے کہ "یَآ اَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا" حضرت سیدؒ نے اپنی ساری زندگی اکل حلال کی جستجو اور کامل احتیاط میں ختم کی، دیدہ ودانستہ تو خیر ممکن ہی نہ تھا کہ آپ احتیاط نہ فرماتے بلکہ مشتبہ اور غیر محتاط کاموں سے بحمداللہ آپ محفوظ رہے، کھانا سادہ اور بہت کم کھاتے تھے یہ بات نہ تھی کہ تقلیل غذا بعض صوفیوں کی طرح آپ کا مسلک تھا، بلکہ بطیب خاطر پیٹ بھر کر جو کچھ ملتا تناول فرماتے اور خدا کا شکر بجالاتے، علامہ ابن جوزی کا قول ہے کہ "قدیم صوفیوں کو کھانے پینے میں شیطان بڑی کوشش کے بعد فریب دے سکا اور وہ اچھے کھانے اور ٹھنڈے پانی سے محروم ہوگئے" حضرت سید ایسے نہ تھے بلکہ آپ کو ٹھنڈے پانی اور گرم روٹی سے بہت رغبت تھی، چنانچہ اسی کا اثر تھا کہ تمام دانت جلد گر گئے تھے ، جو کھانا آپ ہمیشہ کھایا کرتے

تھے، وہی آج بھی حضرت سیدانی صاحبہ مدظلہا کے عہد میں پکتا اور کھایا جاتا ہے، یعنی دال، چاول، گوشت، یا کوئی ترکاری، اور روٹی یہی آپ کی غذا تھی، کیوٹی دال اور بالخصوص آم کی چٹنی سے بہت رغبت تھی، جو لوگ دعوت دیتے تھے وہ پہلے آپ سے اجازت لے لیتے تھے ورنہ بلا اجازت آپنے نہ کسی کی دعوت کھائی اور نہ دوسروں کو اپنے ساتھ شامل کیا، الا آنکہ داعی اجازت دیدے، سود خوار، بے نمازی، غیر محتاط لوگوں کی دعوتیں اس وقت تک کبھی منظور نہیں کیں، جبتک کہ انھوں نے افعال شنیعہ سے توبہ نہ کرلی، شاذونادر ایسا بھی ہوا کہ کھانا چند ہی آدمیوں کا تیار ہوا ہے آپنے سیکڑوں کو دعوت میں شریک کرلیا اور جب دعوت دہندہ گھبرایا ہوا آیا کہ حضرت واقعہ تو یہ ہے، آپنے فرمایا کہ لاؤ اسی میں خدا برکت دے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، بعض اہم مقدمات کے انفصال کے سلسلہ میں کئی کئی وقت برابر نمک چشی کی نوبت نہیں آئی، لیکن چہرے سے کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ آپ کئی وقت کے بھوکے ہیں، صدہا ناجائز رہن نامے، اور سودی دستاویز بیعنامے چاک ہوئے، کتنے دبے ہوئے قرضے ظاہر ہوئے اور خلاف شریعت ہبہ نامے، ناجائز نکاح و طلاق شریعت مطابق شریعت قرار پائے، بہتوں کو خدانے ہدایت دی وہ توبہ پر قائم رہے اور بعضوں نے بغاوت کی عاقبت خراب ہوگئی اور کتنوں نے راہِ راست اختیار کی قسمت بنگئی، غرضکہ اس طرح کے صدہا واقعات محض دعوتوں کے سلسلہ میں پیش آئے اور جبتک معاملہ صاف نہیں ہوا آپنے نہ چین لیا اور نہ کھایا، انفصال مقدمات کی ہیئت دیکھ کر عہد سلف کا نقشہ سامنے آجاتا تھا اور آپ تھے کہ بلا رو رعایت ہر شاہ و گدا کے ساتھ وہی صورت اختیار فرماتے تھے، جو اسلام کا طغرائے امتیاز تھا، شریعت کے معاملہ میں آپکے نزدیک خویش و بیگانہ کی تفریق خلاف تھی، مداہنت نہ آپ کا طریقہ تھا اور نہ اسلام کا کوئی حکم،

ذریعۂ معاش

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

آیت بالا سے یہ ثابت ہے کہ اللہ کا ڈر دارین کے خزانوں کی کنجی اور تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہے اسی

سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں بے قیاس وگمان روزی ملتی ہے، گناہ معاف ہوتے ہیں، جنت ہاتھ آتی ہے، دنیا وآخرت کی بادشاہی حاصل ہوتی ہے، اجر بڑھتا ہے اور ایک عجیب قلبی سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے جس کے بعد کوئی سختی سختی نہیں رہتی اور تمام پریشانیاں اندر ہی اندر کافور ہو جاتی ہیں، ایک حدیث میں آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ اگر تمام لوگ اس آیت کو مضبوطی سے پکڑ لیں تو ان کو کافی ہو جائے، نیز یہ آیت کریمہ تو تمام لوگوں نے بار بار تلاوت کی ہوگی "وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا" یعنی زمین پر چلنے والا ہر جاندار جسے رزق کی احتیاج لاحق ہو اس کو روزی پہنچانا خدا نے محض اپنے فضل سے اپنے ہی ذمہ لازم کر لیا ہے، جس قدر روزی جس کے لئے مقدر ہے یقیناً پہنچکر رہے گی، جو وسائل و اسباب بندہ اختیار کرتا ہے وہ روزی پہنچنے کے دروازے ہیں، اگر آدمی کی نظر اسباب و تدابیر اختیار کرنے کے وقت مسبب الاسباب پر ہو تو یہ عین توکل ہے، البتہ خدا کی قدرت کو ان اسباب عادیہ میں محصور و مقید نہ سمجھا جائے، وہ کبھی کبھی سلسلۂ اسباب کو چھوڑ کر بھی روزی پہنچاتا یا اور کوئی کام کر دیتا ہے، بہر حال جب تمام جانداروں کی حسب ضرورت غذا اور معاش مہیا کرنا حق تعالیٰ کا کام ہے تو پھر مایوسی کس بات کی ہے،

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن ۔۔۔ کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

حضرت سیدؒ کے جو احوال اور ان کی مقدس اور درویشانہ زندگی کے جو اہم واقعات بالترتیب لکھے گئے ہیں، ان کے مکارم اخلاق اور اوصاف حسنہ کا جو نقش صفحۂ قرطاس پر کھینچا گیا ہے اور سب سے بڑھ کر ان کی رشک افزا اولوالعزمی، مجاہدانہ سرگرمی اور تبلیغ دین اور اصلاح خلق کی سچی اور گرانقدر خدمات کا جو بالتفصیل تذکرہ کیا گیا ہے، سچ تو یہ ہے کہ ان کو پڑھ لینے کے بعد ناظرین کتاب کو خود اندازہ ہو سکتا ہے کہ سید صاحب موصوف کسب حلال کے کس قدر حامی اور خوگر رہے ہونگے، اور پھر اس کے متعلق کسی مزید تشریح اور تفتیش معلومات کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، تاہم چونکہ دنیا کی عام نگاہیں وضوح حق کی متلاشی رہتی ہیں اور تا وقتیکہ کسی بزرگ اور معروف ہستی کے دور زندگی کا ہر نمایاں پہلو ان کی آنکھوں

کے سامنے بے حجاب ہو کر نہ آجائے وہ اس کو چشم عقیدت سے نہیں دیکھتے، اس لئے سیّد جیسے عالم دین کے وسائل معاش کے مسئلہ کو اس موقع پر میں کسی قدر وضاحت کیساتھ بیان کرنے کی کوشش کرونگا، تاکہ اس باب میں جو عام غلط فہمی اور شکوک لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو چلے ہیں ایک حد تک ان کا کافی ازالہ ہو سکے اور حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آجائے،

گذشتہ ابواب کے مطالعہ اور ورق گردانی سے ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا کہ سید صاحبؒ کا نسبی تعلق نصیر آباد کے ایک ایسے معزز خاندان سے تھا جو کسی زمانہ میں اپنے اسلاف کے علمی کارناموں اور دنیاوی اعزاز اور مفاخر کے لحاظ سے بہت ہی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، آپ کے آباء و اجداد میں متعدد ہستیاں ایسی گذری ہیں جو مناصب جلیلہ پر ممتاز رہ چکی ہیں اور چونکہ اس مقتدر خاندان کے افراد ابتدا ہی سے اہل ثروت اور ارباب اقتدار تھے، چنانچہ حکومت کی جانب سے انھیں بیش بہا جائدادیں بطور وظائف عطا ہوئی تھیں، اس لئے وہ نہایت آسودگی اور عزت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، مگر حوادث روزگار کی نیرنگی اور اہل تشیع کی جفاکاری سے یہ ساری املاک بتدریج ضبط ہوگئیں اور اس طرح اہل خاندان پر پے درپے اس قدر مصائب نازل ہوئے کہ کسب معاش کے لئے انھیں مختلف ذرائع تلاش کرنے پڑے، اور کسب حلال کی جستجو میں اس معزز خاندان کے علماء و فضلاء کو اپنے گھروں سے نکلنا پڑا، چنانچہ اس سلسلہ میں خود آپ کے والد مرحوم علامہ سیّد محمد طٰہٰؒ بھی ریاست ٹونک میں ملازم ہوگئے، اور عرصہ دراز تک وہاں اقامت گزیں رہے، ان کی وفات کے بعد سید صاحبؒ کو نواب وزیر الدولہ والیٔ ٹونک نے بار ہا چاہا کہ وہ نواب صاحب موصوف کے ہمراہ زندگی گذاریں، مگر آپ کی غیرت اور خودداری نے اسے قبول نہ کیا، چونکہ سیّد نے علوم دینیہ کی تحصیل کے ساتھ ساتھ علم طب بھی جیسا کہ اس زمانہ کے محتاط اور مصلحت اندیش علماء کا شعار تھا حاصل کیا تھا، اس لئے آپ نے قیام نصیر آباد کے اوقات میں رفاہ خلق اللہ کا طریقہ جاری رکھا اور اپنی ساری زندگی میں کبھی بھی امراء یا خود پسند و متکبر والیان ملک کے سامنے دست سوال دراز نہ کیا اور نہ کسی حیلہ سے ان کے

آستانہ بوسی کی زحمت گوارا کی، بلکہ جب کسی امیر کبیر نے آپ کی خدمات حاصل کرنے کی درخواست کی تو آپ نے اسے انتہائی بے نیازی اور حقارت سے ٹھکرا دیا، یہ اولوالعزمی اور عزت نفس وخودداری کا یہ احساس آج ملک ہند کے موجودہ مشاہیر اور ارباب علم میں بہت کم بلکہ نایاب ہے، کیونکہ کسی ریاست کی ملازمت یا حکومت وقت کی وظیفہ خواری ایک ایسا لقمہ تر ہے جس کے تصور سے آج بڑے سے بڑے شخص کے منھ میں بھی پانی بھر آتا ہے، اور پھر درباری عزت یا ملازمت مل جانے کے بعد وہ اپنی اس مقبولیت اور خوش قسمتی کو غیبی تائید سمجھنے لگتے ہیں، مگر اس دنیاوی اعزاز کے اندر آزادی رائے، تقویٰ و پاکدامنی اور زہد و تقشف کی جو زبوں حالی اور پامالی ہے سید صاحب ممدوح کی نکتہ رس نگاہ اس سے بخوبی واقف تھی آپ خوب سمجھتے تھے کہ دامن گل خاردار ہوتا ہے، اور اس دنیا کے عارضی عیش و تنعم کا انجام بجز عقبیٰ کی تلخ کامی اور رسوائی کے کچھ نہیں اس لئے ان لذائذ کا خوگر بن کر موجودہ دور کے ابلیس نما متصوفین کی طرح اپنی زندگی گذارنا پسند نہیں کرتے تھے آپ جس بے سروسامانی کے ساتھ اس دنیا میں آئے اس سے زیادہ صاحب تنعم ہونا گوارا نہ فرمایا، کبھی بیجا تعیش پسندی کا وہم وگمان بھی آپ کے حاشیہ دماغ میں نہ آیا، بلکہ ساری زندگی غربت و تنگی سے بسر کی اور ہمیشہ مفلس و نادار جماعت کے ہم نوا رہے، انہی کی تعلیم و تربیت اور رشد و ہدایت آپ کی روحانی غذا تھی، البتہ جب کبھی آپ تبلیغ دین کے سلسلہ میں اسلامی آبادیوں کا دورہ فرماتے تھے اور ہدایت خلق کی راہ میں تیغ بے نیام بنکر نہایت بے باکی اور بے خوفی کے ساتھ عام مسلمانوں کو ان کا بھولا ہوا راستہ دکھلاتے تھے اور جب امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی خدمات اور فرائض کو جس سے آج ہمارے علماء عصر بالکل بے خبر اور غافل ہیں آپ انجام دیتے تھے تو اس سلسلہ میں اگر کسی دیندار اور سعادتمند معتقد نے ضرورت سمجھ کر کچھ پیش کر دیا تو اسے ضرورۃً قبول کرتے تھے، مگر عام واعظ گویوں اور پیروں کی طرح تحصیل زر ہرگز آپ کا شیوہ نہ تھا اور نہ اسکو آپ کسی طرح شرعاً جائز سمجھتے تھے، چنانچہ صحابہ کرام میں اصحاب صفہ کا جو مقدس گروہ تھا اور جنھوں نے اشاعت دین اور تعلیم قرآن کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا اور جنھیں ان مشاغل کے باعث معاش پیدا کرنے کا بہت

کم موقع ملتا تھا وہ زیادہ تر اپنے بھائیوں کی فیاضیوں پر بسر اوقات کرتے تھے، چنانچہ تاریخ و سیر میں اس قسم کے متعدد واقعات موجود ہیں، اس لئے اسلامی قوانین کے رو سے مبلغ دین اور ہادی طریقت کے لئے بشرطیکہ اس کی نیت خالص ہو اور ضرورت سے زیادہ یکمال و زر جمع کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو، ضرورت کچھ قبول کر لینا شرعًا جائز اور اس کی خدمت کرنا عامۂ امت پر فرض ہے، سید صاحبؒ کا بس اسی پر عمل تھا، اور آپ بلا ضرورت عام نذرانے و تحائف کبھی قبول نہ فرماتے تھے لیکن حیرت اور بوالعجبی تو یہ ہے کہ آج عوام تو درکنار بڑے سے بڑے مولوی بھی ان مقدس حضرات پر فخریہ اعتراض کرتے ہیں کہ انکے مواعظ اور نصائح کا مقصود اصلاح قوم اور اشاعت دین نہیں بلکہ جلب منفعت اور اپنے ہم عصروں میں امتیاز حاصل کرنا ہے، لیکن ہمیں یہ شکایت صرف موجود ابناے عصر ہی سے نہ ہونی چاہیئے، بلکہ علماے دجل و فساد کی نظروں میں ہمیشہ سے داعیانِ حق کا سب سے بڑا جرم یہی رہا ہے کہ دنیا ان کی طرف کیوں کھینچتی ہے؟ ان کے موثر اور دلکش و درد انگیز طرز بیان پر لوگ کیوں سر دھنتے ہیں؟ اور ان کو اپنا مذہبی پیشوا اور رہبر کیوں مانتے ہیں؟ دراصل علماے سوء کی اس بدظنی اور زبان درازی کا واحد سبب یہ ہے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ کوئی بندۂ خدا محض رضاے حق کے لئے خدمت خلق اور تزکیۂ نفوس میں شب و روز مشغول رہتا ہے تو اسکی سعادتمندی اور اپنی بے بضاعتی، ضلالت اور گم گشتگی کو یاد کر کے ان مولویوں کے دلوں میں بے اختیار حسد اور کینہ پروری کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور پھر گوناگوں مکر و حیل سے کام لے کر وہ اس بندۂ خدا کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں، چنانچہ اسلامی تاریخوں میں آپ پڑھیں گے کہ مصلحین امت کو کیسے کیسے علماے سوء اور خون آشام مدعیان علم و فضل سے سابقہ پڑا ہے لیکن قانون قدرت اور مشیئت ایزدی کی نیرنگی دیکھئے کہ باوجود علماے سوء کی مخالفت کے دنیا میں ہر جگہ انہی نفوس قدسیہ کی توقیر کیجاتی ہے، اور نہ صرف روے زمین پر بسنے والے ہی ان کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں بلکہ بلند آسمانوں اور ملاءِ اعلیٰ میں بھی انہی کے ناموں کی پکار ہوتی ہے، صحیح حدیثوں میں ہے کہ جب خدا کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل امین سے فرماتا ہے کہ اے

جبرئیل میں فلاں بندہ کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اس کو دوست رکھو، پس جبرئیل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر یہ فرشتہ (جبرئیل) عالم بالا کے رہنے والوں میں اس حکم خدا کی منادی کر دیتا ہے، اور خدا کے پاک فرشتے بھی اس کو چاہنے لگتے ہیں اور اسے اپنا محبوب بنا لیتے ہیں، پھر جب آسمانوں میں اس کی محبوبیت کا عام اعلان ہو چکتا ہے تو ساکنان ارض کے دل بھی اس کی محبت کیلئے بیتاب ہو جاتے ہیں اور اس کی مقبولیت ہر دلعزیزی اور روحانیت کا شہرہ تمام جگہ پھیل جاتا ہے،

گرم بر سرافتد ز تو سایۂ　　　سپہرم بود کمتریں مایۂ

بہرحال حضرت سیدؒ کے متعلق اس طرح کا سوال ہی اٹھانا اور جواب دینا عبث ہے، آپ اقلیم استغنا کے ایک عدیم النظیر بادشاہ تھے، ساری عمر جس اولوالعزمی اور خودداری سے بسر کی آج بڑے بڑے ارباب ثروت کو خواب میں میسر نہیں، ع خدا خود میر سامان است ارباب توکل را،

اس طرح کی غیبی امداد جنھیں دست غیب سے تعبیر کیا جاتا ہے، بزرگان دین اور اولیا رامت کی برابر ہوتی ہی ہیں، جنھیں مادی دنیا کے وسائل و ذرائع کو کوئی دخل نہیں ہوتا، حضرت مولانا عین القضاۃؒ کا خوان کرم بجز تائید ایزدی بتائیے آخر کس اہل ثروت کے دست کرم کا مرہون منت تھا ؟

بخاری شریف کی ایک حدیث قدسی نے اس کی گرہ کشائی فرما دی ہے، ملاحظہ ہو،

"بندہ نوافل کی راہ سے برابر میری طرف بڑھتا رہتا ہے یہانتک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کا کان بنجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بنجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بنجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے"

خلاصہ یہ کہ جب بندہ ہمہ تن اپنے آپ کو خدا کے حوالہ کر دیتا ہے اور پھر ذرہ برابر اس کے حکم سے انحراف نہیں کرتا تو کوئی وجہ نہیں کہ پروردگار عالم اس بندہ کی تائید نہ فرمائیے،

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ　　　کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

وہ خدا جس کی صفت "وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُهَا" ہے بھلا وہ اپنے خاص بندوں کو روزی سے محروم کر دے گا؟ حالانکہ وہ تو بڑا داتا اور کرم فرما و پالن ہار ہے، حضرت شیخ سعدیؒ اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں ؎

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب — گبر و ترسا وظیفہ خور داری

دوستاں را کجا کنی محروم — تو کہ با دشمناں نظر داری

بہرحال جو لوگ کلمۃ اللہ کو بلند کرنے والے اور اسلام کے نظام العمل کے قائم کرنے اور پھیلانے والے ہوں، امت کا فرض ہے کہ ان کی مالی اعانت کرے چاہے ان کی معیشت کا کوئی ذاتی انتظام ہو یا نہ ہو تاکہ وہ اپنے دل کی لگن سے مجبور ہو کر اسلام کے صحیح نصب العین کو پیش کر سکیں، فقراء و مساکین میں وہ تمام اہل حاجت داخل ہیں جو اپنی محنت و کوشش سے اپنی روزی کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتے جیسے بوڑھے، بیمار، اندھے، لولے، لنگڑے، مفلوج، کوڑھی، یا وہ محنت کر سکتے ہیں لیکن موجودہ حالت میں دین و ملت کی کسی ایسی ضروری خدمت میں مصروف ہیں کہ وہ اپنی روزی کمانے کی فرصت نہیں پاتے، جیسے مبلغین، مذہبی معلمین، بالغ طالب علم جو "لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ"، میں اسی طرح داخل ہیں جس طرح آنحضرت صلعم کے زمانۂ مبارک میں اصحاب صفہ داخل تھے۔[1] اسی خدا نے فقراء میں خوددار اور مستور الحال شرفا کو ترجیح دی ہے، جو دین اور مسلمانوں کے کسی کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے کوئی نوکری چاکری یا بیوپار نہیں کر سکتے اور حاجتمند ہونے کے باوجود کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے اور اپنی آبرو اور خودداری کو ہر حال میں قائم رکھتے ہیں" چنانچہ فرمایا

"ان مفلسوں کو دینا ہے جو اللہ کی راہ میں اٹک رہے ہیں اور زمین میں روزی حاصل کرنے کے لئے چل پھر نہیں سکتے۔ ناواقف ان کے نہ مانگنے کی وجہ سے ان کو بے احتیاج سمجھتے ہیں تم ان کو ان کے چہرہ سے پہچانتے ہو، کہ وہ حاجتمند ہیں اور وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے"

[1] سیرۃ النبی جلد ۵

یہیں سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ جس طرح لوگوں پر ایسے علماے حق کی اعانت ملی فرائض میں داخل
ہے، اسی طرح ان علمار کا بھی یہ فرض ہے کہ ضروریات کے لئے اگر کوئی دامے درمے، اجتماعی طور پر یا انفرادی
خدمت کرنا چاہے تو اسے قبول کر لینا کسی طرح خلاف نہیں ہے جو لوگ اجتماعی طریقہ اعانت کے مقابل
انفرادی طریقہ کو بہتر سمجھتے ہیں ان کی یہ منطق سمجھ میں نہیں آتی، اس کے تو یہ معنی ہوے کہ اس طرح رقومات
کا ٹوٹل کافی ہو جائیگا، بھلا کوئی دو چار آنے لے کر کیا حاضر ہو سکتا ہے۔ تبرما حضوری میں اپنے اوپر بار
ڈال کر شریک ہوگا، ہاں یہ قبول خدمت اس وقت خلاف ہو جائیگا جبکہ نہ دینے پر نفس کے اندر انقباض
پیدا ہوا اور خدمت کرنے پر انشراح، یہ چیز البتہ مذموم ہے، اس سے پرہیز کرنا اولیٰ ہے،

اخلاق وعادات

وعلی تفنن واصفیہ بوصفہ　　　　یفنی الزمان وفیہ مالم یوصف

لغت میں خلق کے معنی عادت، طبیعت، خصلت کے ہیں جس کی جمع اخلاق ہے، اصطلاح میں خلق
اس ملکہ کو کہتے ہیں جس سے بلا غور و فکر افعال حسنہ بسہولت صادر ہوں، بخل اور لالچ، کینہ وحسد، سخت
کلامی و فحش گوئی وطعنہ زنی سے بچنا، نرمی اور درگذر، مروت وسیر چشمی سے پیش آنا، احباب واقارب کیساتھ
اچھا سلوک کرنا بلکہ بدی کے مقابلے میں نیکی کرنا وغیرہ اخلاق کے مظاہر ہیں، انبیا علیہم السلام میں یہ
اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے، اسی وجہ سے اہل عرب کبھی بھی آپکے اخلاق حمیدہ اور شیم جمیلہ کے منکر نہ
تھے، حکما، اور فلاسفہ متفق ہیں کہ دو ہی ایسے علم ہیں جن کی انسان کو سخت ضرورت ہے، (۱) علم اخلاق
(۲) علم طب، اور آدمی دو ہی چیزوں کا مجموعہ ہے روح اور جسم، روح کی حفاظت اور تکمیل، علم اخلاق سے ہوتی
ہے، اور جسم کی صحت اور تکمیل علم طب سے، اصل یہ ہے کہ حلم اور غضب، شہوت، اور عدل کا اعتدال
دو طرح پر حاصل ہوتا ہے، ایک فیضانِ الٰہی سے یعنی انسان خلقتہً ماں کے پیٹ سے کامل العقل اور خلیق
پیدا ہو، شہوت وغضب پر فطری غلبہ رکھتا ہو، محمد عربی صلعم اور دیگر انبیا علیہم السلام ابتدا ء خلقت

ے عقل کامل، حکمت اور اخلاق حسنہ لیکر پیدا ہوئے تھے،

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ عمدہ اخلاق کو کسب و مجاہدہ ریاضت اور نفس کشی سے حاصل کیا جائے جس طرح بدن کے ظاہری امراض علاج سے دفع ہوتے ہیں، بداخلاقی بھی باطنی بیماری ہے جو باطنی علاج سے دور کیجا سکتی ہے، اسی بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مقولہ ہے کہ عمدہ اخلاق تین باتوں میں منحصر ہے،

(۱) حرام چیزوں سے پرہیز، (۲) حلال وطیب کی جستجو، (۳) اہل وعیال کی خبرداری،

شیخ الرئیس بوعلی سیناؒ نے لکھا ہے کہ جس شخص میں خصائل عشرہ موجود ہوں وہ کمال درجہ خلیق ہوگا،

(۱) راستبازی (۲) انصاف، (۳) اپنے نفس پر جبر، (۴) علمار کی صحبت، (۵) بزرگوں کی تعظیم (۶) چھوٹوں پر شفقت، (۷) دوستوں سے محبت، (۸) دشمنوں سے درگذر کرنا (۹) درویشوں کے ساتھ بذل وسخا (۱۰) جاہلوں کو نصیحت، یہی وجہ ہے کہ کتب سماویہ ودیگر مذاہب وادیان میں اخلاق کی مستقل تعلیمات موجود ہیں، قرآن جو جملہ کتب سماویہ وتعلیمات انبیار کا مہیمن اور محافظ ہے، آنحضرت صلعم کے بلندئ اخلاق کو ان الفاظ سے بیان فرماتا ہے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم " اے محمد بیشک آپ اخلاق کے بلند رتبہ پر ہیں،

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کامل ترین مومن وہ ہے کہ جس کے اخلاق بہترین ہوں، ایک دوسری روایت میں ہے کہ میزان عمل میں خوش اخلاقی سے وزنی کوئی شے نہ ہوگی،

تصریحات بالا سے اخلاق کی تعریف اور اہمیت کا اندازہ ہوچکا ہوگا، حضرت سیدؒ سے جن لوگوں کو شرف زیارت نصیب ہے وہ اچھی طرح اندازہ کرسکتے ہیں کہ آپ محاسن اخلاق کے پیکر بے مثال تھے، نہایت حلیم ومتین، صابر اور متوکل، خلوت پسند، سخی، حق گو، راستباز، آزاد خیال، راضی برضائے حق، محب ملک وقوم، ہمدرد بنی آدم، رقیق القلب، کریم النفس، نمود ونمایش سے دور، کسی کو نقصان پہنچانا آپکے مذہب میں کفر کے مرادف تھا، مال حرام سے عمر بھر خدا نے محفوظ رکھا، معاملات میں سخت متشدد اور پابند شریعت تھے، آپنے سودی قرض کبھی نہیں لیا، نہ مشتبہ مال کھایا، اسی اخلاق کا اثر تھا کہ آپ سے ملنے کے لئے کسی حاجب و

دربان کے توسط اور پروانہ راہداری کی ضرورت نہ تھی، بلکہ امیر وغریب سب کے لئے یکساں طور پر آپ کا دروازہ کھلا رہتا تھا، لوگوں سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے تھے اور آج تک ان حضرات کے کام ودہن لذت آشنا ہیں جنھوں نے کبھی آپ کی صحبت اٹھائی ہے۔ جب کوئی کسی گاؤں یا ضلع سے بغرض ملاقات حاضر ہوتا آپ کے لئے ہلال عید بنجاتا، اور جبتک فرداً فرداً پورے گاؤں کے حالات دریافت نہ فرمالیتے چین نہ آتا، جمعہ جماعت کی پابندی، اتباع شریعت و پابندی سنت کے متعلق سب سے پہلے سوال ہوتا، خبر مسرت پر خدا کا شکر ادا فرماتے اور حوادث پر انا للہ پڑھتے اور دیر تک افسوس اور غم کا اظہار فرماتے اور ساتھ ہی مصائب وآلام کے برداشت پر صبر واستحکام تسلیم ورضا کا وعظ فرماتے اور تلقین کرتے، خاندان قطبیہ کا یہ اخلاقی امتیاز آپ اپنا نظیر رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج تک یہ معزز خاندان اپنے ان اوصاف کی وجہ سے لائق احترام اور اجانب تک کی نظر میں وقیع شمار ہوتا ہے، انہی اوصاف ومحاسن کی وجہ سے یہ خاندان ہمیشہ عزت کی نظروں سے نہ صرف عوام بلکہ سلاطین ومشائخ کبار کے نزدیک بھی دیکھا گیا، حضرت سیّد کی مہمان نوازی ورثہ تھا حضرت خلیل ومحمد عربی امی صلعم کا، بسا اوقات یہ ہوتا تھا کہ معتقدین چاہتے تھے، کہ مولانا سے جدا ہو کر بیٹھیں تاکہ آپکے معمولات میں فرق نہ آئے لیکن آپ اسے بطیب خاطر گوارا نہ فرماتے تھے اور یہ شعر اکثر پڑھتے تھے، ؎

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

مجبوراً اپنے معمولات میں مشغول ہوجاتے تھے، آپکے کاشانۂ فقر میں شاہ وگدا غلام وآقا برابر تھے، جو خود کھاتے وہ سب کو کھلاتے جو پہنتے وہ پہناتے (سوا جمعہ وعیدین کے کپڑوں کے) غرضیکہ کوئی ایسا فعل جو منافی اسلامی کے خلاف ہو ساری زندگی عمل میں نہیں لائے، غیر مذاہب کے لوگ جب ملاقات کے لئے یا بغرض علاج آتے آپ ان کے منصب کے مطابق بیٹھنے اور ٹھہرنے کا انتظام فرماتے اور پھر خود مسجد سے نکل کر ان سے ملتے باتیں کرتے اور جبتک وہ خود جانے کی اجازت نہ چاہتا آپ وہاں سے نہ ہٹتے، ہاں نماز اور معمولات کے لئے کمال محبت وشرافت سے رخصت ہوتے، لیکن اس اثناء میں بھی آنے جانے والوں کو ہدایت

فرماتے رہتے تھے ہمہ وقت مظلوموں کی مدد اور ظالموں کی بیخ کنی کے لئے ہر امکانی کوشش جاری رکھتے، فتن و زلازل میں پڑنے سے تا بمقدور احتراز فرماتے اور معتقدین کو بھی دور رہنے کا حکم دیتے، ہاں اگر کسی عاقبت اندیش نے مبتلا کر دیا تو پھر بہادرانہ اس کا مقابلہ کرتے، کیا مجال تھی کہ اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف آپ دبتے یا مداہنت سے کام لیتے اور مصالح کا لفظ بول کر خود ساختہ رخصت پر عمل فرماتے، ہرگز نہیں، بلکہ استقلال اور مضبوطی کے ساتھ مقام عزیمت کو ہاتھ سے نہ دیتے۔

تحریک آزادی اور مسئلۂ ترک موالات

"جو شخص کتاب و سنت کی تعلیمات اور سلف صالحین کے طریق کار پر نظر رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ اسلامی ذہنیت ہرگز وہ ذہنیت نہیں ہے جس سے فرقہ بندی اور اور طائفی عصبیت پیدا کیجائے، کیونکہ قرآن ہم کو یہ تعلیم دیتا ہے،

كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَ یعنی ایمان والو قائم رہو انصاف پر اور اللہ کے حکم کے موافق گواہی دو لَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وہ اگرچہ اس میں تمہارا یا تمہارے کسی عزیز قریب کا نقصان ہوتا ہو، جو حق ہو اس کو صاف ظاہر کر دینا چاہئے، دنیوی نفع کیلئے آخرت کا نقصان نہ لو، وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ، سورۂ مجادلہ کے آخر میں اس حقیقت سے صاف پردہ اٹھایا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے "تو نہ پائے گا کسی قوم کو جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر آخرت کے دن پر کہ دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوں اللہ کے اور اس کے رسول کے خواہ وہ اپنے باپ ہوں، یا اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے گھرانے کے، ان کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھدیا ہے اور ان کی مدد اپنے غیبی فیض سے کی ہے" الآیہ

نبی کریم صلعم نے ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ محبت اور بغض تائید اور مخالفت جو کچھ بھی ہو خالص حق کے لئے ہو، من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ ونصح للہ فقد استکمل الایمان،

مسلمانوں کے لئے صرف ایک ہی جماعت اور پارٹی کافی ہے وہ اللہ کی پارٹی ہے، أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ،

اس پارٹی کا اصل الاصول یہ ہے کہ تمہاری موافقت اور مخالفت، تائید و تردید، دوستی اور جنگ، اتحاد اور اختلاف ہر چیز نفسانیت سے پاک اور اشخاص یا جماعتوں کی الفت و عداوت سے قطعاً مبرا ہو"

حضرت سیدؒ کی ساری زندگی اسی اصول پر گذری، چنانچہ آخر تک آپ جس مسلک اور مشرب کے پابند رہے، اس سے کوئی خاص جماعت و گروہ کی جانب میلان طبع نہ پایا گیا، مسئلہ ترک موالات یا تحریک آزادی کوئی ایسی چیز نہ تھی جس پر سیدؒ کوئی رائے نہ رکھتے، لیکن آپ کا طریق کار وہی تھا جو اس تحریک آزادی ہند کے موسس حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ اور آپکے مرشد کامل حضرت سید احمد شہیدؒ مجدد مائۃ ثالث عشر کا تھا۔

پوری صدی گذر جانے کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ دارالاسلام (ہندوستان) پر جب انگریزی حکومت نے تغلب کیا تو سب سے پہلا شخص کون تھا جس نے قانون اسلام کی پابندی کرتے ہوئے ہندوستان کو دوبارہ دارالاسلام بنانے کی کوشش کی، تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ کے بابرکت خاندان نے اس مقدس مگر خطرناک فریضہ کو اسی عزم و استقلال، جرأت اور پامردی سے انجام دیا جو ورثۃ الانبیاء کی شان عالی کے شایان تھا،

حضرت سیدؒ بھی تو آخر اسی میکدۂ قطبیت کے بادہ خوار تھے بالخصوص حضرت سید احمد بریلوی شہیدؒ کے خاندانی علوم و معارف اور سینہ بسینہ فیوض و برکات کی آپ کی ذات سچی مستحق اور جانشین تھی، یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ اس سنت اسلاف سے اختلاف فرماتے، ہاں موجودہ تحریک کے طریق کار میں اختلاف رہا، جیسا کہ آئندہ بیانات سے واضح ہو جائے گا، کہ حضرت سیدؒ کا فیصلہ سیاسی معاملات میں کیا حقیقت رکھتا تھا، کسی انسان کی زندگی پر جو سب سے زبردست ظلم ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے جانفروشانہ کارناموں کو مسخ کر دیا جائے، اسکی قربانی کو کسی ایسے مقصد پر محمول کیا جائے جو اس کے مقدس عزم اور عالی حوصلگی کے برعکس ہو، ابنائے زماں نے ہندوستان کی اس مایۂ ناز ہستی کو جس سے زیادہ گمنام شخصیت شاید ہی ہندوستان میں کوئی گذری ہو، تند خو، درشت طبع سمجھکر اس کے اصلی خط و خال کو نمایاں کرنے کے بجائے محض بے سرو پا مطاعن کی بوچھاڑ کرتے رہے، چنانچہ جن حضرات نے

تحریک آزادی میں حصہ لینا اپنے اجتہاد سے خلاف سمجھا، اور قید و بند کی مصیبتوں سے آزاد رہے، انھیں گورنمنٹ پرست اور نہ معلوم کتنے القابوں سے یاد کیا گیا، بہتوں نے تو خلاف فتویٰ دے کر یہ مصیبت خریدی اور کتنوں نے اپنے مواعظ کے ذریعہ ایک الگ راہ نکالنی چاہی، لیکن بحمد اللہ حضرت سید نے نہ تو فتویٰ دیا اور نہ وعظوں میں تحریک سے اختلاف فرمایا، بلکہ آپ اسی طریقہ پر رہے جو آپنے ابتداء سے متعین کر رکھا تھا، اور یہی وجہ تھی کہ گورنمنٹ کے آدمی ہمیشہ سفر و حضر میں آپسے خطرہ محسوس کرتے تھے، ۱۹۲۲ء کے قریب قریب ایک مرتبہ آپ ضلع اعظم گڈھ کا دورہ فرما رہے تھے کہ ایک شیعہ افسر انچارج نے کلکٹر ضلع سے شکایت کی کہ فلاں مولوی آیا ہوا ہے جس سے رعایا میں بدامنی وغیرہ کا بڑا خطرہ ہے اور نہ جانے کیا کیا شکایتیں کیں، جس سے صاحب کلکٹر نے حکم حاضری عدالت نافذ فرمایا، قصہ مختصر یہ کہ موضع انوک ضلع اعظم گڈھ کے رسالدار صاحبان کی سعی سے حضرت مولانا حاضر عدالت ہونے سے بال بال بچ گئے،

ہندوستان کی معزز جماعت اس مسئلہ آزادی میں آپسے برابر خط و کتابت کرتی رہی جس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا، افسوس کہ اکابر کے خطوط تو کسی قدر ملے لیکن ان کے جوابات نہ مل سکے، ایک خط حاجی عبدالرحمن صاحب رنگون کا مع جواب دستیاب ہوگیا ہے جو برائے افادہ ناظرین درج کیا جاتا ہے،

مرشدنا مکرمنا جناب مولانا صاحب دام عنایتکم   السلام علیکم مزاج مبارک

یہاں بفضلہ تعالیٰ و بدعاے آں والا سب خیریت ہے و خیر و عافیت جناب والا ہمیشہ درگاہ خداوند کریم سے نیک خواہاں و جویاں، عرض یہ ہے کہ ایک قطعہ خط خدمت والا میں بھیجا تھا جس کو عرصہ ۲۶-۲۷ روز کا ہوا مگر ابھی تک جواب سے محروم رہا، معلوم نہیں کہ خط آپ کو ملا یا نہیں؟ آپ مکان پر تشریف رکھتے ہیں یا نہیں؟ اس خط میں خلافت کمیٹی و ترک موالات کی نسبت لکھا تھا، اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے، اس میں شامل ہونا چاہئے یا نہیں؟ ہندو مسلم اتحاد کرنا چاہئے یا نہیں؟ مفصل حالات سے مطلع فرمائیے تاکہ رفع تردد خاطر ہو

فقط والسلام۔   (عبدالرحمن از رنگون)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسول اللہ

جواب از فقیر محمد امین عفی عنہ حسنی الحسینی۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، تحریرات آپ کی نسبت معاملاً مروجہ ہنود و مسلمان ہیں، سنو صاحب خدا پرست، بت پرست، بھلا ایک ہوسکتا ہے، قرآن و پران برابر ہوسکتے ہیں یہ گاندھی کی آندھی ہے جو کتنوں کو اڑالیجائے گی، ہاں اگر خلافت راشدہ کا سوال ہوتا یا خلافت بالنبوۃ استفسار ہوتا شرع شریف کا حکم دریافت کیا جاتا تو البتہ جواب دیا جاتا، اب تک کتنے خطوط طول و عرض سے اسی مسئلہ کے متعلق آئے ہیں، مسٹر محمد علیؒ صاحب وغیرہ کا خط آیا ہے میں نے صاف جواب لکھوا دیا کہ مجھے آزادی سے نہ کبھی اختلاف رہا ہے اور نہ اب ہے، طریق کار سے اختلاف ہے، میرا طریقہ میرے اسلاف اور خاندانی بزرگ حضرت سید احمدؒ کا ہے، میں نے جب سے ہوش سنبھالا اعلاء کلمۃ الحق میں کبھی باک نہیں کیا، جو لوگ فقیر کے وعظوں میں شریک رہے ہیں انھیں اندازہ ہوگا کہ فقیر نے انگریز و انگریزی کے خلاف کس طرح زبان کھولی ہے، جبکہ برملا گورنمنٹ انگلشیہ کو مخاطب کرنا دار و رسن کے مرادف تھا، بعون اللہ عدالت نصاریٰ میں جانے سے ہمیشہ پناہ مانگی اور معتقدین کے سینکڑوں معاملات شرع شریف سے طے کرادیئے، اب عدالت کہاں ضلالت ہی ضلالت ہے، برعکس نہند نام زنگی کافور،

والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ،

راقم الحروف کو اچھی طرح یاد ہے کہ ۲۲-۱۹۲۳ء کے لگ بھگ حضرت سیدؒ راجہ پور سکرور تشریف لائے تھے حضرت استاذنا المکرم مولانا عبدالرحمٰنؒ نگرامی نے جامع مسجد سکرور میں مذکورۂ بالا سوالات حضرت سیدؒ سے کئے تھے حسب عادت کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا بھائی مسلمانوں پر ایک مصیبت تو ہے نہیں، ان میں اتحاد اور پابندیٔ شریعت کی ازبس ضرورت ہے اور یہ سب سے مقدم ہے، ہاں مسلمان اور ہندو ایک ہوکر کام نہیں کرسکتے، ہندو چلنے نہ دیگا، پھر استاد محترم نے فرمایا کہ آخر کیا کیا جائے کہ انگریز ہندوستان میں نہ رہیں آپنے فرمایا کہ خدا سے دعا کرنی چاہئے کہ کوئی بڑی قوت ان کے مقابل اٹھ کھڑی ہو الخ

لہ افسوس کہ مولانا محمد علیؒ کا گرامی نامہ باوجود شدید جستجو کے نہ ملسکا،

ان چند سطروں میں حقیقتاً آزادیٔ ہند کی روح اور اس کا صحیح فلسفہ موجود ہے، آج تک کے تاریخی حالات شاہد ہیں اور واقعات گواہ ہیں کہ مولٰنا نے جو اشارات فرمائے تھے آج وہ کس طرح حرف بحرف صادق آئے حضرت سید کا مسلک یہ نہ تھا کہ سیاست اور مذہب کے دو الگ الگ بت بنا کر مخلوق الٰہی کو موت کے گھاٹ اتارا جائے بلکہ اس طرح کے سیاسی توغل کو آپ ہلاکت و تباہی کا پیش خیمہ سمجھتے رہے،

حضرت سیدؒ کا طریقہ بالکل نرالا تھا، ذرہ برابر خلاف شریعت دیکھنا گوارا نہ تھا، غیر معمولی جلال یا بالفاظ دیگر غصہ کی وجہ سے خود بھی کانفرنس اور جلسوں کی شرکت سے تا بامکان احتراز فرماتے تھے، ورنہ جاننے والوں اور عقیدت کیشوں کی کمی نہ تھی، برابر درخواستیں آتی رہتی تھیں جنکی تعمیل بہت ہی کم فرمایا کرتے تھے، قیام ندوہ کے ابتدائی زمانوں میں حضرت سیدؒ بھی مدعو تھے، بعض باتیں اپنے طریقہ کے خلاف پاکر ہمیشہ کے لئے شرکت ترک فرمادی، یہ داستان بہت ہی طویل ہے، میرے پاس حضرت مولٰنا محمد علیؒ ناظم ندوۃ العلماء کے فارسی خطوط نمبر ۳۳ ۲۳ و نمبر ۳۰۰۴ و نمبر ۲۰۹ از دفتر ندوۃ العلماء احاطہ کمال خاں کا تپورا اور اس کا جواب جو حضرت سیدؒ نے حضرت مولانا محمد علیؒ اور حافظ فصیح الدین صاحب کو دیا تھا بجنسہ محفوظ ہیں جنھیں آپکے مکاتیب کے سلسلہ میں مختصراً درج کر دیا جائے گا،

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب مرحوم بدایونی ناظم جمعیۃ علماء صوبہ متحدہ کے سنہ ۲۱و۲۲ء کے دعوتی خطوط بغرض شرکت جلسہ جس میں امام الاحرار مولانا ابوالکلام آزاد و شیخ الاحرار حضرت مولانا عبدالباریؒ اور جناب مولانا شاہ بدرالدینؒ امیر شریعت پھلواری وغیرہ اکابر قوم وملت کا اجتماع تھا، اور حضرت سیدؒ سے بھی شرکت کی باقاعدہ درخواست کیگئی تھی، علاوہ ازیں مولوی محمد رضا خاں مدرس مدرسہ انجمن اسلامیہ بریلی اور جناب مفتی محمد یوسف خونشی مولانا محمد عبدالحیؒ منصرم مؤید الاسلام فرنگی محل لکھنؤ اور حضرت مولانا عبدالباریؒ وغیرہ کے خطوط کی ایک طویل فہرست ہے، جسے بخوف طوالت نظرانداز کیا جاتا ہے ع

گر نویسم شرح آں بے حد شود

بہر حال حضرت سیدؒ مسئلہ آزادی اور ترک موالات کے متعلق اپنی خاص رائے رکھتے تھے، چنانچہ گو مریدین اور قریشیوں کی شجاع اور بہادر قوم کو ہزاروں کی تعداد میں آڑے وقتوں کے لئے تیار کر رکھا تھا، ملتان، بنارس، کلکتہ، بمبئی، رنگون، ہمیمیو وغیرہ کی چھاؤنیوں میں آپکے معتقدین کی کافی تعداد ہمیشہ رہا کی ہے، کیا ان اشارات کے اندر ارباب حل وعقد کو کسی خوش آیند مستقبل اور آزادیِ ہند و تمکن فی الارض کا سراغ نہیں ملتا؟ افسوس،

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

مکاتیب اور ذکر دارالعلوم ندوۃ العلماء

حضرت سید کی اصلی زبان عربی اور فارسی تھی، اردو جس نے آج عالمگیر حسن قبول حاصل کر لیا ہے اور ترقی کے اس زینہ پر جا رہی ہے جو مشکل سے کسی زبان کو ہندوستان میں حاصل ہے ہندوستان کا ذرہ ذرہ اردو زبان سے متاثر ہے اور روزانہ نہ جانے کتنی ترکیبیں، نو بنو محاورات مستعمل ہوتے جا رہے ہیں، با ایں ہمہ حضرت سید اس زبان سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے تھے، موصوف اپنے مواعظ اور عام گفتگو اور خط وکتابت میں عربی اور فارسی کی کثیر آمیزش کے ساتھ ایسی اردو بولتے تھے جس کا سمجھنا بسا اوقات دشوار ہوتا تھا، زمانہ بدل چکا تھا لیکن حضرت سیدؒ نے اپنی اس قدامت پرستی میں نہ کوئی تغیر کیا اور نہ کرنا چاہا، مقفع اور مسجع عبارت کا استعمال جو ایک زمانہ میں محمود تھا آپ اس کے آخر تک پابند رہے، آپ کے مکاتیب کی تعداد بہت زیادہ ہے، جن میں سے چند کے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں،

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسول اللہ، از فقیر محمد امین عفی عنہ حسنی الحسینی،

(۱) بمقتدائے ارباب تجرید رئیس اصحاب تفرید جناب مولنا سید محمد علی صاحب ناظم ندوۃ دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

مبرہن رائے زریں باد، نامہ نامی ومکاتبۃ گرامی نمبری ۲۰۹۸ و ۳۴۳ ۲۳ یکے بعد دیگرے مرقومہ بفاصلہ تلک عشرۃ کاملہ . . . بجولانگاہ رو نمودہ بقراطیس تبدونہا وتخفون کثیرا وعلمتم

مالم تعلموا چہرہ وصول درخشانیدہ بمضمون واحدہ متحدہ اتحاد صوری تابیدہ عہرانجا، گردیدہ سرور ظہور بخشیدہ
. . . . بطلب فضیلت منزلت وبارسال نامہ متضمن جلسہ دستار بندی وجلسہ
ندوۃ العلماء کہ از معاینہ تحریر دلپذیر ولولہ دردہا بانگ واشوقاہ از جہاں برزبان می جوشد
واز ہمدردی قومی واتفاق ہمجنسی وہم مذہبی ومشربی . . . . تار بنام نامی وباسم حافظ
الٰہی بخش صاحب گرامی دادم تار تار درہم برہم رفت، من بعد بوقت آخر بسواری ریل براہ لکھنؤ
درکتب کانپور رسیدم . . . . . بکوٹھی ولایت علی پاسے شب کہ باقی ماندہ خدا خدا نمودہ
وارد وصادر در جماعت خفتہ وخاصہ نہفتہ کہ سربالیں از پائین باہمی ممتاز نبود بساط ساختم وبسوز وسنا
دم بخود فرو رفتم بامدادان مسجد جستم یافتم آنچہ یافتم نہ التزام صلوٰۃ نہ لزوم جماعت . . . .
مساجدهم عامرة وهي خراب من الهدى اے ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی
از ہر سو نوید حقہ کسی واد خنہ نوشی مسموع ومرفوع ومژدہ حق گوئی ویاد الٰہی وصدائے ربنا اللہ و
نداء حسبنا اللہ کمتر وذکر فی اللہ والی اللہ کبریت احمر . . . . . .
آغاز کار روائی خلاف مشتہر در نظر جلسہ علماء نام نہادہ . . . . ساعتے
آئینہ از نیشت خانہ ساختم وسر بجیب رفتہ دم سرد برآوردہ نظارہ کناں سمت مولوی خلیل الرحمٰن
صاحب سہارنپوری ومولوی فتح محمد صاحب تائب لکھنوی اشارہ تہا کردم معذرت سکوت و
صموت ورزیدند . . . . ناچار تاب ضبط نیاوردم صدائے خاموشی بصوت جہیر
بلند کردم والا صدر انجمن کہ قرار دادِ قوم بودند فرصت پنج دقیقہ طلب نمودم وبہ پیرایۂ ولتکن
منکم آئیہ حسرتا کہ این جلسہ علمائے نام نہاد بہ ندوۃ العلماء، نہ مشاعرہ وجلسہ شعرا عوام وخواص منتظر
ہستند کہ مجمع قدوۃ الدین وجلسۂ خلاصۃ العالمین ست . . . . حالتے دیگر پیدا شد کہ
دستار بندی فضیلت بلا عبارت خوانی ودرک لیاقت وقابلیت بر کسی کہ خواستند بستند وسند

خواندند دراں بجز درج معقول نامعقول غیر از تجرید وافق المبین و قدیمہ و جدیدہ و شفا و شرح اشارات چیزے از العلم ثلاثۃ آیۃ بینۃ او سنۃ قائمۃ او فریضۃ عادلۃ نبود ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مکتوب ہذا اور آیندہ کے مکاتیب سے یہ اندازہ ہوگا، کہ حضرت سیّدؒ اپنے مسلک و مشرب میں کس درجہ سخت اور محتاط تھے اور مقام عزیمت میں وہ مرتبہ رکھتے تھے جو بمشکل ہی آج کسی کو حاصل ہو، ان خطوط کے سرف حرف میں مذہب کا وہ درد پایا جاتا ہے، جو آج بدقسمتی سے مفقود ہے اور جسے ملائیت اور جمود سے یاد کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ وہ مکاتیب ہیں، جنمیں اسلاف کبار کا پورا پورا رنگ موجود ہے، حقائق و معارف کا اندازہ تو وہی کر سکتے ہیں جن کی نظریں بلند اور مطالعے وسیع ہیں،

۲۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسول اللہ،

از فقیر محمد امین عفی اللہ المتین حسنی الحسینی،

بحافظ صاحب معین دین حافظ فصیح الدین صاحب زاد اللہ محبتہ فی الدین، السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ واضح و لائح باد جہت تسطیر ایں چند سطور کہ نامہ عنایت نما معمولی از نظامت ندوہ منجانب مولوی محمد علی صاحب ناظم بنام ایں ناکارہ انام چنانچہ سال گذشتہ و عام پیوستہ ہم بعموم ملفوف و نفاذ خصوص رسیدہ بعد بنا بر رسائی مجلس و حاضری محفل منعقدہ ہذا العام ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ می فرماید من عمل بما یعلم فھو اعلم الناس ومن ترک العمل بما یعلم فھو الجاھل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ در بزار منقول است از آنحضرت صلعم مثل الذی یعلم الناس وینسی نفسہ مثل الفتیلۃ تضیٔ علی الناس وتحترق نفسہ "پس دیدہ باید کہ ازیں اجلاس چہ غایت بود کہ طریقۂ تعلیم و طرز تعلیم و ترقی علم و علوم اسلامیہ ہمیں کہ انگریزی نیز درج مدرسہ فیض عام و فلسفہ و علوم حکمیہ در اشاعت و تفسیر و حدیث و در درس و تدریس بقلت حیف باشد و اشاعت سینہ مرضیہ و ملت خلیفیہ خیر الانام علیہ السلام را کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اسبال ازار درار سال و لحیہ تراشیدہ و شوارب گذاشتہ و تشبہ کفار در اکثرے شرکا رجلسہ . . . .
دخیل کار ندوہ شدہ . . . . العیاذ باللہ . . . .

(۳) بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ و نصلی علی رسول اللہ،

از فقیر محمد امین عفا اللہ المتین حسنی الحسینی،

بہ کامرانی جاودانی مالوف و شادمانی صاحب دلانی معطوف میاں عبد الرؤف صاحب موصوف
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ و علی من لدیکم و بین یدیکم متنازلہ علینا
والیکم، مکشوف قلوب خاشعہ راغبہ بر منشیر نامہ تحریر کیمرا از قطمیر بہ تہنیت
تحیت بہ بشارت سنت بمشام خوش دماغاں، چراغاں، بہ آئینہ رو نمایاں، جلوہ جناں نہاں تاباں
واشرقت الارض بنور ربھا درخشاں ہویدا و پیدا . . . . . . مکاتبہ محبت
خیز و مکالمہ الفت ریز رسید و بوسید . . . . . بمعاینہ منشور کرامت نشور وان تعدوا
نعمت اللہ لا تحصوھا شیفتہ و فریفتہ . . . . . . زمانہ قحط الرجال ہر کس
بخیال طریق نبوی کما ینبغی خال خال . . . . چوں حباب بر آب و ہمیں ہمہ
مانند سراب کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمان ماء . . . . یا پابند عیال
یا گرفتار جاہ و جلال یا در بند قیل و قال رسائی چنیں جوانمرداں محال حسب ہدایت حال پراگندہ
بال خام خیال واللہ اعلم بحقیقۃ الحال والمآل، وما ادری ما یفعل بی ولا بکم صدائے
گوناگوں و ندائے بوقلموں نارہ بے چون و بے چگوں طشت از بام در کافۂ انام با علی ندا استجیبوا
لربکم من قبل ان یاتی یوم لا مرد لہ من اللہ . . . . پس بلند بانگ بلند
الم یأن للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ بگوش ہوش سماع و استماع . .
. . . با وجود تنبیہ نبیہ موجود و راشرف موجود ایحسب الانسان ان یترک سدی، از خواب

غرور ولا یغرنکم باللہ الغرور، بیدار بیدار نہ گرفتار نہ گرفتار . . . .
بقائد توفیق صمدانی، زہے وخہی وچہ جند امرحبا وخوشا زمانی وآوانی کہ صاحبدلان علم وعمل واہل
عرفان اکمل واجل . . . . . . سابقہ عنایت تا بدو بردارد، عجب دور پرشور . . . .
کہ عندلیبان چمن احمدی وبلبلان گلشن محمدی . . . . . . نہ باقی ماندہ نہ ارباب
صادق واصحاب موافق نہ ساقی ودرگذاشتہ . . . . . . برخلاف طبائع دیار کہ معیار
حق بسیار شدہ شدہ نا آشنا گشتہ ورراہ حق گم کردہ . . . . . . وان ھذا صراطی
مستقیما فاتبعوہ، فروگذاشتہ طرق وسبل ولا تتبعوا السبل الخ پیمودہ . . . . . .
دور افتادہ زود رنگی ہمچو زنگی قبول نمودہ . . . . . وکمر محکم پیوستہ گسستہ شکستہ آں خانہ
خراب کہ اموختہ درباختہ . . . . بیعت کردہ ارتداد ساختہ . . . . . چونکہ تبلیغ
واظہار بتکرار بجہد تحریر وجد وجہد تسطیر چار و ناچار در کوے دلدار . . . . باعانت وامداد
الٰہی عازم جازم . . . . دفع اضلال ورفع واطفار نار گمراہی فی یدہ استقامت ورزیدہ . .
. . . . . وفرمودہ او تعالیٰ است بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ
فاذا ھو زاھق . . . . . . ع

علم سوے در الٰہ برد | نہ سوے نفس ومال وجاہ برد
عمرے است کہ بلبل چمن نغمہ سرا لیست | رہ نیست دریں باغ مگر دین خدارا

تاریخ روانگی از عقب انشاء اللہ تعالیٰ معلوم خواہد شد۔ بجمیع کرمفرمائے مخلصان ساکنان دیار
سلام مسنون، ہمراہیان قافلہ فقیر سلام سنت الاسلام می رسانند،

یہ مکتوب سامی اس وقت کا ہے جب کہ بعض نام نہاد اور فتنہ پرور مولویوں نے اطراف اعظم گڈھ بالخصوص
راجہ پور سکرور وغیرہ دیہاتوں میں جمعہ بند کرنے کا پورا ارادہ کر لیا تھا اور باقاعدہ کام شروع ہو گیا تھا کہ بھائی

منشی عبدالرؤف صاحب قبلہ و دیگر حضرات نے حضرت سیّد کے پاس خط روانہ کیا کہ ایسا ایسا معاملہ ہے آپ تشریف لائے، اور اطراف میں مسئلہ جمعہ فی القریٰ پر عالمانہ اور مجتہدانہ بحث فرمائی اور عرصہ تک اسی موضوع پر برستے رہے، مگر کسی مدعی علم کو جرأت نہ ہوئی کہ مدمقابل آتا، معاندین نے تار پر تار دیئے لیکن ہر جگہ ناکامی رہی، چنانچہ مرکز اعلیٰ نے صاف صاف لکھدیا کہ مجھے اس خاندان سے عقیدت ہے نہیں آسکتا، اسی وعظ کے متعلق استاذی مولانا عبدالرحمٰن نگرامی مرحوم نے فرمایا تھا کہ میں نے اس موضوع پر ایسا عالمانہ اور مجتہدانہ وعظ نہ سنا اور نہ شاید اب سننے میں آئے، جس کا یہ اثر ہوا کہ یہ فتنۂ عظیم ختم ہوگیا، اسی وعظ کے ختم پر جناب حاجی صدر علیصاحب مرحوم رئیس ہمئی پوری وغیرہ نے اپنے خیال سے علی الاعلان رجوع فرمایا، ہمئی پور ضلع اعظم گڈھ کا ایک مردم خیز گاؤں ہے، حضرت سیّدؒ کو وہاں جانے کا کئی بار اتفاق ہوا تھا، جناب حاجی صدر علیصاحب رئیس مرحوم آپ کے سچے معتقد تھے،

(۴) یہ مکتوب گرامی مکتوب نمبر ۳ کی طرح ایک طویل اور اسرار و معارف سے پُر ہے بخیال طوالت مختصراً درج ذیل ہے،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۞ نحمدہٗ و نصلے علیٰ رسول اللہ،

از فقیر محمد امین حسنی الحسینی،

بخدمت مجمع محبت و عنایت حامل قرآن ربانی قاری کتاب صمدانی تالی فرقان یزدانی پیش امام جماعت اہل سنت والجماعت مسجد جامع سکرور دربار گاہِ احد حافظ عبدالصمد صاحب و بجامع اخلاق و مخزن وفاق رفیع جناب مولوی محمد شفیع صاحب و بہ منبع جود و سخا و سرگروہ انبوہ گروہ حق پژوہ ناشر احکام فی اللہ و الی اللہ جناب شیخ نصر اللہ معالج نیاوج و بقدر دانان حافظ حبیب اللہ ساکنہ گھنی و حافظ عبدالجلیل و شیخ محمد وصاحبان ساکنہ موضع دینا پارہ و جناب مولوی عبدالاحد سلمہ اللہ الصمد منجیر بتی حفظکم اللہ قدرًا و منزلاً، السلام علیکم و علی من عندکم

ورحمة الله وبرکاته علیکم واضح لائح قلوب خاشعه راغبه . . . . . . ه

از بهر فساد و جنگ بعضے مردم　　گردند بکوے گمرهی خود را گم

در مدرسه هر علم که آموخته اند　　فی القبر یضرهم ولا ینفعهم

موانع نور معرفت و پردهٔ غفلت سرور غرور . . . . بوجوه چند در چند روزے چند . .

. . . بوالهوسی و خود پسندی و خود بینی و خواهش نفسانی و سخن پروری و دنیا طلبی در کوشش و

پوشش در خورش و روش و سازش و در نمود و نمایش و آرایش پیرایه ساده لوحان بوالهوسان شهوت

پرستان دنیا طلب گاران، نه دانش و بینش دانشمندان خدا جویان و قران خوانان و دوستداران

نبی آخر الزمان و پیروان سنت حبیب رحمان وصحابه سید الانس والجان علیهم الصلوٰة والسلام

الف الف تحیة وسلاما بعدد الانام . . . . . . الحاصل ایں عاجز و ناتوان پر عصیان

و ناکاره خطا کار گنه گار شرمسار امیدوار غفار و ستار و بخشش و آمرزش آمرزگار نه قطب شمال نه جنوب

نه ناصر نه منصور نه شبلی نه جنید کترین محمد امین محمدی دیناً و حسنی الحسینی نسباً و حنفی مذهباً و نقشبندی مشرباً

و عربی وطناً و من النبی الامی العربی ارثاً و ورثاً . . . . بعونه و فضله و نواله و منه و کرمه عازم

انشاء الله تعالی عنقریب در خدمت لبیب بخدمت گذاری قوم . . . . ماشاء الله . ه

بجاے نغمهٔ نے صوت دلکش حافظ　　بجاے جرعهٔ مے بادهٔ محبت دوست

بخدمت مجمع محبت منشی عبد الصمد و حافظ محمود الحسن و منشی عبد الستار و میانصاحب رعایت حسین

و عبد الرؤف و حافظ میاں نجم الدین سلمه و موذن حاجی اشرف و حاجی سخاوت و عبد العزیز و حافظ

عبد الوحید و حاجی شیخ اشرف و محمد اسمٰعیل و شیخ عبد الصمد پوربٹی و منشی محمد سلیم و حافظ فضل کریم

جماعت سیدها و حافظ عبد الحمید و محمد جنید جماعت نیاوج، صاحبان و جمله مصلیان مسجد و طلبه مدرسه

سلام مسنون بصد شوق مقرون باد ،

۵ - مکتوب بنام مولنا عبد الحق ملتانی   بسم اللہ الرحمن الرحیم ، نحمدہ ونصلی علی رسول اللہ

از امیر الذنوب والعیوب ، امیر الزنبور والبعوض فقیر کمتر از قطمیر غیر ماکن ابو المحاسن بی تمکین محمد امین عفی اللہ المتین حسنی الحسینی ، بخدمت ناصر نصر رایت ہدایت گہر علم علم فراست وفطانت مہر انوار حق جناب مولوی عبد الحق سلمہ اللہ المنان عصمہ من شین الزمان اصلح اللہ بالہ وحالہ وقالہ واصابہ من العرفان فی الجنان وامتلا اللہ بالحظ الوافر بالاستنان ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ وعلی سائر من کان من السنۃ والجماعۃ اما بعد بفحوای الارواح جنود مجندہ ، . . . .

یذھب الصالحون الاول فالاول وتبقی حفالۃ کحفالۃ الشعیر الخ . . . .

ان اصحاب محمد صلی اللہ صلعم مضوا ولم تنقصھم الدنیا بشئ وانا اصبنا من الدنیا مالا نجد لہ موضعا الا التراب . . . . . . انکم لتعلمون اعمالا ھی ادق فی اعینکم من الشعیر ان کنا نعد علی عھد النبی صلعم من الموبقات الخ . . . . محض حسن ظن ہے ، قدر داں کا ورنہ من آنم کہ من دانم وما ادری ما یفعل بی اپنی مثل تو یہ ہے ، ؎

قدم نامبارک و مسعود   گر بدریا رود برآرد دود
شرم می آیدم از خرقۂ آلودۂ خویش   کہ بدیں فضل و ہنر نام کرامات بریم

(۶) مکتوب بنام مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہ موضع سیدھا سلطانپور اعظم گڈھ ،

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ نحمدہ ونصلی علی رسول اللہ ،

از فقیر محمد امین حسنی الحسینی بمجمع محبت ومودت مخزن الفت وفضیلت مولوی محمد شفیع صاحب زاد اللہ محبتہ فی اللہ واطال اللہ قدرہ ومنزلہ ، السلام علیکم وعلی من لدیکم من متبع السنۃ مبرہن باد بنہ وکرمہ جامہ حیات در بر و کلاہ ، ثبات بر سر نامہ الفت آلود محبت

آمو د بعد مرور د ہو رہا در ہوا . . . . حسب الطلب ملتان گیا بخیریت واپس آیا . . . .

رجسٹری آپ کی دورہ کرتی پرتاب گڈھ پہنچی . . . . بعد عید فطر آپ کی سمت

انشاء اللہ تعالیٰ حسب الطلب روانہ ہونگا، بھائی حضرت سید ضیاء النبی صاحب مدظلہ مکان

ہی پر مقیم ہیں . . . . بنا بر احیاء سنت و تعمیل ارشاد رب العباد و بنا بر اصلاح

قومی و برادر دینی بذریعہ قال اللہ وقال الرسول . . . . بتوفیق رفیق کمربستہ . . . .

بخدمت سائر اہل ایمان و متبعین سنت نبی آخرالزماں خصوصاً جناب عبدالمجید خانصاحب و

جناب محمد خلیل خانصاحب جماعت ٹرہرپا سلام مسنون بوحدت مضمون مشحون باد . . .

(۷) مکتوب بنام حضرت مولانا سید محمد امینؒ ، یہ خط برائے افادۂ ناظرین درج کیا جاتا ہے تاکہ

اندازہ ہو کہ جونپور کے اس خانوادۂ علم و معرفت سے حضرت سیدؒ کو کیا تعلق تھا، افسوس یہ ہے

کہ حضرت سیدؒ نے باوجودیکہ جونپور میں ابتدائی عمر عزیز کا بیشتر حصہ ختم کیا تھا، گر وہاں کے حالات

سے مجھے آگاہی نہ ہو سکی، حضرت مولانا ابوبکر محمد شیث ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے

بہت سے خطوط میرے پاس موجود ہیں، جس کے ہر ہر لفظ سے تعلقات کا کافی سراغ

لگتا ہے، چنانچہ موصوف نے حضرت سیدؒ کو "عم محترم استاذی حضرت مولانا سید امین صاحب

قبلہ" وغیرہ کے القابوں سے یاد فرمایا ہے، اس موقع پر آپکے والد ماجد قبلہ کا ایک مکتوب

گرامی پیش کر دینا مناسب ہے،

مکتوب گرامی جناب مولانا محمد مکیؒ جونپوری،

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ جناب مولانا المعظم حضرت سیدی مولوی سید محمد

امین صاحب زید کرمہ ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، والا نامہ پایا مسرور ہوا، آپ کا

حکم فوراً تعمیل کیا . . . . مقدمہ چل رہا ہے دعا میں زور لگائیے خدا کامیاب کرے مخالفین

کا بڑا زور ہے، مجھ پر جرح ہو رہی ہے، اللہ پاک پار کرے، ۱۲؍ رجب ۲۱ھ پہنچا،

صبت علی مصائب لو انہا صبت علی الایام صرن لیالیا

یکم نومبر ۱۹۰۳ء یوم یکشنبہ کو قاضی شمس الہدیٰ مرحوم نے بمقام غازی پور وفات کیا، آج شب کو حافظ محمد مرحوم نے بمقام منڈیا ہو وفات کیا، انا للہ الخ اللہ پاک صبر کی عطا فرمائے والسلام آپکا سچا خادم نادم ابو الخیر محمد مکی از منڈیا ہو ۱۳ ؍ نومبر ۱۹۰۳ء جمعہ،

مولوی محمد شفیع صاحب ساکن سیدھا اور مولوی اسد اللہ ساکن چپارہ آپ کو سلام عرض کرتے ہیں، گواہ ہو کر ہمارے آئے ہیں . . . . مگر یہ کہ آپنے جو چار طالب العلم کو لکھا ہے سو وہ مکان پر روانہ کئے جائیں یا جب آپ ضلع اعظم گڈھ کا قصد فرمائیں تو یہاں سے ساتھ ہونگے،

لال بہادر خاں عربی شروع کرینگے، محمد حسین نحو میر و صرف میر پڑھتا ہے

عبد العزیز خاں ״ دین محمد صرف و نحو میر پڑھتا ہے

مولوی محمد شفیع صاحب آپ کے پاس جانے کو تیار تھے مگر اس وقت آپ سفر میں تھے ہم نے روک دیا کہ کہاں جائے گا پھر دوبارہ جرح کے لئے آئے ہیں، محمد یوسف و نبو خاں صاحب ساکن بڈہریا و شیخ محب علی ساکن نونا روی جو میرے گواہ ہیں سلام مسنون عرض کرتے ہیں،

۸ ۔ مکتوب جناب مولانا محمد ادریس صاحب مرحوم نگرامی،

بجالیخدمت مولانا المکرم جناب مولوی سید محمد امین صاحب متع اللہ المسلمین بطول بقائکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، باعث سامعہ خراشی یہ ہے کہ بہ تحریک جناب مولانا مولوی سید محمد علی صاحب ناظم ندوۃ العلما، میرا ارادہ ہو کہ اکابر علمائے حال کا ذکر ایک تحریر مستقل میں درج

کروں تاکہ شائقین کو ہر طرح سے واقفیت حاصل ہو جائے لہٰذا خدام عالی امور ذیل بتفصیل تمام قلمبند فرماکر اپنے دستخط و مہر سے مزین کر کے خاکسار کے پاس ارسال فرمائیے، (۱) اسم مبارک مع ولدیت (۲) مقام ولادت (۳) مسکن (۴) تصانیف (۵) مذہب (۶) خیالات امور مستفسرہ کی تفصیل میں کسر نفسی وہضم کو دخل نہ دیجئیگا، اس لئے کہ تفصیل کا اجمال موجب ملال ہے اور نیز تحریر جواب میں تاخیر نہ ہو کیونکہ ندوہ کی غرض اس سے بہت متعلق ہے، والسلام،

(الراقم محمد ادریس خادم ندوۃ العلما راز مقام نگرام ضلع لکھنؤ ملک اودھ)

کرامات اولیاء اللہ اور حضرت سید کے چند واقعات

طبائع انسانی کی تخلیق ایسے عناصر سے واقع ہوئی ہے کہ وہ بدیہی مسائل میں بھی مختلف راہیں اختیار کرلیتی ہیں، بلکہ سچ پوچھئے تو عالم کون وفساد کا سارا ہنگامہ افتراق اسی افراط وتفریط ہی پر مبنی ہے، تو عام فہم انسانی سے بالاتر اور مافوق العادۃ حقائق کی تسلیم وانکار میں اصحاب قیل وقال کیونکر کسی ایک مرکز خیال پر متحد ہوسکتے ہیں، کشف وکرامت کی حقیقت ہمیشہ سے ایسی زیر نقاب رہی ہے کہ ایک گروہ نے مادہ پرستی کے زور میں کرامت کو ایک لفظ بےمعنی اور کذب وبہتان کے مرادف قرار دیدیا، لیکن عالم کا بڑا حصہ عوام پر مشتمل ہو جنکی دنیائے اعتقاد ایک لامحدود وسعت رکھتی ہے وہ ہر اس مفتری کو اولیاء اللہ اور حزب اللہ کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں اور اپنی متاع اعتقاد کو ان کے آستانہ عظمت وجلالت پر نثار کر دیتے ہیں، جو بظاہر کسی کرامت کا مالک ہو، اگرچہ نظام شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو، ناچ رنگ اور نغمہ وشراب دن رات کا مشغلہ ہو، زبان فحش گوئیوں اور افترا پردازیوں سے ملوث ہو، لیکن اگر وہ پانی پر بلاتکلف چلنے لگے تو پھر شریعت الٰہی کے سارے اوامر ونواہی سے آزاد ومستثنیٰ ہو جاتا ہے، بلکہ اس کی ہر ایک حرکت جس سے مذہب بیزار اور جس پر عقل ملامت کناں ہو در اصل تقرب الٰہی کا بڑے سے بڑا راز اپنے اندر پوشیدہ رکھتی ہے، جسے نہ تو

شریعت کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں، نہ عقل کی پرواز ہی اس کنہ تک پہنچ سکتی ہے۔

کرامت اولیاء سے کبھی بھی انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن ولایت کا جو مفہوم عام ذہنوں کا مسجود بنا ہوا ہے وہ یقیناً دین الٰہی کے نزدیک ضلالت اور کھلی ہوئی گمراہی ہے، کرامت کا صدور نہ تو ولایت کی شرط ہے، اور نہ اس کی دلیل، قرآن حکیم نے دو لفظوں میں ولایت ربانی کی صحیح اور مکمل تصویر کھینچ دی ہے،

"اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ"

اس اجمال میں ولی اللہ کی جو جامع ومانع تعریف کردی گئی وہ مزید شرح وبسط سے بے نیاز ہے، ایمان واتقا کے آئینۂ حق نما میں ہر انسان کی ولایت کا صحیح عکس دیکھا جاسکتا ہے، یہاں نہ کشف کی ضرورت ہے نہ کرامت برہان فضیلت، پھر دوسری جگہ ارشاد رب العباد ہوتا ہے، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ، یہاں بھی تقوی معیار تقرب الٰہی قرار پایا اور تقوی یہی ہے کہ انسان اللہ کی دی ہوئی بصیرت کے ساتھ اوامر کا امتثال اور منہیات سے اجتناب کرے، خدا کا ولی وہی اور صرف وہی شخص ہوسکتا ہے جو فرائض تو درکنار نوافل کا شدت کے ساتھ پابند ہو، خدمت خلق کا متوالا ہو، اللہ کے بھیجے ہوئے اور رسول کے بنائے ہوئے ایک ایک حکم کی اتباع میں روحانی لذت محسوس کرتا ہو، قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، اس لئے بلا تردد کہا جاسکتا ہے کہ علمائے ربانی جو کتاب وسنت کے سچے پابند تھے آج بھی دنیا میں موجود ہیں، اور وہی اولیاء اللہ ہیں، حضرت امام شافعیؒ کا یہ قول کس قدر معنی خیز ہے جس کو صاحب ریاض المرتاض نے نقل فرمایا ہے کہ "اگر علماء اولیاء اللہ نیستند پس خدارا کدام ولی بود" یعنی اگر علماء خدا کے دوست اور ولی نہیں ہیں تو پھر کون اس کا ولی ہوسکتا ہے، یہیں سے یہ فرق بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جن حضرات نے درس وتدریس علوم کتاب وسنت کو اپنا مطمح زندگی قرار دیا ہے انہی کو عالم اور علماء کے زریں لقب سے یاد کیا گیا ہے اور جن حضرات نے محض اعمال صالحہ وتزکیۂ نفس وصفائے باطن وحسن نیت وصدق مقال

واکل حلال ہی تک محدود رکھا انھیں صوفی کے نام سے موسوم کیا گیا، ورنہ عالم اور صوفی وولی سب ایک ہی اصل کی مختلف فرع ہیں، عباراتنا شتی وحسنك واحد،

حدیث ذیل نے اس حقیقت کی پورے طور پر نقاب کشائی کردی ہے،

"مجھ سے تقرب حاصل کرنے کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی کہ بندہ میرے فرائض ادا کرے، نوافل کے ذریعہ میرا بندہ مجھ سے برابر قریب تر ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں"

ولایت کا جو مفہوم کتاب وسنت نے بیان کیا ہے نہ تو اس میں کرامت کی شرط لگائی نہ ظہور خوارق کی، ہوا پر اڑنا، آگ پر چلنا، ماضی ومستقبل کے حوادث کی خبر دینا ہی اگر سند ولایت ہے تو ساحروں اور کاہنوں سے بڑھ کر نہ تو کوئی ولی ہو سکتا اور نہ پارسا، ہاں اس سے کوئی ذی عقل اور صاحب بصیرت انکار نہیں کرسکتا کہ جب سحر وکہانت جیسے علوم سفلیہ میں اتنی طاقت ہے تو وہ نفوس ذکیہ جن کا کاشانہ علم وعمل مشکوٰۃ نبوت سے مستنیر ہو کیوں نہ ایسے امور پر قادر ہو سکیں، چنانچہ قرآن میں جو قصہ سلیمانؑ اور ملکۂ سبا کا مذکور ہے عفریت کے مقابل جس صاحب کرامت نے تخت لانے میں سبقت حاصل کی وہی تھا جو علم شریعت کی بدولت اور روح عالی کا مالک بن چکا تھا "قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ"۔

ایک سوال یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے بجائے اس معجزہ کا صدور ایک دوسرے شخص کے ذریعہ سے کیونکر کرایا گیا؟ یہ ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہی کام خود آنحضرت یعنی سلیمانؑ سے بھی لے سکتا تھا، مگر جب اس نے ان کے بجائے ایک دوسرے شخص کو اس کے لئے انتخاب کیا تو ضرور ہے کہ اس میں بھی کوئی مصلحت ہو، میں یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا مگر غور کرنے سے جو مصلحت میری سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں "جن" کی قوت نامیہ اور انسان کی قوت علمیہ کا فرق ظاہر کرنا مقصود تھا، انسان اگرچہ قید جسمانی میں رہ کر اپنی محدود مادی طاقت سے کوئی فوق العادۃ کام نہیں کرسکتا اور اس حیثیت سے جن کا وجود

ناری اس وجود خاکی سے بہت زیادہ قوی ہے لیکن جب علم کتاب کی قوت انسان کے ساتھ ہو تو وہ تمام طاقت والوں سے بڑھکر طاقتور ہو جاتا ہے، اس قوت علمیہ کا مظاہرہ اگر پیغمبر کے ذریعہ کرایا جاتا تو اس شبہہ کی گنجائش نکل سکتی تھی کہ پیغمبر تو جن و انس میں سب سے افضل ہے ہی، اس کی فوقیت اگر ثابت ہو گئی تو اس سے بشر من حیث البشر کا علمی تفوق ظاہر نہیں ہوا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک معمولی بنی نوع انسان سے اس علمی طاقت کا مظاہرہ کرا دیا تاکہ یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جائے، ادنیٰ شبہہ بھی باقی نہ رہے[1]۔

صدر اول کے ائمہ ایمان و عمل سے بھی جن کی عظمت و رفعت کے سامنے دنیا کی تاریخ ولایت سر جھکا دیتی ہے ایسی بیشتر کرامات کا سراغ ملتا ہے، مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تھوڑے سے کھانے میں مہمانوں کی ضیافت کی اور کھانے کے بعد پہلے کی بہ نسبت دوگنا سہ گنا کھانا باقی رہا، حضرت عمرؓ منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ یکایک فرمانے لگے "یا ساریۃ الجبل یا ساریۃ الجبل" صحابہ کرام کرامؓ حیرت و استعجاب سے ایک دوسرے کا منھ تکنے لگے بعد کو اس ابہام کی تفسیر معلوم ہوئی کہ ساریہؓ اسلامی فوج کا سپہ سالار غنیم کے نرغہ میں آگیا تھا، اعداء کے ہجوم نے نجات کی راہیں بند کر دی تھیں کہ یکایک حضرت عمرؓ نے ان آنکھوں سے دیکھا اور اس زبان سے اسے پہاڑ کی پناہ لینے کا حکم دیا جس سے ہماری ناسوتی آنکھیں اور زبانیں کوئی نسبت نہیں رکھتیں، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء"۔

بہت سے ایسے واقعات خاصان امت کی نسبت بطریق صحیح مروی ہیں جن میں مزخرفات کا شائبہ نہیں، لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ یہی افعال نادرہ ان بزرگوں کی ولایت اور جلالت شان کی سند ہیں،

لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کشف و کرامت کا شمار ناموس فطرت کے لحاظ سے جب خوارق میں ہوتا ہے تو ظاہر ہے ہر صاحب کرامت ایک غیر معمولی روحانی طاقت کا مالک ہوگا جس تک دوسرے انسانوں کی دسترس نہیں اور یہ روحانی ارتقاء بغیر تقرب الٰہی ناممکن ہے، لہٰذا ہر صاحب کرامت کا ولی اللہ ہونا ضروری ہے، اور یہیں سے یہ مشکل بھی حل ہو گئی کہ جب شریعت کی تعلیمات

[1] ترجمان القرآن بحوالہ ہند،

کا منتہائے غایت یہی ہے کہ روح انسانی ذات خداوندی سے قریب ہو جائے تو ولی کے لئے شریعت کے ظواہر کی پابندی ضروری نہیں لیکن یہ ایک مغالطہ ہوگا، ولایت اور اتباع شریعت دونوں دو چیزیں نہیں، ولی کی جو تعریف اوپر بیان کی جا چکی ہے، اس سے اس زعم باطل کی اچھی طرح بیخ کنی ہوتی ہے، رہ گیا نفس کرامت کا صدور سو اس کے متعلق متبع شریعت و شناسائے راز طریقت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے جو طریقہ وسطی اختیار کیا ہے میرے نزدیک سب سے زیادہ اقرب الی الحق ہے، ناظرین رسالہ مجذوب خاص طور پر مطالعہ فرمائیں، ہاں اگر وقت نے مساعدت کی تو حدیث قدسی "من عادی اولیاء اللہ فقد اذنتہ بالحرب" کی شرح میں اس حقیقت کو تفصیل سے پیش کیا جائے گا کہ لفظ اولیاء کا مفہوم کتاب و سنت نے جو متعین فرمایا ہے وہی اصل اور حق ہے،

اس موقع پر حضرت سیدؒ صاحب کے چند واقعات کا ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جس کے عینی شاہد اب تک بقید حیات ہیں،

(۱) واقعہ یہ ہے کہ حضرتؒ کا دورہ حسب معمول پہلے پہل راجہ پور سکرور میں ہوا کرتا تھا، اس کے بعد اعظم گڈھ کے دیگر مضافات میں آپ تشریف لیجاتے تھے، جن دنوں سکرور میں قیام تھا ناچیز مدرسۃ الاصلاح میں رہتا تھا، معمول یہ تھا کہ صبح سے مدرسہ کے کار منصبی کو انجام دے کر ظہر اور عصر و مغرب تک حضرت کی خدمت میں رہ کر مدرسہ چلا آتا تھا، نماز با جماعت تو خیر بڑی چیز ہے، پابندی سے نماز بھی ادا نہ کرتا تھا، ایمان کی یہ کمزوری اس حد کو پہنچی ہوئی تھی کہ ایک روز عشاء کی نماز بغیر ادا کئے سو رہا اور صبح کی نماز بھی ترک کر دی، مدرسہ سے سکرور ایک میل کے فاصلہ پر ہے، اسی روز فجر کی نماز کے بعد خلاف معمول حضرت سید پوچھنے لگے کہ نجم الدین نماز میں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت وہ تو ہمیشہ عشا و فجر مدرسہ پر ادا کرتے ہیں، خاص لب و لہجہ میں ارشاد ہوا کہ "نماز تو چھینک گئی نہیں پڑھا"، لوگ دم بخود تھے، اسی سلسلہ میں چند باتیں اور بھی فرمائیں، صبح حافظ مولوی نبی احمد خاں اصلاحی مدرسہ پر آئے اور واقعہ بیان کیا، خدا بہتر جانتا

ہے کہ جسم میں لرزہ پیدا ہو گیا، لیکن جب کسی قدر سکون ہوا تو رحمت الٰہی اور توفیق ربانی نے اس راستے پر لاکر کھڑا کر دیا جس پر اس وقت تک کی ہزاروں پارسائیاں اور عبادتیں قربان، اور سچ تو یہ ہے کہ اگر فسق وعصیان کی گمراہی محبوب کے قدموں پر ڈالدے تو اس سے بڑھ کر نہ کوئی سعادت ہے اور نہ اس سے زبردست کوئی داعی عمل خیر ہے ؎

دل را کہ مردہ بود حیاتے ز نو رسید تا بوے از نسیم مئیش در مشام رفت

بہرحال میں حسب معمول بارگاہ رب العزت میں پابندی نماز کا عہد و پیمان کر کے خدمت والا میں حاضر ہوا اور سلام کر کے بدوں مصافحہ بیٹھ گیا، حضرتؒ لوگوں کے ضمن میں مجھے بھی تلقینات فرماتے رہے' اس روز میں نے بعد عصر اجازت چاہی کہ مدرسہ جاؤں گا، آپ نے مصافحہ کرتے وقت یہ فرمایا کہ جاؤ اب سے نماز کا خیال مرتے دم رکھنا،

(۲) جناب حاجی شیخ نصر اللہ صاحب قبلہ موضع نیاوج فرماتے ہیں کہ حضرت سیدؒ بنیاپارہ میں مقیم تھے، میں اور حافظ عبد الحمید صاحب وغیرہ ظہر کی نماز پڑھ کر گھر سے حضرت سیدؒ کی زیارت کے لئے بنیاپارہ روانہ ہوئے اس دن فجر کی نماز میں حافظ نے وہ سورہ پڑھی تھی جس میں "مکروا مکراً کبّاراً" ہے، راستے میں میں نے حافظ صاحب سے کہا کہ آپ نے صبح اس آیت میں واؤ چھوڑ دیا تھا، انھوں نے فرمایا کہ جہاں تک مجھے یاد ہے' یہ آیت بلا واو کی ہے، چنانچہ انھوں نے پھر جو یہ آیت تلاوت فرمائی تو اسی طرح بغیر واؤ کے، بہرحال یہ راستے کی بات تھی آئی اور گذر گئی، جب حضرت سیدؒ کی خدمت میں پہنچے تو سلام و مصافحہ اور دریافت خیریت وغیرہ کے بعد حضرت سیدؒ نے فرمایا کہ دیر سے میں تم لوگوں کا منتظر تھا اور اس کے بعد خود ہی آیت بالا تلاوت فرماکر اس کی مستقل تفسیر کی اور واو اور بغیر واو کے فرق کو بیان فرمایا، جس سے ہم دونوں کو تسکین ہو گئی'

(۳) ایک شخص مینڈھا لڑانے کو لے جا رہا تھا، مینڈھا سخت شریر تھا اور یہ خود بہت تند مزاج اور . . . . . تھا، مینڈھا مالک کے ہاتھ سے کود پھاند کر اور دوسری طرف سے گھوم کر حضرت سیدؒ کے پاس آکر پیر

چاٹنے لگا، تمام لوگ حیرت زدہ تھے، مالک بھی آیا آپ نے فرمایا کہ تم اس پر سختی کرتے ہو، اس نے کہا کوئی سختی سوائے لڑانے کے نہیں کرتا، آپنے فرمایا لڑانا سخت گناہ ہے مت لڑاؤ، دیکھو اگر تم کو کوئی لڑائے تو کیا حالت ہوگی، آپ کی یہ نصیحت اس پر اثر کر گئی توبہ کرکے مینڈھے کو بیچنے کے لئے تیار ہوگیا، چنانچہ عبدالشکور خاں صاحب نے اس سے قربانی کے لئے خرید کر لیا۔

(۴) شیخ عبدالرشید صاحب ناقل ہیں کہ میں مراقبۂ وحدانیت کرتا تھا، ایک دن مجھے سخت غلجان ہوا حضرت سیدؒ کی خدمت میں شبہ رفع کرنے کے خیال سے حاضر ہوا، فوراً جاتا رہا، آپنے فرمایا کہو اب تو غلجان نہیں رہا۔

(۵) ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں یہ ذکر آگیا کہ آنحضرت صلعم کی خواب میں زیارت ہو تو کیسے یقین کیا جائے کہ آپ ہی کی زیارت ہوئی؛ حضرت سیدؒ نے فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ مجھ کو خواب میں دیکھنے والا مجھی کو دیکھے گا اس لئے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ میری صورت اختیار کر سکے، اور پھر فرمایا کہ اس کا ثبوت یوں بھی ہو سکتا ہے کہ خواب دیکھنے والے کی حالت میں تبدیلی پیدا ہو جائے اور پہلے سے زیادہ نیکو کار بنجائے، ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت آپ کو آنحضرت صلعم کی زیارت ہوئی ہے؟ بطور تحدیث نعمت کے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ شاید ہی کوئی دن ناغہ جاتا ہو، سبحان اللہ یہ ہیں اتباع سنت نبوی صلعم کے برکات وثمرات، ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار   اک ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اگر اسی قسم کے واقعات کرامت ہیں تو بلاشبہہ یہ بات آج بھی کتنے اللہ کے بندوں کو حاصل ہے اور جس کے تسلیم کر لینے میں کسی کو شبہہ نہیں ہونا چاہئے، باقی فضائے آسمانی میں اڑنا، دریا سے بغیر ذریعہ مادی پار ہو جانا، بیٹا، بیٹی دینا، وغیرہ امور کا صدور اگر کرامت ہے تو حضرتؒ کی سوانح حیات میں اس کی تلاش بے سود ہے اور یہ جاہلانہ اور عامیانہ خیال ہے، اس بارے میں حضرت شیخ سعدیؒ کی بوستاں کی ایک حکایت کی طرف رجوع کرنا چاہئے، جس کا فیصلہ کن شعر یہ ہے ؎

توہم گردن از حکم داور مپیچ   کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

حضرت سیّدؒ کے جو عینی واقعات نادرہ بروایت ثقہ معلوم ہوئے ہیں انھیں ایک مستقل کتاب کی شکل میں مرتب کر دیا گیا ہے، جس کا نام "الکلام المتین فی کرامات الامین" ہے، اگر معتقدین کو شوق ہوگا تو شائع کر دی جائے گی۔

حضرت سید صاحبؒ اوامر و نواہی شرعی کے سختی سے پابند تھے، ساری زندگی اعلائے کلمۃ اللہ و احیائے سنت و اماتۂ بدعت آپ کا شیوہ رہا، غور کا مقام ہے کہ جس نے سفر و حضر میں بھی شاید ہی کبھی نماز تہجد ترک کی ہو، اس کے اولیاء اللہ ہونے میں کوئی شک کیا جائے؟ اس عدم آباد میں اگر کوئی خدا کا بندہ احکامات شرعیہ پر قائم ہو "الحب للہ والبغض للہ" اس کا شعار ہو اور طمع جاہ و مال بلکہ جان تک کی پروا نہ ہو، خدا کی قسم نہ اس سے بڑا کوئی ولی ہو سکتا ہے اور نہ اس سے بڑی کوئی کرامت ہے، اس لئے کسی خرق عادت کے تلاش کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، اس کا معیار محض یہ ہے کہ اگر کوئی عالم مذہب و ملت کا بے لوث خادم ہو اوامر و نواہی شرعی کا سچا پابند ہو اور صفائی معاملات و اخلاق میں کتاب و سنت کا پرستار ہو ایسا شخص بلا ریب متقی، مومن، مسلم، ولی اللہ، عباد الرحمٰن کہلانے کا مستحق ہے، یہیں سے یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ایمان اور تقویٰ کے بہت سے مدارج ہیں، پس جس درجہ کا ایمان و تقویٰ کسی میں موجود ہوگا اسی درجہ میں ولایت کا ایک حصہ اس کے لئے ثابت ہوگا۔ پھر جس طرح دس بیس روپیہ بھی مال ہے اور پچاس، سو، ہزار، دو ہزار، لاکھ دو لاکھ روپیہ بھی، لیکن عرف عام میں دس بیس روپیہ کے مالک کو مالدار نہیں کہا جاتا جب تک معتدبہ مقدار مال و دولت کی موجود نہ ہو، اسی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ایمان و تقویٰ کسی مرتبہ میں ہو وہ ولایت کا شعبہ ہے اور اس حیثیت سے سب مومن فی الجملہ ولی کہلائے جا سکتے ہیں، لیکن عرف میں ولی اسی کو کہا جاتا ہے جس میں ایک خاص اور ممتاز درجہ ایمان و تقویٰ کا پایا جاتا ہو، احادیث میں کچھ علامات و آثار اس ولایت کے ذکر کئے گئے ہیں، مثلاً ان کو دیکھنے سے خدا یاد آنے لگے یا مخلوق خدا سے ان کو بے لوث محبت ہو، عارفین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق ولی کی تعریفیں کی ہیں، حضرت سیّدؒ کی مجالس و مجامع میں شریک ہونے والے اچھی طرح واقف ہیں کہ آپ نے کبھی بھول کر کسی کی غیبت نہ کی اور نہ اسے پسند فرمایا، قال اللہ قال الرسول آپ کی گفتگو تھی، جب تک مجلس میں بیٹھئے معلوم

ہوتا تھا کہ دنیا ہیچ ہے خدا کی یاد بے اختیار دل میں پیدا ہوتی تھی، ایسی ہیبت و رعب کی مجلس شاید ہی چشم فلک کو دیکھنے میں آئے گیا یہ کسی کرامت و ولایت سے کم ہے؟ سچ فرمایا حضرت عارف رومیؒ نے ؎

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

تصنیفات

حضرت سیّد کی زندگی کا بیشتر حصہ درس و تدریس اور پند و موعظت میں گذرا، توالیِ اسفار اور کثرت اشغال سے جب فرصت ملتی فتاوی اور خطوط کے جوابات میں مصروف رہتے، احباب و معتقدین کی آمد و رفت پر مہمان نوازی جو آپ کا سرمایۂ کمال تھا فرماتے، نماز و تلاوت قرآن مجید اور کتب بینی آپ کی زندگی کا سہارا تھی، اس پر طرفہ یہ کہ اہل نصیر آباد جو مقامی اقتدار و حیثیتِ خاص کے مالک ہیں اپنی نظری ریشہ دوانیوں سے باز نہ آتے تھے، اس لئے طرح طرح کے مصائب و آلام کا سامنا بھی سنت اسلاف کو تازہ کر رہا تھا، بایں ہمہ جو وقت بھی مل سکا آپ نے چند یادگاریں چھوڑی ہیں جس سے آپ کے تبحر علمی پر کافی سے زیادہ روشنی پڑتی ہے افسوس کہ حضرت سیّد کے وصال کے بعد آپ کے خاندانی اور قدیم کتب خانہ کو غیر معمولی نقصان پہنچا جس کی تلافی ناممکن ہے، یہ وہ کتب خانہ تھا جس پر حضرت سیّد کو بڑا فخر تھا، اور کیوں نہ ہوتا، خاندان قطبیہ کی شش صد سالہ علمی و عملی خدمات اور اس کا لب لباب انہی بزرگوں تک منتقل ہوتا آیا تھا لیکن افسوس! حضرت سیدؒ رہ علامہ فرنگی محلیؒ کی اداؤں کے شیدائی تھے، وعظ اور مسائل کی تحقیق تک میں وہی رنگ پایا جاتا ہے، عربی، فارسی تحریریں ایک ہی انداز کی ہوتی ہیں،

حضرت ممدوح کی جو تصنیفات میرے علم میں آسکی ہیں وہ یہ ہیں:۔

۱۔ **تفسیر سورہ بقرہ**:۔ مصنف علامؒ نے یہ عربی تفسیر سلف کے اصول پر لکھی ہے، خاص بات قابل ذکر یہ ہے کہ جو آیتیں سورہ بقرہ میں ایسی ہیں کہ ان کے ہم معنی دیگر آیات موجود ہیں سب کو اکٹھا کر کے پوری بحث فرمائی ہے جس سے ہر آیت ایک ہی سلسلہ کی کڑی نظر آتی ہے، افسوس کہ یہ نادر سرمایہ اِمتدادِ وقت ....

ہی تک ہوا تھا کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حضرت مصنفؒ کے انداز بیان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حتی الوسع قرآن کی
قرآن اور احادیث صحیحہ سے تفسیر کرنا آپ کا مذہب تھا، لیکن کہیں اسرائیلی روایات کا تذکرہ سہواً بھی نہیں آیا ہے
فقہی اجتہادات میں زیادہ تر آپنے استنباط سے کام لیا ہے اور بعض جگہ متاخرین پر سخت جرح فرمائی ہے، صاحب
فتح القدیر اور علامہ ابن تیمیہ وابن قیم وابن حزم سے زیادہ دلچسپی ہے، راقم الحروف کو اس تفسیر کے دیکھنے اور پڑھنے
کا شرف جناب حکیم سید مولانا محمد متینؒ کے ذریعہ حاصل ہوا تھا، لیکن مصنفؒ کے وصال کے بعد عرصہ تک نصیرآباد
جانے کا اتفاق نہ ہوسکا، اس اثنا میں کتب خانہ پر حوادثات کی باد سموم ایسی چلی کہ جہاں بہت سے نوادرات
ضائع ہوئے، یہ مایۂ ناز مسودہ بھی ضائع ہوگیا، اس کے کچھ اوراق راقم الحروف کو ملے ہیں، جو بالکل ناقص ہیں
جن کے مبتدا و خبر کا پتہ نہیں ہے، فالی اللہ المشتکی،

۲۔ مجموعہ احادیث :- یہ ایک بڑی بیاض ہے جن میں ان احادیث کو اکٹھا فرمایا ہے، جو عقلاً
ونقلاً بظاہر خلاف معلوم ہوتی ہیں، ان کی توجیہ کرتے ہوئے درایت وعقل پر عجیب وغریب تحقیقات محدثانہ
انداز میں فرمائی ہیں، بخاری شریف کے بعض تراجم کا ذکر بھی ضمناً آگیا ہے، سنن وآثار کے حجت ہونے پر معلومات
کا انبار لگا دیا ہے اور بعض ایسی کتابوں کا ذکر کیا ہے جو خواب میں بھی راقم الحروف نے نہ دیکھی ہیں نہ سنی ہیں
ساتھ ہی، بہم ایسی روایتوں کو اکٹھا فرمایا ہے، جو جملہ امور دینی ودنیوی کو حاوی ہیں، یہ مجموعہ میری زندگی کا سہارا

۳۔ حاشیہ مواقف :- اس حاشیہ میں حضرت مصنفؒ نے عجیب وغریب حقائق کلامی کا
ثبوت دیا ہے اور عقائد حقہ کو صحیح عقل ونقل سے تطابق دیکر صاف اور سلیس عربی میں لکھا ہے، اگر زمانہ نے
مساعدت کی تو اس طرح کی جملہ چیزیں رفتہ رفتہ شائع کردیجائیں گی،

۴۔ اسوۂ حسنہ فیما ثبت بالسنۃ :- یہ رسالہ عربی میں چھپکر شائع ہوچکا ہے، موضوع
بحث عمامہ ہے، کسی صاحب نے حضرت سیدؒ سے یہ استفتا کیا تھا کہ کیا وہ نماز جو عمامہ کے ساتھ پڑھی جائے بے عمامہ
والی نماز پر کوئی مزیت وفضیلت رکھتی ہے؟ اور اسی ضمن میں ایک حدیث عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی

فضیلت کی بھی فتویٰ میں نقل کرکے جواب چاہا گیا تھا حضرت علامہؒ نے فتویٰ کا جواب محققانہ دے کر یہ رسالہ تحریر فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمامہ سنن زوائد میں سے ہے اس لئے کوئی فضیلت نہ ہوگی اور حدیث جو نقل کی گئی ہے وہ موضوع اور بے اصل ہے، رسالہ اہل علم کے پڑھنے کے لائق ہے،

۵۔ قاطع الشرك والبدعة،
۶۔ رد الاختتام الاختراعات،
۷۔ براھین طعاً وحجت قاطعة،
۸۔ رسالہ میلاد النبی وغیرہ،

یہ رسائل عربی اور فارسی میں ہیں، جو اپنے مقام پر حد درجہ اہم ہیں، ان کے مطالعہ سے حضرتؒ کے عقائد و تبحر علمی اور خداداد حافظہ کا ثبوت ملتا ہے، ساتھ ہی عقائد سلف کی تائید اور بدعات سے اجتناب میں آپ کا قلم بے نظیر حقائق و معارف کا مرقع پیش کرتا ہے، آپ کی شمشیر حق اس موقع پر علامہ ابن حزم کے ہاتھ میں نظر آتی ہے، آجکل کے خود ساختہ عقائد پر سختی سے نکتہ چینی فرماتے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ ان رسائل کے جملہ مباحث فتاوی میں اکٹھا کر دیئے جائیں گے جو طبع سوانح کے بعد پریس میں دیا جائے گا، موخرالذکر رسالہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کی تائید میں نہایت پر زور اور مدلل فارسی میں لکھا گیا ہے جو سو صفحات سے زیادہ ہوگا،

۹۔ سلک التحریر اور تذکرہ گرامی جناب ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان صاحب دام اقبالہ جج فیڈرل کورٹ دہلی

یہ کتاب اردو میں آپ کے مقدمات کی پوری تاریخ ہے، تمام فیصلے وغیرہ جمع کر دیئے گئے ہیں، اس سے آپکے مصائب کا اندازہ ہو سکتا ہے، کئی کئی برس مقدمات کا سلسلہ اور وارنٹ گرفتاری لیکن تائید ایزدی سے سب ختم ہو گئے اور مخالفین نے منھ کی کھائی،

تفصیلی واقعات کو سنکر کلیجہ شق ہو جاتا اور سنت اسلاف کا نقشہ سامنے آجاتا ہے، یقیناً مجدد ملت و خادم مذہب کے لئے ایسے مصائب و آلام کا پیش آنا ضروری تھا، آخر سیدؒ بھی تو اپنے وقت کے مجدد تھے اگر یہ باتیں پیش نہ آتیں تو آج آپ کی مجددیت کا ایک باب ناقص رہتا، میں نے اس مجموعہ کے ہوتے ہوئے

سوانح میں مقدمات وغیرہ پر بحث کرنا ضروری نہیں سمجھا، ناظرین اس کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں جو چھپکر شائع ہے، زمانہ نے اگر فرصت دی تو اس مجموعہ کو سلیس اردو میں منتقل کر دیا جائے گا،

کفران نعمت ہوگا اگر ہم اس موقع پر حضرت مولانا ابوبکر صاحب فاروقی جونپوری اور جناب ڈاکٹر سر محمد سلیمان صاحب قبلہ مدظلہ جج فیڈرل کورٹ دہلی اور ابوالحسنات مولانا عبدالغفور صاحب دانا پوری اور حاجی عبدالحق صاحب کی مساعی کو نظر انداز کردیں، ان مخدوموں نے حضرت سیدؒ کے لئے اپنی انتھک کوشش اور جدوجہد سے وہ کارنمایاں کیا جو ہزاروں روپئے خرچ کردینے کے بعد بھی ناممکن بلکہ محال تھا، حضرت سیدؒ ڈاکٹر صاحب قبلہ کے بے حد مشکور رہتے تھے، اور زندگی بھر خوش رہے، معاف فرمایا جائے میں تو یہی کہونگا کہ جناب ڈاکٹر صاحب قبلہ مدظلہ کی غیر معمولی ترقی وعروج کے جہاں اور بہت سے مادی اسباب تھے حضرت سیدؒ کی دعائیں بھی اندر اندر اپنا کام کرتی رہی ہیں، ڈاکٹر صاحب موصوف کا ایک مکتوب گرامی مجھے دستیاب ہوا ہے جو غالبًا دوران مقدمات میں آیا تھا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے اس مقام پر درج کردیا جائے،

مخدومنا جناب سید صاحب قبلہ دام فیضکم، تسلیم

مجھے بالآخر زکام کی شکایت پیدا ہوگئی، گذشتہ اتوار یعنی کل میں تقریبًا تمام دن بستر میں، اور آواز بند ہوگئی تھی، اور گلے میں خراش بھی تھی، اسی لئے مجبورًا الہ آباد کے باہر نہ جاسکا، آج بھی طبیعت صاف نہیں رہی، چنانچہ میں آج ہائی کورٹ نہ جاسکا، بفضلہ اب طبیعت کچھ سنبھل رہی ہے لیکن سردی سے احتیاط کرتا ہوں،

درخواست کی نامنظوری پر سخت تعجب اور افسوس ہوا، کوشش جہانتک ممکن ہو پوری کرنی چاہئے میں غافل نہیں ہوں، چونکہ اس کا پتہ نہیں ہے کہ آپ رائے بریلی میں کس مقام پر تشریف رکھتے ہیں اس لئے مجبورًا اس خط کو نصیر آباد کے پتہ سے بھیجتا ہوں، امید کہ آپ تک یہ خط پہنچیگا، کار لائقہ سے فراموش نہ کیا جائے، فقط زیادہ حد ادب،

آپکا خادم سلیمان الہ آباد دوشنبہ ۲۰ جنوری سنہ ۱۴ء

۱۰۔ مجموعۃ الفتاوی:۔ یہ لاجواب سرمایہ خدا کا شکر ہے دستبرد زمانہ سے بچ بچا کر راقم الحروف تک صحیح و سالم پہنچ گیا ہے، پڑھ کر دل سے بے ساختہ یہ آواز نکلتی ہے، ع

اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

یہ فتاوی آپ کی وسعت نظر اور حافظہ کی ایک عجیب مثال ہے، بعض سوالات کے جوابات کئی کئی صفحوں میں پھیلے ہوئے ہیں، جو زیادہ تر عربی اور فارسی میں اور کم اردو میں ہیں مگر یہ اردو عربی اور فارسی سے زیادہ پیچیدہ ہے وجہ یہ ہے کہ آپ کی اردو آج سے دو سو برس پہلے کی ہے، یہ مجموعہ فتاوی جو تقریباً ۲½ سو صفحات میں پھیلا ہوا ہے، عربی و فارسی وغیرہ کی تصحیح کے بعد سلیس اردو میں مع اصل عبارت انشاء اللہ تعالی شائع کیا جائیگا اس مجموعہ کی ضرورت اہل علم اور عامی دونوں کو ہے، اس سے حضرت سیدؒ کے مذہب و مسلک کا پتہ چلتا ہے معتقدین حضرت سیدؒ پر فرض ہے کہ وہ ایک ایک نسخہ اپنے پاس رکھیں اور پڑھ کر صدہا مسائل اختلافیہ میں تشفی و تسکین حاصل کریں اور ہمیشہ کے لئے جھگڑوں اور مولویوں کے غیر ذمہ دار فتوؤں سے بچیں، سرمایہ کے ناکافی ہونے کی وجہ سے مجموعۂ فتاوی کی اشاعت کو مؤخر کرنا پڑا، لہذا اگر آپ حضرات کو حضرت سیدؒ سے الفت ہے اور آپ کے مسلک کی تلاش ہے تو دعا کیجئے کہ اس طرح کی جملہ چیزوں کی اشاعت کا سامان اللہ تبارک و تعالی جلد از جلد کرا دے،

قطعات تاریخ وصال

حضرت سیدؒ کے وصال پر عربی، فارسی، اردو کے بہت سے قطعات بطور تعزیت موصول ہوئے ہیں، جن میں سے چند اشعار درج ذیل ہیں، بقیہ تاریخ رحلت مندرجہ رسالہ اہلحدیث، رجب المرجب اور قطعۂ تاریخ رحلت انجمن اسلامیہ کانپور، و ہیڈ ماسٹر صاحب قصبہ جائس وغیرہ بخیال طوالت ترک کر دیئے جاتے ہیں، عربی کے اس مصرع تخلی الی المولی المجیب بنجیب سے ۱۳۴۹ھ نکلتے ہیں،

نتیجۂ فکر جناب مولانا سید حکیم محمد متینؒ

برادر مکرم حضرت سید رح

دیدہ بربستم بغفلت چوں شبے — ناگہاں ہاتف زغیب آواز داد
جائے عبرت ہست دنیا اے مبیںؔ — رنگ نو آرد بشام و بامداد
برحیات خویشتن نازاں مشو — گل چو خندد می رود آخر بباد
چشم برکن حالتِ عالم نگر — ماند نے نوشیرواں نے باغ داد
نیست کس را جز وجود حق بقا — پیش و پس خواہد گذشت ہر آنکہ زاد
ہستیٔ دنیائے فانی را نگر — ماند نقش کے اعتبار و اعتماد
آنکہ دارد نامۂ اعمال نیک — بے گماں یابد ہماں لعل مراد
بشنو اکنوں مولوی سید امیں — سید عالی نسب والا نژاد
حافظ قرآن و پابند سنن — جامع علم و ادب بالاستناد
آفتابِ مصر و شام و روم و رے — ماہتاب ہند و شمع باغ داد
رفت آخر چوں نسیم صبح دم — زیں جہاں در باغ جنت شاد شاد
گوش کردم چوں صدائے غیب را — خواستم تاریخ فوتش طبع زاد

گفت ہاتف روح پاکش بالیقیں
واصل حق آں چو حق فرخندہ باد
۱۳۴۹ھ

نتیجۂ فکر جناب حاجی عبد الرحیم صاحب ساکن جائس

ہم نشینو پوچھتے کیا ہو کہ کیا جاتا رہا
کشتیِ علم و عمل کا ناخدا جاتا رہا

مخزنِ بذل و سخا جود و عطا جاتا رہا
منبعِ اخلاص و انوارِ ہدیٰ جاتا رہا

جسکے در پر بادۂ توحید کا ملتا تھا جام
وہ ہمارا ساقی کلفت رُبا جاتا رہا

بوستانِ احمدی میں پھر چلی بادِ خزاں
بلبلوں کے نغمہ سنجی کا مزہ جاتا رہا

پھر وہی ہم ہیں وہی رنج و الم حزن و قلق
خرمی و شادمانی کا مزہ جاتا رہا

جو دُرِ نایاب قسمت سے ہمیں آیا تھا ہاتھ
گردشِ ایام نے گم کر دیا جاتا رہا

کون تبلائیگا اب ہم کو طریقے دین کے
مذہب و ملت کے لم کا آشنا جاتا رہا

وہ نشانی ہے شہید و خواجہ و دیوان کے
جانشینِ اولیا و اتقیا جاتا رہا

عاشقِ شیدائے احمد اس جہاں سے چل بسے
آج تلقینِ غزالی کا مزہ جاتا رہا

وصل مسجد میں ہوا مدفون روضہ میں ہوے
روضہ و مسجد کا اب باہم گلہ جاتا رہا

مرثیہ خواں ہو نصیر آباد کا چھوٹا بڑا
آفتاب علم و دینِ مصطفیٰ جاتا رہا

کیا خبر تھی حسرت و ارماں ملینگے خاک میں
دل کی دل میں رہ گئی اور حوصلہ جاتا رہا

وارثِ علمِ نبی اب اٹھ گیا تاریخ ہے
۴۹ ۱۳ ھ
کہدو سب وہ امام الاتقیا جاتا رہا

جناب حافظ سید عبدالستار مرحوم ڈپٹی کلکٹر

جن خاندانوں میں تعلیم و تعلم تہذیب و تمدن پہلے سے چلا آتا ہے ان کے بچوں کی آیندہ کے لئے بہت سی راہیں باز ہو جاتی ہیں، ابتدائی تربیت ہی وہ چیز ہے جو آیندہ زندگی کے لئے شمع راہ ہے بچپن کا زمانہ جسے بادشاہی سے تعبیر کیا جاتا ہے اگر اسی وقت سے مادر مہربان بچے کی آیندہ زندگی کو سامنے رکھ کر جس طرح کھلونوں سے پیارے بچوں کی دلجوئی کرنے پر مجبور ہوتی ہے ٹھیک اسی طرح تعلیم ابتدائی کے ساتھ ساتھ تربیت کا فریضہ بھی اپنے ذمہ لے تو یقین کیجئے کہ پھر بچہ کی آیندہ زندگی ایک قابل تقلید زندگی ہو جائے، چنانچہ جن بچوں کی اس طرح نشو و نما ہوئی ہے ان کے اخلاق و کیرکٹر دنیا کی تاریخ میں آپ اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، حضرت علامہ سید محمد طٰہٰؒ کے وصال کے بعد دو صاحبزادگان خورد سال تھے حضرت سید محمد امینؒ و جناب ڈپٹی عبدالستار صاحب مرحوم، آپ کی عمر ۵ سال چھ ماہ کی تھی، آپ کی والدۂ محترمہ مرحومہ نے اپنے خلقی صفات اور حسن تدبر سے انھیں اس طرح رکھا اور تعلیم دلائی کہ اگر ہر اولاد کیلئے ایک ایک خاص اتالیق ہوتا تو بھی ایسی با اثر و مناسب تربیت نہ ہو سکتی، ڈپٹی صاحب مرحوم ۹ سال کی عمر میں اپنے ماموں کے ہمراہ ٹونک تشریف لے گئے، حفظ قرآن و صرف و نحو وغیرہ کی تعلیم کے بعد ۱۴ سال کی عمر میں والدہ محترمہ کی قدمبوسی کے لئے وطن مالوف تشریف لائے، پھر کچھ دنوں والدہ کی خدمت میں رہ کر شوق ملازمت دامنگیر ہوا، چنانچہ ۱۶ سال کی عمر میں یکم دسمبر ۱۸۶۷ء سے دفتر بندوبست میں کام شروع کر دیا اور تا ختم محکمۂ بندوبست آپنے کام نہایت خوبی سے انجام دیا، اس کے بعد کچھ دنوں بیکاری میں گذرے پھر ۴ ستمبر ۱۸۷۴ء کو مستقل اہلمد مال تحصیل درگنج گنج میں ۱۸۷۶ء تک رہ کر دیگر مقامات میں تبادلہ ہوا، خلاصہ یہ کہ کچھ دنوں علاقہ کوری سدولی کے بمشاہرہ لعہ منیجر رہے اور اس کے بعد ۶ ستمبر ۱۸۸۵ء کو علاقہ راجہ رام سنگھ راجہ سدولی کے سپرد کر کے عہدہ تحصیلداری کا چارج ۳۴ سال کی عمر میں

لے لیا، فروری ۱۸۹۴ء میں آنرکراسویٹ صاحب نفٹنٹ گورنر بہادر نے ضلع رائے بریلی کا دورہ فرمایا، جناب ڈپٹی صاحب مرحوم کی کارگذاری معلوم کرکے ڈپٹی کلکٹری کے لئے نامزد کیا، چنانچہ ۱۴ اپریل ۱۸۹۴ء کو چارج تحصیلداری دے کر ۴۴ برس کی عمر میں ڈپٹی کلکٹر ہوکر ضلع اردلی موسوم بضلع جالون روانہ ہوئے، اس خوشی میں اعزہ نے قصائد لکھے جو گلشن ظہ میں موجود ہیں، جنمیں سے حافظ سید محمد احسن متخلص بشوقی تکیوی رائے بریلی کے قصیدے کے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں،

کہدو بلبل سے کرے آج زرِ گل کو نثار — کہ بہت دیر میں آئی ہو گلستاں میں بہار
عطر بیزی کرے ہر سمت شمیم گلزار — فرش مخمل کا بچھا جائے کہو ابرِ بہار
نغمہ سنجی کے لئے کھولدیں مرغانِ چمن — ایک دم بھی نہ رکھیں بند زبان و منقار
دورِ مینا کا چلے بزم طرب میں ساقی — تشنہ لب رہنے نہ پائے کوئی باقی زنہار
سُن کے آرایشِ بزمِ طربِ عیش و سرور — وجد میں آکے یہ پڑھنے لگا شوقی اشعار

ساقیا منھ سے لگا دے مرے بوتل اک بار — پھر وہ گھرتا ہوا آتا ہے چلا ابرِ بہار

اک بیک گھوم پڑا خامۂ مشکیں میرا — دل میں آیا کہ لکھے مدح میں بھی کچھ اشعار
شوقیا مطلعِ ثانی کا جو آیا مجھے دھیان — انوری کا نظر آنے لگا کھوٹا بازار

مطلعِ ثانی

ہفت اقلیم ہو قیمت دُرِ مضموں کی مرے — نہ تمنا ہے مجھے زر کی نہ خلعت درکار
مدح ممدوح سے مداح کا مطلب ہو یہاں — بلبل شیفتہ کو سیرِ چمن ہو درکار
اے فلک قدر فلک مرتبہ ناہید نعم — دے جواں بخت جواں تخت سکندر دربار

نیّرِ برجِ شرافت فخرِ عزیزانِ وطن — آفتابِ کرم و لطف ہمایوں کردار
ہاں دعا کے لئے اب ہاتھ اٹھائے شوقیؔ — گھرتی آتی ہے اجابت کی گھٹا سو سو بار
بخت یاور ہو ترا اور معین ہو داور — دوست خورسند ترے دہر میں اعدائی الناؔر

غازیپور سے جھانسی

۵ رجنوری ۱۸۹۶ء کو آپ ضلع ادری سے غازی پور منتقل ہو گئے پھر ۱۹ ستمبر ۱۸۹۸ء کو آپ کا تبادلہ ضلع جھانسی ہوا اُس موقع پر صاحب کلکٹر غازی پور نے جو خط لکھا ہے وہ درج ذیل ہے۔

سید عبدالستار صاحب! میں افسوس کے ساتھ آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ آج گزٹ میں آپ کے ضلع جھانسی کے تبادلہ کا حکم ہے یہ خبر میرے لئے بھی ویسی ہی تعجب خیز ہے جیسی آپ کو ہوگی، میں امید کرتا ہوں کہ آپ جھانسی پسند کرینگے، میرے ساتھ آپ نے اپنا کام بخوبی انجام دیا اور مجھے آپ کے جانے کا افسوس ہے، آپ کا وفادار آرائی ہملین صاحب کلکٹر غازی پور ۱۸ ستمبر ۱۸۹۸ء

غازی پور کے رؤسا و حکام اور وکلا نے حضرت موصوف کو پارٹیاں دینی چاہیں، مگر آپ نے بکمال اصرار لوگوں کو روکا، بھلا جو شخص زمانۂ ڈپٹی مجسٹریٹی میں ایک بیڑا پان تک کسی کا نقصان نہ کرایا ہو وہ کیونکر آخری وقت میں ان نعمائے دنیاوی کو قبول کرتا، چنانچہ یہی وجہ تھی کہ آپ اولیا ڈپٹی کے نام سے مشہور تھے،

۹ راکتوبر ۱۸۹۸ء سے باقاعدہ کام شروع فرمایا، یہاں پر علاوہ کام، کل حصہ ضلع کے سپرنٹنڈنٹی جیل للت پور اور سکریٹری میونسپل بورڈ للت پور اور نگرانی عاملانہ للت پور و کمپنی باغ للت پور و نگرانی سررشتہ نظارت بھی آپ ہی کو انجام دینی پڑی، چنانچہ اس ضلع میں ۱۹ نومبر ۱۸۹۸ء کے گزٹ سرکاری سے سپروٹم ڈپٹی کلکٹر قائم مقام ہو کر ۲۱ رجنوری ۱۸۹۹ء کے گزٹ سے مستقل ڈپٹی کلکٹری سے سرفراز فرمائے گئے، لیکن آب و ہوائے للت پور راس نہ آئی ۳ ماہ کی رخصت پر مکان تشریف لائے، رخصت ختم کرکے روانگی کا ارادہ ہی تھا کہ چیف سکریٹری صاحب کا تار آیا کہ آپ کا

تبادلہ ضلع فتحپور منسوخ کیا گیا،

۸ ؍ اپریل سنہ ۱۹۰۰ء کو فتحپور آکر کام شروع فرمایا، اس ضلع میں صاحب موصوف کو اور زیادہ مشغولیت رہی علاوہ کام تحصیلات متعلقہ کام بٹوارہ ہر سہ تحصیل آپ کے سپرد تھا، نیز مقدمات اضافہ لگان کے اختیارات مزید جو کسی ڈپٹی کو نہ تھے آپ کو دیئے گئے، اس ضلع میں اہم واقعہ ملکہ معظمہ وکٹوریہ قیصر ہند کے انتقال کا پیش آیا، ڈپٹی صاحب موصوف اس ضلع کو بوجہ قرب وطن و بخیال آب و ہوا زیادہ پسند فرماتے تھے، مگر آپ کے کاموں کی شہرت نے ضلع بستی کے تبادلہ پر مجبور کیا، ۱۰ ؍ اگست سنہ ۱۹۰۰ء بستی پہنچکر چارج لیا، تحصیل خلیل آباد و تحصیل بانسی، و فوجداری تحصیل ہریا آپ کے سپرد ہوئی، چنانچہ آپ سب ڈویزنل مجسٹریٹ و حاکم پرگنہ تحصیل خلیل آباد وغیرہ رہے، اسی تحصیل میں قصبہ مگہر ہے جس کے کنارے لب دریائے آمی قبر کبیر داس مع روضہ و احاطہ موجود ہے، تحصیل خلیل آباد ضلع کی سب سے اچھی تحصیل ہے اس تحصیل میں ایک بڑا بازار قصبہ مہنداول ہے،

کچھ دنوں کے بعد آپ ۴ ماہ کی رخصت لے کر وطن مالوف تشریف لائے، اسٹیشن پر ایچ ڈی مارگن صاحب بہادر کلکٹر ضلع بستی و جملہ ڈپٹی کلکٹران و رؤسا، و وکلا، و اہلکاران اس کثرت سے آئے کہ سواری یکہ وغیرہ چوگنے کرایہ پر بھی نہ ملتے تھے، رخصت ختم ہونے پر ضلع پرتاب گڈھ تعیناتی عمل میں آئی، ۲۴ ؍ دسمبر سنہ ۱۹۰۰ء کو چارج لیا، تحصیل کنڈہ آپ کے سپرد ہوئی اور مستزاد کورٹ آف وارڈس کے مقدمات بھی آپ کو دیکھنے پڑے ۲۴ ؍ دسمبر سنہ ۱۹۰۰ء کو پنشن پر آنا تھا کہ ایک ماہ اور کام کرنے کا حکم ہوا، چنانچہ ۲۲ ؍ اکتوبر سنہ ۱۹۰۵ء کو چارج دے کر نصیر آباد تشریف لائے،

ترک ملازمت و خانہ نشینی

آپ کو ابتدا ہی سے گھر بہت محبوب تھا، حالانکہ آپ نے زندگی کے خوشگوار ایام اچھے مکانوں اور عمدہ مقامات میں گذارے تھے، اور ایسی سوسائیٹیوں میں رہے سہے تھے کہ جن کا مکان پر میسر آنا ناممکن تھا، باایں ہمہ آپ کو ذرہ برابر احساس بیکاری و خیال خانہ نشینی نہ پیدا ہوا، بلکہ اس حالت میں خلوت

در انجمن کا مزہ آنے لگا، کتب بینی و مطالعہ اخبار اور خط و کتابت احباب، اور مکان و باغیچہ کی دیکھ بھال سے پوری دلچسپی ہوگئی، اب یہ حالت تھی کہ ایک دن کے لئے مکان چھوڑنا سوہان روح تھا، ادھر اکثر ریاستوں نے آپ کی ایمانداری و غایت درجہ احتیاط کی بنا پر خواہش کی اور ۲ و ۳ سو روپیہ ماہوار خدمت کے لئے حاضر کئے، مگر یکسوئی و قناعت کو عطیۂ خداوندی سمجھکر باہر قدم نکالنا گوارا نہ فرمایا، ابھی چین سے مکان بھی نہ رہنے پائے تھے کہ ایل ایچ ٹرنر صاحب ڈپٹی کمشنر نے آپ کو نصیر آباد و تھانہ سلون کا آنریری مجسٹریٹ نامزد فرمایا، آپ نے اپنے بچاؤ کی بہت سی تدبیریں عمل میں لائیں مگر بقول حافظؒ ع

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

پنشن سے ۸ سال قبل یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ ایک کوٹھی آرام و آسایش کے لئے بنوا لینا ضروری ہے، کیونکہ اچھے مکانات میں رہنے کی وجہ سے طبیعت کسی قدر خوگر ہوگئی تھی دوم یہ کہ خدا نے فراغت بخشی تھی چنانچہ ایک کوٹھی جو تقریبًا ۲۰ - ۲۵ ہزار کی ہوگی تعمیر کرائی جس کے بنائے تاریخ پر بہت سے شعرا و اعزائے کرام نے قطعات لکھے جن میں سے ایک قطعہ تاریخ ریاست ٹونک پرگنہ سرونج کے سررشتہ دار مجسٹریٹی سید احمد مرتضیٰ نصیر آبادی المتخلص بہ نظر درج ذیل ہے،

زہے قصرے کہ در حسنِ عمارت — نصیر آباد را زینت فزا شد
چناں رنگ و صفائش دلفریب است — تو گوئی کاخ کسری رو نما شد
بہ پیش طرز تعمیرش ہما نا — نگار و نقش چینی بے بہا شد
بنا فرمود حافظ عبد ستار — چہ ایوانِ کہ نامش را بقا شد

نظرؔ گفتہ بسالِ طرح بنیاد
ہمایوں قصر چوں جنت بہ باشد
۱۳۲۲ھ

دیگر قطعات کے لئے گلشن ظہ صفحہ ۸۴ ملاحظ ہو،

اس کے بعد ۲۵ ؍رجب ۱۳۲۵ھ یوم جمعہ مطابق ۱۸؍ مئی ۱۹۱۷ء کو آپ کی اہلیہ صاحبہ مرحومہ کا انتقال ہوا، آپ کی شادی آپکے چھوٹے ماموں جناب سید محمد شامل کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، مرحومہ کے واقعات وفات اور اخلاقی حالات میں جناب موصوف نے ایک رسالہ شعلۂ جانسوز تحریر فرمایا تھا،

اب طبیعت بالکل بجھ گئی تھی، مگر گورنمنٹ پیچھا نہ چھوڑتی تھی، چنانچہ ۸؍ستمبر ۱۹۱۸ء سے اختیارات مجسٹریٹ درجہ اول تھانہ نصیرآباد وسلون وموہن گنج عطا ہوئے، بہت سے اعزازات مزید براں گورنمنٹ سے حاصل تھے، بعض کا ذکر کیا جاتا ہے،

(۱) کونسل لفٹنٹ گورنر اور کونسل گورنر جنرل کے انتخاب ممبر کا رائے دہندہ مقرر کیا گیا، گزٹ متعلقہ ۱۹۱۰ء

(۲) آنریری اسسٹنٹ کلکٹر ضلع رائے بریلی مقرر کیا گیا، اشتہار گورنمنٹ نمبری $\frac{۲۳۱}{۸۲۵-۱}$ مورخہ ۳۰؍جنوری ۱۹۱۲ء

اخلاق وعادات خانوادۂ قطبیہ کی سب سے اہم اور امتیازی چیز ان کا اخلاق ہے، راقم الحروف کو حضرت سیدؒ کے وصال کے بعد تعزیت میں جانے کا اتفاق ہوا تھا، اسی سلسلہ میں جناب ڈپٹی صاحب مرحوم سے نیاز حاصل ہوا، موصوف حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے صورت وشکل، رفتار وگفتار میں بہت مشابہ تھے، یہاں تک کہ اگر آڑ سے کوئی آپ کی گفتگو سن لیتا تو کبھی انکار نہ کرتا کہ حضرت سیدؒ ہی نہیں بول رہے ہیں، جوں مجھے دیکھا کرسی سے اٹھ کر بغل گیر ہوئے، اور انتہائی شفقت اور مہربانی سے پیش آئے، آپکے اخلاق کا میرے دل کی گہرائیوں میں اب تک احساس موجود ہے، موصوف نے نصیرآباد کے حالات اور اپنے اکابر اور اسلاف کے کارناموں پر بصیرت افروز گفتگو فرمائی اور قصبہ کے ان مقامات کی زیارت کرائی جن میں خانوادۂ قطبیہ کے ارباب فضل وکمال کا ایک شہر خموشاں آباد ہے، راقم الحروف کی زبان پر اشعار ذیل عجیب تاثر کیساتھ جاری تھے

چمن کے تخت پر جس دن شہِ گل کا تجمل تھا — ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اک شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو جا دیکھا نہ تھا جز خار گلشن میں — بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

"تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ"

جناب ڈپٹی صاحب مرحوم کی طبیعت میں نرمی اور دل کے اندر کمال درد تھا، جب کسی کی مصیبت دیکھتے بیخود ہو جاتے اور دفعیہ کی امکانی تدابیر عمل میں لاتے، سچائی حد درجہ عزیز تھی، معاملہ میں غایت درجہ محتاط اور راستباز تھے، آپ کے سامنے جب کبھی کسی کی شکایت پہنچی، آپ اس کی تحقیق فرماتے اور جب خود مطمئن ہو جاتے تو پھر کسی کی پروانہ کرتے، استقلال کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی حادثہ اور واقعہ سے متاثر ہو کر اپنے عزم کو ترک نہیں کیا، آپ کو کسی سے انس ہوتا تھا تو پھر یہ خیال نہ فرماتے تھے کہ وہ آیا مجھ سے کوئی دلچسپی لیتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ انسان کو اپنے ہی دل پر قابو ہے نہ کہ دوسرے پر، آپ کی اگر کوئی برائی کرتا تو آپ ہرگز رنجیدہ نہ ہوتے بلکہ غور فرماتے تھے کہ آیا یہ بات واقعی میرے اندر ہے یا نہیں، اگر ہے تو دور کرنا شیوۂ انسانیت و شرافت ہے، اور اگر نہ ہوتی تو خدا کا شکر ادا کرتے اور فرماتے کہ خدا اسے بخشدے اور یہ شعر پڑھا کرتے ؎

دیوانہ باش تا غم تو دیگراں خورند　　　آنرا کہ عقل بیش غم روزگار بیش

وفات

حضرت علامہ سید محمد امین رحمۃ اللہ علیہ کا پہلے سے ارادہ تھا کہ ایک بار اور پورے خانوادہ کے ساتھ حج بیت اللہ الحرام اور روضہ انور صلعم کی حاضری سے مشرف ہو لوں، چنانچہ جملہ سامان سفر تیار ہو چکا تھا کہ اسی اثنا میں بارگاہ رب العزت کی حاضری کا پیغام آہی گیا اور یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا، چنانچہ آپکے وصال کے بعد جناب ڈپٹی صاحب مرحوم مع سیدانی صاحبہ مدظلہا و ہر دو فرزندان و احد خاں خادم حضرت سیدؒ روانہ ہو گئے بعد حج و زیارت مدینہ طیبہ واپسی میں جناب ڈپٹی صاحب کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی آخر کار آپنے بتاریخ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ بمقام جدہ انتقال فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ،

آپ کی تجہیز و تکفین جناب سیدانی صاحبہ مدظلہا نے اہتمام سے کرائی اور پھر تنِ تنہا واپس نصیرآباد تشریف لائیں

آپ کی تصنیفات اور شاعری

(۱) **گلشن طٰہٰ**:- یہ کتاب ڈپٹی صاحب مرحوم نے اپنے حالات میں لکھی ہے، ضمناً خاندانی حالات بھی آگئے ہیں،

(۲) **شعلۂ جانسوز**:- یہ رسالہ آپ نے اہلیہ محترمہ کے انتقال پر تحریر فرمایا ہے،

آپکے کلام کا نمونہ درج ذیل ہے ؎

بیخودی میں جو خودی کی بھی سمائی ہوتی
بڑھکے وہ عجز سے محبوب خدائی ہوتی

یاالٰہی مجھے توفیق دے ہمدردی کی
تاکہ دنیا میں کسی کی تو بھلائی ہوتی

اس اطاعت سے زیادہ نہیں محبوب مجھے
کام اوروں سے بھری میری کمائی ہوتی

مجھ کو محسود بنانا نہ بنانا حاسد
اس تردد سے مری کاش رہائی ہوتی

یہ سمجھتا ہوں جو کرتا ہے تو ہی کرتا ہے
کیا عقیدہ تھا جو حافظؔ کی رسائی ہوتی

دل میں جز ذکر گفتگو نہ رہے
نفس کو اور جستجو نہ رہے

کامیابی ہے زندگی کی یہی
حرص دنیا کی آرزو نہ رہے

مست ہو جاؤں عشق وحدت میں
ایسا بے خود بنوں خودی نہ رہے

حافظؔا کر دعا خدا سے یہی
شرک کی میرے دل میں بو نہ رہے

طالب وہی ہے جس کا نہ مطلوب ہو جدا
کامل وہی ہے جس میں تصنع ذرا نہ ہو

یہ مرتبۂ بے خودی آسان نہیں حافظؔ
مستی میں بھی ہوشیار سا خواہان ہمیں رضا کا

حافظؔا عالمِ فانی ہے محض خواب و خیال
چشم بیدار سے دیکھو تو ادھر کچھ بھی نہیں

جناب مولنا سید حکیم محمد متینؒ | آپ حضرت علامہ سید محمد طٰہٰؒ کے بڑے صاحبزادے تھے آپنے اثنائے قیام ٹونک میں فقہ ومعقولات کی تکمیل فرمائی اور وہیں فن طب میں مہارت پیدا کی، اس کے بعد حضرت علامہ شیخ محمد محدث تھانوی شاگرد حضرت علامہ شاہ اسحٰق محدث دہلوی سے اجازت حاصل کی، آپکی شادی آپکے بڑے ماموں سید محمد مستقیم کی صاحبزادی سے ہوئی تھی جن سے کوئی اولاد نہ تھی، اور آپ کی حیات ہی میں داغِ مفارقت دے چکی تھیں آپکا

حافظ بلا کا تھا تواریخ ہند کے حافظ اور فن انساب میں بے نظیر تھے، تزک جہانگیری و تاریخ تیموریہ نوک زبان تھی، شعر و سخن میں آپ اعلیٰ ذوق رکھتے تھے، راقم حروف کو ایک بار قدمبوسی کی عزت حاصل ہے، آپ کو ڈپٹی کمشنر بارہ بنکی نے ریاست سورجپور ضلع بارہ بنکی میں عہدۂ سربراہ کاری بمشاہرہ ایکسو بیس (۱۲۰) روپیہ متعین فرمایا تھا، آپنے عرصہ تک اپنے فرائض کو نہایت خوبی سے انجام دیا یعنی ۱۰ ر مارچ ۱۸۸۸ء سے تا غایتہ ۱۸۹۶ء تک پھر آپنے خانہ نشینی پسند فرمائی اور اپنے قدیم مشغلۂ طبابت کو رفاہ خلق اللہ کے لئے جاری فرمایا، طبابت میں آپ کو خدا نے ید طولیٰ بخشا تھا اور آخر میں تو تجربات بے پناہ ہوگئے تھے، لیکن اس راہ میں دیگر اطبار زمانہ کی طرح عبد الدینار و عبد الدرہم نہ تھے اور نہ اسے اپنی غیرت سے جائز سمجھتے تھے،

آپ کا کلام

شعر و سخن سے بہت گہرا تعلق تھا، اساتذہ کے کلام نظم و نثر آپ کو کافی محفوظ تھے، آپ کا تخلص یٰسین تھا، بالخصوص شعرائے ہند کے تذکرے تو آپ کو اس درجہ یاد تھے کہ جب کسی کا ذکر فرمانے لگتے تو معلوم ہوتا کہ کوئی آبِ حیات یا گل رعنا پڑھ رہا ہے، فارسی الفاظ اور ترکیبیں زیادہ استعمال فرماتے تھے، اگر وقت نے مساعدت کی تو سوانح کی طباعت کے بعد ان جواہر پاروں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کرونگا، نمونہ کے طور پر چند اشعار درج ذیل ہیں، جس سے آپ کی طبیعت کا اندازہ ہوسکتا ہے، ؎

بنا فرمود ڈپٹی عبدِ ستار — چو قصرے باغ بیگم فرحت افزا
ہمایون و مبارک گشت تعمیر — مکانِ دلکشا خوش وضع زیبا
پیے سال بنایش او ہمیں گفت — وحیدے نادرے بے مثل و یکتا

۱۳۲۳ھ

مذکورہ بالا قطعہ تاریخ جناب ڈپٹی صاحب مرحوم کی کوٹھی کی تعمیر پر لکھا تھا، اور جب حافظ عبد الستار صاحب مرحوم عہدۂ ڈپٹی کلکٹری پر فائز ہوئے تھے تو ایک بردست اور طویل قصیدہ آپکی شان میں ارشاد فرمایا تھا جسکے چند اشعار درج ذیل ہیں

آج کیوں ہے باغ عالم میں ہوائے خوشگوار — قطرہ افشاں ہو رہا ہے گل پہ جو ابر بہار
ہے زمیں سے آسماں تک آسماں سے تا زمیں — صد صدائے جند اور د زبانِ روزگار

اب لکھوں توصیف میں اسکی وہ مطلع لاجواب — سُن کے جسکو مطلعِ خورشید بھی ہو شرمسار

اے گُلِ گلزارِ جدم وے امیرِ نامدار — گوہرِ درجِ اخوت افتخارِ روزگار

عالمِ ایجاد وہستی میں نہیں دیکھا کبھی — دیدۂ افلاک نے تجھ سا کوئی حاجت براٰر

کوئی خواہاں عتبۂ والا سے تیرے آجتک — نہ پھرا محروم تجھ سے جو ہوا امیدوار

لا نہیں تونے کہا اپنی زباں سے آجتک — ہاں مگر اک کلمۂ توحید میں اے نامدار

اپنے ناخن سے نکالے آکے گرگ وشیرِ غاب — ٹوٹ کر رہجائے گر پائے عنم میں کوئی خار

لال ہو تیری ثنا میں ہر سخن ور کی زباں — اب مناسب ہے یہیں کر تو دعا پر اختصار

روز افزوں ہو ترا جاہ وحشم تا یومِ حشر — رام ہو گردونِ دوں تیرا با مر کردگار

ہو نہ پیراموں خزاں تیرے گلستاں کی کبھی — گلشنِ اقبال میں تیرے رہے دائم بہار

وفات جناب حکیم صاحبؒ کی عمر غالباً ۷۵-۸۰ کے قریب تھی، آپنے جناب ڈپٹی صاحب مرحوم کی املاک وغیرہ کے سلسلہ میں بڑی زحمتیں اٹھائیں جو آپ کو حق شرعی سے ملی تھیں، آپ کا ارادہ تھا کہ ڈپٹی صاحب کی عالیشان کوٹھی پر ایک مدرسہ قائم کر کے جملہ جائداد وقف کر دیجائے اور اس کا متولی جنابہ سیدانی صاحبہ مدظلہا کو مقرر کر کے کچھ حصۂ آمدنی گذر اوقات کے لئے خاص کر دیا جائے تاکہ سیدانی صاحبہ مدظلہا کو تاحیات کوئی تردد نہ رہے، لیکن آپ اس ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکے، جس کا قصّہ طویل ہے، آخرکار لوگوں کو عصبات کے طور پر جملہ جائداد مل گئی اور بیٹھے بٹھائے جناب سیدانی صاحبہ کو بھی زیر بار ہونا پڑا، اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر آپ زندگی کی گھڑیاں ختم فرما رہی ہیں، معتقدین حضرت سیّدؒ کو اپنی ذمہ داریوں کو سوچنا چاہیئے، آخرکار وہ وقت آگیا کہ گلشن طٰہٰ کی اس آخری بہار کو بھی ۲۲ رجمادی الاول ۱۳۵۲ھ بمقام نصیر آباد خزاں سے دوچار ہونا پڑا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ،

قصیدہ مدحیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت سیدؒ کی حیات میں بہت سے قصائد، مدحیہ ترکیب بند وغیرہ مختلف شعرانے فارسی، اردو مین لکھے تھے جن مین سے اکثر چھپ کر شائع ہین، قصیدۂ ذیل جناب مولوی عبدالخالق خاں مرحوم المتخلص بنوحد تلمیذ حضرت سیدؒ نے ۱۹۱۳ء مین تحریر فرمایا تھا، جو نہایت طویل اور فصاحت و بلاغت کا مجموعہ ہے جس کا ذکر صفحہ ۵۴ مین گذر چکا ہے، قصیدہ برائے ناظرین اختصار کے ساتھ درج کردیا جاتا ہے؛

تعالی اللہ دائم رحمت خلاق اکبر ہو — بہارِ گل ہو مے ہو ساقی و مطرب ہو ساغر ہو
ندائے ربکم کا پردۂ طنبور مظہر ہو — فضائے لامکاں قالوا بلیٰ اپنی زباں پر ہو
لکھوں جب مدح تیری سنگ اسود جا منبر ہو
برائے شست و شوئے دہن آب حوض کوثر ہو

مطر شاخ مرجاں یا پر جبریل ہو خامہ — مرکب ہو سواد چشم و سینہ قدسیاں آمہ
قبائے گل ہو پیراہن غلاف کعبہ عمامہ — ہو پردہ چشم حوران جناں کا غذ پئے نامہ
پئے شنجرف حاصل سرخیِ رخسارہ احمر ہو
دل مجروح جاذب اور رگ جاں اپنی مسطر ہو

کروں کس منہ سے میں ظاہر جو تیری شان رفعت ہے — کہ مشت خاک کو کیا عالم بالا سے نسبت ہے

عبادت کی تری واللہ اعلم کیا فضیلت ہو　　بدیں معنی کہ جب سونا ترا مثلِ عبادت ہے
تجھے علم و عمل میں رتبۂ عالی وہ حاصل ہے،
وحید العصر ہے بے مثل ہے یکتا ہے کامل ہے

بشر کہنے میں تیرے خیر پر الزام آتا ہے　　لکھوں انسان تو تیرا حافظہ تیور چڑھاتا ہے
بنوں منکر تو مفتی دار منصوری دکھاتا ہے　　اگر ساکت رہوں دم بھر کلیجہ منہ کو آتا ہے
کرے کیا عقل ناقص حوصلہ کامل کی مدحت کا
وہ جاہل علم خود جس کو نہ ہو اپنی حقیقت کا

ضیائے مہر علم پاک سے عالم منور ہے　　ترا حسنِ عمل آفاق میں کا شمس اظہر ہے
کہوں کس منہ سے حدِ شرع ہے شمشیر ہے سر پہ　　زباں ساکت ہے دل میں غلغلۂ اللہ اکبر ہے
نگاہِ غور سے دیکھو یہ نقطہ انبیا کیا ہے،
پہیلی چیستاں ہے رمز ہے سر ہے معما ہے

ترے ہمعصر رکن الدین شیرازی کو کیا مانیں　　حقیقت تو یہ ہے وہ علم قرآنی کو کیا جانیں
بشرط انصاف گر رتبہ ترا ذی علم پہچانیں　　حقارت سے سواطع اور معالم پر نظر ڈالیں
مدلل ہو نہ گر دعویٰ بیاں کیونکر مؤثر ہو
مقابل آئے گر تجھ سا کوئی پیدا مفسر ہو

سلیمان ابن اشعث سے بھلا کیا تجھ کو نسبت ہے　　شہاب الدین احمد گر کہوں میں سخت غفلت ہے
مسیحا گر ابو عیسیٰ لکھے احیائے سنت ہے　　خلیل بن بت شکن تو بھی پئے اصنام بدعت ہے
عجب کیا اس سے خائف گر لحد میں شیخ جعفر ہو
کہ اصلاً اور فروعاً منتشر کافی کا دفتر ہو

بیاں کب مجھ سے ہو سکتے ہیں جو تیرے محامد ہیں — جرح تعدیل میں اس وقت سب تیرے مقلد ہیں

تری تحقیق اور تطبیق پر مسکوت موجد ہیں — مثالب اور مناقب پر ترے مبہوت شاہد ہیں

رجال آکر پڑھے تجھ سے جسے شوق تفاخر ہو

تواتر میں توحد ہو توحد میں تواتر ہو

فقہ میں گر کمال الدین سے تمثیل دیتا ہوں — تو مفت الزام نقص اپنی خردمندی پہ لیتا ہوں

ابوالبرکات کو عینی سے گر ترجیح دیتا ہوں — تو ہچشموں میں حد شرع سے تشہیر ہوتا ہوں

مقام غور ہے پھر وصف تیرا ہو تو کیونکر ہو

تردد کیوں نہ ہو گر کشمکش میں جان مضطر ہو

حسام الدین احمد پھر حسامی پر نظر ڈالیں — شرح بحر العلوم اپنی کسی دریا میں دھو ڈالیں

علاء الدین سے کہدو کہ نقط دُر مٹا ڈالیں — مدرس درس سے توضیح سعد الدین اٹھا ڈالیں

توجہ تجھ سے لے جو طالب علم مطہر ہو

اساتید آکے دیکھے گر مرا کہنا نہ باور ہو

فنون کہنہ جالینوس[1] میں پھر تازگی آئی — علوم مردہ صابئ[2] نے دوبارہ زندگی پائی

گھٹا ہے ابر رحمت کی تری اک خلق پر چھائی — ترے دست مسیحا سے ہزاروں نے شفا پائی

اثر در کوے تو صد جان خستہ باز می آید

شفا در بارگاہت دست بستہ باز می آید

---

[1] جالینوس یہ شخص بہت بڑا طبیب لبیب زمانہ کا استاد تھا، شیخ الحکما اور خاتم الاطبا اس کا خطاب ہے، اسقلینوس اول غورس دلمنیوس وبرمانند وافلاطون واسقلینوس ثانی وبقراط سات معالجوں کے بعد یہ آٹھواں معالج تمام ولایت یونان میں مانا گیا۔ [2] یہ حکیم حضرت ادریس علیہ السلام کا بیٹا اپنے وقت کا نبی اور حکیم تھا بہت لوگ اسکی نبوت پر ایمان لائے جو صافی یا صابئی کہلاتے۔

صحیح بعض محققین کا قول ہے کہ یہ پہلا حکیم ہے جو ولایت یونان میں ہوا، واللہ اعلم۔

بہارِ نیک چند سے خار گلہائے چمن کہائیں — اگر تیرے بہارستانِ علمی کی فضا پائیں
کبھی دریائے قلزم میں نہ غوطے ناخدا کھائیں — ترے بحرِ تکلم کی اگر غواص تہ لائیں

چلائیں گو مخالف کس کو ڈر ہے تیری چشمک کی
موید فاضلاں ہاتھوں میں ہے طفلان کودک کی

بس اب قاموس تہ کرلیں مجد الدین شیرازی — براہیں آکے یاں دیکھیں ذرا برہان تبریزی
صراح و منتخب کی کون سنتا ہے سخن سازی — صحاح جوہری نظروں میں ہے اک کاغذ بادی

عجب ہے گر زبان دانی میں تیرے دخل ہے انسان
دبستانِ ازل کا تیرے فارابی ہے ابجد خوان

مقامِ ضبط میں للہ زباں میری نہ کھلوائیں — حمید الدین احمد یہ بیاض سادہ لے جائیں
مقامات حمیدی کی فصاحت یاں نہ دکھلائیں — ترے رتبہ شناسوں سے نہ نظر و فیہ کھلائیں

صلاح وقت ہے انصاف کا خون ہو تو بہتر ہے
وگرنہ جاہلوں میں اپنی رسوائی سراسر ہے

جو صرف و نحو میں دوں ابن حاجب سے تجھے نسبت — تو ہو رتبہ شناسوں میں مرے مضموں کی کیا وقعت
فضیلت میں ترے منکر کو مجھ سے بحث کی جرأت — عجب کیا گر زبان ناطقہ کی بند ہو حرکت

معاذ اللہ سجدہ سہو اس طاعت میں باطل ہے
سراسر ہے تغافل یاں قلم کرنے کے قابل ہے،

طویل المدح کی تیرے نہیں تاب رقم مجھ کو — نجات جانکو قطرہ بحر کل سے کیا ہے کم مجھ کو
حضوری چاہتا ہوں ہجر کا رہتا ہے غم مجھ کو — ملے فکر معیشت سے جو فرصت ایک دم مجھ کو

قدم بوسی کروں حاصل نصیر آباد میں آکر،

طپان رہتا ہے سینہ میں نہایت ہی دل مضطر

جو صفحہ وصف عالی سے مری تحریر پھرتی ہے — فضائے لامکاں سے طائر تقریر پھرتی ہے
اجابت کی نگاہِ شوق میں تصویر پھرتی ہے — دعا کی جستجو میں دربدر تاثیر پھرتی ہے

اسی پر ختم کرتا ہوں ترے اوصاف عالی کو
طوالت میں مبادا دخل ہو علم خیالی کو

برائے گمرہان تا خضر مامور ہدایت ہو — کلاب النار و ناری تا خطاب اہل بدعت ہو
گروہ بدع کو درکار تا پند و نصیحت ہو — نصیحت میں اثر ہو اور اثر میں تا صداقت ہو

بہار شش جہت میں تا بقائے نوع انسان ہو
خدایا بوالمکارم رہنمائے ہر مسلمان ہو

چو مہر آسماں جبتک عروج اہلسنت ہو — مجالس اہل سنت میں رواں تا جام وحدت ہو
نشہ تا جام میں ہو اور نشے میں تا مسرت ہو — مسرت سے بری تا فرقۂ اہل ضلالت ہو

مئے گلرنگ عشرت سے لبالب تیرا ساغر ہو
ترے دست کرم پر سایۂ ساقی کوثر ہو

ہو نخل گل کی تا نشو و نمائے ابر باران سے — بہار باغ ہو تا کثرت گلہائے خندان سے
ہو الفت بلبلوں کو عشق گل میں تا گلستان سے — صدف میں تا ہو لولو قطرہائے ابر نیساں سے

گل مقصود سے خالی کبھی تیرا نہ داماں ہو
در ذات مقدس باعث فخر مسلماں ہو

نسیم صبح سے تا کھل کے ہوں گل غنچہائے تر — اور عاشق رنگ و بوئے گل پہ ہو تا بلبل مضطر
ہو تا صحرا میں آہو نافۂ آہو میں مشک اذفر — رہے تا مشک میں بو اور بو ہو تا روان پرور

شمیم عطر علم پاک سے عالم معطر ہو،
ترے حسنِ عمل پر نعرۂ اللہ اکبر ہو

موحد میں رہے توحید رب العالمین جبتک | کریں اہل سنن پابندیٔ شرع متین جب تک
عزیز از جان رہے ارشاد ختم المرسلین جبتک | ہلے ہر نعرۂ آمین سے چرخ بریں جبتک

تری سیف البیانی تیغ قاطع شرک و بدعت ہو
ترا وعظ موثر باعث احیاے سنت ہو

ہو کلک کاتب اوراق کل تا راقم و عازم | رہے تا صفحۂ ہستی پہ حرفِ مدح و ذم قائم
غریق بحر مدح و ذم رہیں تا ناثر و ناظم | دعا ہے بارگاہ صمدیت میں سیدا دائم

دعا گو ہو ثناخواں ہو موحد عاشق شیدا
صریر استجب ھذا الدعا ہو کلک سے پیدا

قصیدہ ختم ہوتا ہے صلہ اس کا عنایت ہو | یہی ہے وقت بخشش جوش پر دریاے رحمت ہو
امیدیں دل کی بر آئیں نہ ضائع کوئی حسرت ہو | مبارک منبر نبوی الٰہی تا قیامت ہو

توجہ کن کہ خواہم از تو علم مصطفائی را
بکن پر از مے مقصود کشکول گدائی را

اب آخر میں ناچیز "یادگار سلف" کو مرثیہ کے چند اشعار پر ختم کرتا ہے، ولنعم ماقیل؛

این المحامی عن شریعۃ احمد | این المحقق نہج مذھب احمد
مات الامام العالم الحبر الذی | بھداہ علاہ کل حبر یقتدی
یا واحد الدنیا و یا فرد الوری | انت الذی جددت دین محمد
فعلیک منی الف الف تحیۃ | تغشاک ضحیک یا قرین الفرقد

(حزین و غمگین)
نجم الدین عفی عنہ

لا الٰہ الا اللہ ہر ایک کہیں

تصحیح اغلاط یادگارِ سلفؒ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۵	۱	اختلاف	خلاف
۳۲	۸	ولی اللہ	ولی الدین
۳۷	۱۳	نیست	بنت
۴۳	۱۷	۲۴ر	مولوی
۸۴	۶	جنت	خیست (پسینہ)
۳۱	۱۱	آیند	انند
۱۳۹	۱۷	مرو	مرد

اپیل

منجانب حضرت سیدانی صاحبہ مدظلہا اہلیہ محترمہ حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ برائے معتقدین و مریدین حضرت سیدؒ

عزیزو! خوشی کی بات ہے کہ "یادگار سلف" یعنی سیرت حضرت مولاناؒ میری خواہش کے مطابق عزیزی مولوی نجم الدین اصلاحی سلمہ مدرس مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڈھ نے باوجود گوناگوں زحمتوں کے شائع کردی، اللہ عزیز موصوف کو جملہ مقاصد دارین میں کامیابی بخشے، کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف سلمہ کے اندر ابھی یہ آرزو باقی ہے کہ مجموعۃ الفتاویٰ کے ہمراہ نئے سر سے دو جلدوں میں سوانح مرتب کیجائے اور جو حالات اور واقعات رہ گئے ہیں انکو جمع کر دیا جائے، ظاہر ہے کہ اگر مولانا کی جملہ تصنیفات نہ سہی تو کم ازکم مجموعۃ الفتاویٰ تو ضرور جلد از جلد شائع ہونا چاہئے جس کی ضرورت عامی اور عالم دونوں کو ہے، پس میری یہ دلی آرزو ہے کہ آپ لوگ "یادگار سلف" کا ایک ایک نسخہ اپنے پاس ضرور رکھیں، پڑھیں اور پڑھوا کر سنیں تاکہ عزیزی مولوی نجم الدین سلمہ کو جو اس راہ میں مالی زحمتیں اٹھانی پڑی ہیں اس سے سبکدوش ہو کر آئندہ کے پیش نظر کام کو ابھی سے شروع کردیں،

پیارے عزیزو! آپ کو معلوم ہے کہ مولانا مرحوم کے کوئی مادی اولاد نہ تھی لیکن روحانی اولاد کی ایک ایسی مطیع اور صالح جماعت آپ نے چھوڑی ہے کہ اس کی ادنیٰ توجہ ایسے کاموں کے لئے بس ہے، قرآن میں ہے، تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى، یعنی ایک دوسرے کے نیک کام اور پرہیزگاری میں مدد کرو،

والدّعاء،

(طابع محمد اویسؒ ارتی)